مجھے بکھرنے مت دینا

عائشہ سحر مرتضیٰ

APONOVEL

مجھے بکھرنے مت دینا

میں نے تو بس چاہا ہے اُسے — وہ ہوا کے جھونکے کی مانند ہے
اُسے ہی ہر پل محسوس کیا ہے — اور خوشبوئیں بکھیرتا رہتا ہے

رہتی ہے خوشبو اُس کی میرے آس پاس — عجب دلکشی ہے اُس میں
عجب سا طلسم گماں رہتا ہے آس پاس — رکھتا ہے کھرے حساب کتاب

رات اُس دشمنِ جاں کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو اپنی ڈائری کھول بیٹھی اور اپنے احساسات بہت پیار سے اس کے سپرد کر دیئے۔ گھر میں سب کے موجود ہوتے بھی وہ کسی سے نہ کہہ سکتی تھی۔ ایک ڈائری ہی تو اس کی ہم راز تھی، جتنی تکالیف اور ذلتیں سہتی آئی تھی۔ مگر مجال ہے جو کسی سے شکوہ تک کیا ہو۔ وہ اُٹھ کر کمرے کی کھلی کھڑکی میں کھڑی ہوئی۔ جہاں چندا میاں بڑے آرام سے اپنی چاندنی گردونواح میں چھڑک رہے تھے۔ پنک کاٹن کے سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ اوڑھے، سر کے بال لچھوں کی صورت میں اس کے چہرے کا طواف کر رہے تھے وہ ہر روز اسی طرح کتنی کتنی دیر تک چاند ستاروں کو دیکھتی اور دل ہی میں اُن رستوں کی مسافر ہوگئی۔ جو پُر خار تھے۔ اچانک ہی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ٹائم دیکھا تو گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی نہ جانے وہ اتنی دیر کہاں رہا تھا۔ وہ گیٹ کھولتے ہی واپسی کے لیے مڑی اور پلٹن کی جانب قدم بڑھا دیے وہ رات کو کافی ضرور پیتا تھا۔ اس کو اندر جاتا دیکھ چکا تھا کیا تھا اگر اس کے برعکس ہوتا۔ وہ دونوں ایک مثالی میاں بیوی کی طرح لائف گزارتے۔ وہ رات کو گیٹ کھولنے جاتی۔ ناراض ہوتی تو وہ اُسے

epponovels

مناتا۔ اُس سے ڈھیر ساری باتیں کرتا۔ اُسے اپنی ساری پرابلمز شیئرز کرتا۔ آج دونوں کے دکھاوی رشتے کے بجائے محبت و پیار کا عظیم رشتہ ہوتا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کافی کا کپ لیے اوپر کی جانب قدم بڑھا دیے جو بھی تھا۔ مگر وہ تو اُسے دل و جان سے چاہنے لگی تھی ۔ بھلے ہی اُن کی شادی ہنگامی صورت حال میں ہوئی تھی۔ مگر اُسے ایڈجسٹ ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ مگر عبید رضا نہ تو اس رشتے پر خوش تھا۔ نہ ہی اُس کا وجود اُسے پسند تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ باتھ سے فریش ہو کر نکلا ۔تو گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی دیکھ کر وہ اندر تک سرشار ہو گیا۔ سردیوں کی راتیں کافی خنک ہوتی تھیں ۔ اس موسم میں کافی کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ اور وہ وارڈ روب میں سردیے نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کافی پی رہا تھا۔ دونوں میں بات نہ ہونے کے برابر تھی ۔ عبید رضا نے اُس پر اپنی ساری پسند ظاہر کر دی تھی ۔اور وہ کافی مصروف اور پریکٹیکل قسم کا بندہ تھا۔ لائٹ آف ہونے پر اُس نے چونک کر دیکھا ۔ جو کروٹ لیے سونے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس قدر ہتک آمیز رویہ۔ وہ اُس کے رویے سے خار کھاتی تھی ۔کیا ہوتا جو تھوڑی بات کر لیتا۔

''لائبہ! تم نے کافی بہت اچھی بنائی ہے۔'' وہ سوچتے سوچتے وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ رات کو وہ اُس کی ہر چیز تیار کر کے رکھتی۔ کپڑے ، جوتے ،ٹائی ، کف لنکس ،موزے اُسے ہر تکلیف سے بچانے کے لیے۔ صبح سورج کی پہلی کرن نے بیڈ پر سوئے عبید رضا کو نیند سے بیدار کر دیا۔ نو بج چکے تھے ۔ لائبہ نے وال گلاسز سے کرٹن ہٹائے تھے ، اُسے جگانے کا یہی طریقہ تھا اُس کا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ وہ چلتا ہوا قریب آیا۔

''تمہیں میں نے کہا ہے نا۔ ہر وقت سامنے مت رہا کرو۔ کیوں سمجھ نہیں آتی تمہیں میری بات؟ کیوں میری نفرت کو بڑھا رہی ہو؟ گیٹ لاسٹ ! کوئی ضرورت نہیں ہے فرمانبردار بیوی بننے کی ۔ جب میری نظر میں ہی اس رشتے کی اہمیت نہیں ۔ تو کیوں تم پیچھا نہیں چھوڑ دیتیں میرا؟'' وہ اُسے کپڑے اور جوتے رکھتے دیکھ

کر بولا تھا۔ اُس کی زبان انگارے اگل رہی تھی ۔ پل بھر کے لیے تو وہ حیران ہی رہ گئی۔ ایسا بد دماغ شخص۔ وہ وہاں سے تیزی سے نکل گئی۔ کیونکہ اُسے جامع سے دیر ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''پتہ نہیں رفعت ہمارا کیا ہوا فیصلہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔'' نانو اپنی بہو سے مخاطب ہوتھیں۔

'' آپ کیوں فکر کرتی ہیں امی! عبید وقت کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ لائبہ یتیم ہے، بے آسرا تو نہیں۔ ہم ہیں نا اُس کے اپنے۔ اور آپ پریشان نہ ہوں۔ ابھی بچے ہیں وقت تو لگے گا۔'' رفعت سبزی بناتے ہوئے بولیں۔

''میں نے تو اُس بچی کا مستقبل سنوارنے کی سوچی تھی۔ مگر وہ ہے کہ دن بدن مرجھا رہی ہے۔ خُدا میرے بچوں کو خوشیاں دے ۔'' انہیں فکر تھی تو لائبہ کی جوانی، پاپا کے ایکسیڈنٹ کے بعد نانو کے ساتھ یہاں آئی تھی ۔ مریم رمشا اور دانیال اس کے چاچو کے بچے تھے۔ سب سے بڑے عبید جو کہ احمد رضا کے ساتھ اپنا ایکسپورٹ کا بزنس کر رہے تھے۔ وہ اپنی سیکرٹری فاریہ کو پسند کرنے لگا تھا۔ اور وہ امی اور پاپا سے بات کرنا چاہتا تھا۔ جب انہوں نے اُس کی شادی زبردستی لائبہ رضا سے کر دی ۔ وہ پہلے دن ہی سے اُس کے وقار کی دھجیاں اُڑا چکا تھا، اور وہ بے حسوں کی طرح سب کچھ سہہ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''مومو.....! رمشا.....! اُٹھو نا۔ دیر ہو رہی ہے ۔'' وہ صبح حسبِ معمول دونوں کو کھینچ کر اُٹھا رہی تھی ۔

''مومو ! اگر تم ایک منٹ میں نہ اُٹھیں نا تو یہ ٹھنڈے پانی کا جگ سارا تمہارے اوپر ہو گا۔'' مریم کو سب پیار سے مومو کہتے تھے۔ وہ نیند کی سب سے زیادہ رسیا تھی۔ یونیورسٹی کا ٹائم ہو رہا تھا اور پھر رمشا تو اُٹھ گئی۔ مگر مومو ٹھنڈا پانی اپنے اوپر گرنے پر ہڑبڑا کر اُٹھی۔

''اوہ..... یہ..... کس نے کیا یہ سب۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

epondels

''میں نے۔ کیوں اعتراض ہے کوئی؟'' وہ اُس کے سامنے آتے ہوئے بولی۔

''تم..... ! کیا مصیبت ہے تمہیں؟ اپنے کمرے میں چین نہیں ملتا کیا؟ یہ کیا طریقہ تھا جگانے کا۔'' وہ اُس پر بگڑ رہی تھی۔

''اے لڑکی! سدھر جاؤ اس سے بہتر طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تمہیں جگانے کا۔ اب چلو دیر ہو رہی ہے۔ امی نیچے انتظار کر رہی ہیں ناشتے پر۔'' اُن دونوں کی بحث ہو رہی تھی۔ جب رمشا نے کمرے میں آ کر زور دار چیخ ماری تھی۔ وہ دونوں چپ ہوگئیں۔

''کیا ہوا؟'' لائبہ نے پوچھا۔

''9 بج چکے ہیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ بڑے آرام سے کہتی تیار ہو رہی تھی۔

''تم سب جاؤ بھاڑ میں۔ اللہ ایسی بہن اور بھابھی دشمن کو بھی نہ دے۔'' موموکہتی ہوئی باتھ روم کی طرف چل دی۔

☆......☆......☆

''مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی ۔ یہ شخص ہمیں ہر وقت گھورتا کیوں رہتا ہے۔'' مریم نے سامنے کھڑے گرے پینٹ اور بلیک شرٹ میں ملبوس ڈیسنٹ سے شخص کو دیکھا۔ جو کپ ہاتھ میں پکڑے اِدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ مریم نے لائبہ سے کہا وہ ہنس دی۔

''ہمیں نہیں صرف تمہیں گھور رہا ہے۔'' اُس نے ٹھوکا دیا۔''لائبہ میرا دل کرتا ہے ۔ مجھے کبھی یہ راستے میں ملے تو میں اس کو شُوٹ کر دوں ۔ نہایت گھٹیا ہے یہ۔'' وہ غصے میں کہتی ہوئی کتاب منہ کے آگے کر گئی۔

''مومو! تم ہر بات میں جذباتی کیوں ہو جاتی ہو؟'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولی، تو مومو نے اُس کی طرف دیکھا تھا۔

''لائبہ! جذباتی تو تم بھی ہو۔ اگر نہ ہوتیں تو ہر بات پر رونے دھونے نہ بیٹھتیں۔'' وہ اُس پر چوٹ کر گئی۔ تو لائبہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''یہ تم نے کیسے کہہ دیا۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''رات کو سیڑھیوں پر بیٹھ کر چپکے چپکے کون آنسو بہاتا ہے؟'' اُس نے کہا

''وہ تو مجھے ممی، پاپا یاد آتے ہیں تو میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہوں'' وہ منمناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اوہ مجھ سے چھپا رہی ہو۔ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ لائبہ! میں تمہاری دوست اور کزن پہلے ہوں اور نند بعد میں۔'' وہ کہتی ہوئی آسمان پر اڑتے پرندوں کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم فکر نہ کرو لائبہ! اپنی کوششیں جاری رکھو۔ کم از کم مجھ سے ہی کچھ سیکھ لو۔ ہمت نہیں ہارنی ۔ اور ویسے تمہارے پیار کے آگے ایک دن بھائی ہار جائیں گے۔'' اکثر وہ بڑی بڑی باتیں کرتی تھی وہ مسکرا دی۔

''ایسا نہ ہو اُس کے پیار کے آگے تم ہار جاؤ۔'' وہ اُس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ جو ابھی بھی وہیں فٹ تھا۔ وہ غصے میں اُسے منہ چڑا کر نیچے کی طرف بڑھ گئی۔ تو مسکرا کر اُس کی تقلید میں بڑھی۔

☆......☆......☆

''یار ارسلان! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم ٹین ایجز کی طرح کیوں اُس کے لیے پاگل ہو رہے ہو؟'' داور نے اپنے سامنے بیٹھے میجر ارسلان سے کہا۔ جو اُسے پریشان لگ رہا تھا۔

''تم نہیں جانتے داور! ایسا کچھ تو ہے اُس لڑکی میں۔ جو میں گھنٹے اُس کے پیچھے خوار ہوتا ہوں۔ اور اُس کو ہی تکتا رہتا ہوں ۔ مجھے عجیب سا احساس ہوتا ہے اُسے دیکھ کر۔'' ارسلان نے کہا۔

''تو یار! بڑھتے بڑھتے بات کر اُس سے۔ مگر یار ایک بات یاد رکھنا۔ اپنی پوزیشن کو مدنظر رکھنا۔ تم ایک پوسٹ پر ہو تمہیں یہ اسٹریٹ بوائے جیسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔'' اُس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''محبت مرتبہ اور مقام کب دیکھتی ہے؟'' وہ بولا۔

''اوہ مائی گاڈ۔ تو تو گیا یار کام سے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ وہ ہنس دیا۔

☆......☆......☆

exponovels

''مما! میرے موزے کہاں ہیں؟ مل نہیں رہے۔'' وہ کچن میں آ کر ان سے بولا۔ جو پراٹھے بنا رہی تھیں۔

''بیٹا مجھے کیا پتا؟ لائبہ سے پوچھو نا۔ اُسے ہی پتہ ہوگا۔'' وہ اُسے سرزنش کرتی ہوئی بولیں۔

''بھائی! آپ کہیں جا رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے مجھے بھی لے چلیں کالج تک ڈراپ کر دیجیے گا۔'' دانیال اندر آتے بولا۔

''جہنم میں جا رہا ہوں میں چلنا ہے؟'' وہ غصے میں بولے۔

''نہیں بھائی! ایسی جگہ آپ کو ہی سوٹ کرتی ہے۔ میں ٹھہرا شریف نیک۔'' وہ اُس کے پیچھے جاتا ہوا آرام سے بولا۔ جواب میں اُس نے گھور کر دیکھا۔ تو مسکرا کر مڑ گیا۔

''تم فکر نہیں کرو۔ آج بھائی کو اُن کے موزے نہیں ملیں گے اور وہ لائبہ سے پوچھیں گے۔ چلو اس بہانے کوئی بات ہوگی۔'' مومو نے کھڑکی سے جاتے ہوئے عبید کو دیکھ کر رمشا سے کہا۔ وہ ہنس دی۔

''مومو! بھائی کو پتہ چل گیا نا تو تمہاری خیر نہیں۔ ہی ول شوٹ یو۔'' وہ مزے سے بولی۔

''کیا ہو گیا ہے؟ کیوں سارے گھر میں شور مچاتے پھر رہے ہیں؟'' لائبہ جامع کے لیے تیار ہو کر نکلی تو بولی۔

''اوہ! تو مس لائبہ! اب میں اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے آپ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ خیر آپ کو تو میری کسی بھی چیز کی فکر نہیں۔ موزے، ٹائیاں حتیٰ کہ میرے جوتے کچھ بھی تو اپنی جگہ پر نہیں ہے۔ کہاں ہیں موزے براؤن کلر کے؟ جلدی ڈھونڈو مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ جلدی جلدی میں بہت کچھ سنا گیا۔

''شرٹ کے بٹن کس نے توڑے ہیں؟ اس قدر وحشی نہیں ہوں میں جو یوں نوچ لوں بٹن۔'' وہ شرٹ بیڈ پر پھینکتے ہوئے بولا۔ ایک ہی پریس کی ہوئی شرٹ تھی۔ وہ بھی ٹوٹے ہوئے بٹنوں والی۔ نہ جانے یہ سب کیا ہو رہا تھا وہ حیران تھی۔ وہ جلدی سے ڈھونڈ رہی تھی۔ عبید نے جلدی جلدی ٹائی استری کی۔

''اب آپ یوں ہی کھڑی رہیں گی یا بٹن بھی ٹانکیں گی؟ عجیب جہالت ہے۔'' وہ غصے میں بولا۔

''اچھا چھوڑیں بٹن کو ٹائی باندھو میری۔'' وہ شرٹ پر ٹائی لگاتے بولا۔

''کیوں آپ کو نہیں آتی؟'' اُسے حیرانی تھی پہلی بار جو ایسی فرمائش کی تھی۔

''نہیں۔ اور اگر آتی تو تمہیں کیوں کہتا۔ تم بھی ناں پتہ نہیں کن کاموں میں مصروف رہتی ہو۔'' اُس نے جھنجلا کر کہا۔ پھر لائبہ نے اُس کی شرٹ کے بٹن لگا کر ٹائی باندھی۔ ایسا ہنگامہ خیز دن اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مریم کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ بڑے مزے سے بیڈ پر لیٹی ٹانگیں جھلا رہی تھی۔ اُسے آتا دیکھ کر سیدھی ہو گئی۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' جان بوجھ کر انجان بنی رہی۔

''تمہاری وجہ سے آج اتنا ہنگامہ ہوا ہے۔ کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔ اُلٹا اُن کی اتنی باتیں سننی پڑیں۔'' وہ غصے میں بول رہی تھی۔

''میں نے یہ سب تمہاری خاطر کیا۔ بھائی بھی تو جانیں تم ان کی اولین ضرورت ہو۔ اور تم ہو کہ مجھے یہ سب کہہ رہی ہو۔''

''دیکھو مومو! بعض باتوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے ہم انہیں وقت کے دھارے چھوڑ دیتے ہیں وقت فیصلہ کرے گا۔ پلیز! میرے لیے ایسا آئندہ کچھ مت کرنا مجھے بھیک نہیں چاہیے۔ میں انسان ہوں۔ میرا بھی دل ہے۔ جو دھڑکتا ہے۔ محبت کی فرمائش کرتا ہے۔ مگر بھیک میں دی گئی محبت مجھے کسی صورت قبول نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ مومو بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی۔ کاش وہ کچھ کر سکتی اس کے لیے۔

☆ ☆ ☆

آج جامع سے واپس ہوتے ہوئے انہیں بہت تھکان کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ تو رمشا نے فرمائش کر دی کہ آج لنچ ہوٹل میں ہی کر لیتے ہیں۔

''کیوں بھئی! امی اور دادو تو بہت ڈانٹیں گی۔ گھر میں لنچ تیار ہوگا۔'' لائبہ

expnovels

نے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

تو مومو نے اُس کی ایک نہ سنی۔ ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر دم لیا۔

"ہم اکیلے کیسے جائیں گے اندر؟ دیکھو اگر عبید کو پتہ چلا تو بہت غصے ہوں گے۔" لائبہ نے پھر انہیں واپس چلنے کے لیے کہا۔ مومو اُس کے ہاتھ زبردستی پکڑ کر اندر لے گئی۔ پورا ریسٹورینٹ انواع قسم کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اندر جاتے ہوئے مومو بے دھیانی میں باتیں کرتے ہوئے کسی سے ٹکرائی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ لائبہ کے ہاتھ کو اُس نے تھاما ہوا تھا۔ نہیں تو گرتی وہ بھی منہ کے بل۔

"شرم نہیں آتی جان بوجھ کر اندھے ہونے کی ایکٹینگ کرتے ہیں۔ میں گرتی نہ تو تمہیں چھوڑنا نہیں تھا میں نے، وہ غصے میں سامنے والے کو بہت کچھ سنا گئی۔ جبکہ وہ مسکرا رہا تھا۔ مومو آرمی یونیفارم میں ملبوس ڈیسنٹ سی شخصیت کو وقت کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی۔

"خوشی ہوئی آپ کو یوں سامنے دیکھ کر۔" وہ بڑے پرتپاک انداز میں گویا ہوا۔ لائبہ اور رمشا حیران تھیں۔ عجیب شخص تھا۔

"مگر مجھے بہت غصہ آرہا ہے آپ پرے ہٹیے سامنے سے یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے کیا۔" وہ اُسے دھکیلتی سائیڈ سے ہوکر گزرنے لگی۔

"آپ کی خاطر تو پوری زندگی یونہی کھڑا رہ سکتا ہوں۔" اُس نے بڑی لجاجت سے کہا اور باہر نکل گیا۔ وہ تینوں حیرانی سے منہ پر ہاتھ رکھے رہ گئیں۔

"پاگل" کہہ کر سائیڈ ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔ وہ لوگ کھانا کھا رہیں تھیں تو اسی دوران عبید رضا کسی الٹرا ماڈرن، سرخ و سپید رنگت، ہاف سلوز اور رسی نما دوپٹہ گلے میں ڈالی لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ وہ اُن کے سامنے والی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ مومو نے اچانک ہی سامنے دیکھا تو بے کیف سے منظر کو دیکھ کر حلق تک منہ کڑوا ہو گیا۔ لائبہ نے اُسے حیران سا ہونے پر پیچھے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی حالت بھی قابل دید تھی۔

"آئے ہوں گے کسی پرسنل سیکرٹری کے ساتھ۔ دیکھو ابھی چھٹی کر کے آتی

وہاں اس نیولی چیں کی۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ رمشا اور لائبہ نے پریشانی سے دیکھا تھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم ڈر کیوں رہی ہو ابھی بھائی ہمارا سارا بل بھریں گے نہ تو پتہ چلے گا انہیں۔ دوسروں کو ہوٹلنگ کرواتے ہیں۔ ہمیں تو بڑا منع کرتے ہیں۔" مومو کو حقیقتاً اُس پر ڈھیر سارا غصہ آیا تھا۔ ویٹر کو اشارہ کر کے کچھ کہا اور پھر تینوں باہر کی طرف بڑھ گئیں۔ عبید رضا نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ غصہ تو اسے بہت آیا تھا اُن کے بغیر کچھ کہے بل بھرنے پر وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

رات کو وہ حسب معمول دیر سے آیا تھا۔ سب کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ وہ رات کو استری میں مصروف تھی۔ جب وہ چینج کر کے اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"میں نے روکا تھا تم لوگوں کو کیوں گئی تھیں تم وہاں؟" اُس نے بڑے حاکمانہ انداز سے میں اُس سے کہا تھا۔ وہ چپ چاپ کام میں مگن رہی۔ اُس کی خاموشی سے چڑ کر اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے کھڑا کیا تھا۔

"مجھے جواب چاہیے۔" وہ بولا۔

"میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"بیوی ہو تم بیوی ہی بن کر رہو۔ خواہ مخواہ میں مجھے مجبور مت کرو میں تم سے زبردستی کروں۔" غصے میں کہتے ہوئے جھٹکے سے اُس کے کندھے پر رکھے ہوئے ہاتھ ہٹا لیے۔

"بیوی ہوں آپ کی میں بھی آپ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔ کہ آپ اس کے ساتھ ہوٹلنگ کر رہے تھے؟" اُس نے لہجے پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ وہ تیزی سے مڑا تھا۔ "میں نے آپ کو ایسا کوئی حق دیا ہی کب ہے؟ جو مجھ سے پوچھیں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔ میری اپنی لائف ہے، جسے میں اپنے طریقے سے گزارنا چاہتا ہوں۔ میری لائف میں انٹرفیئر مت کریں۔ ورنہ..." وہ انگلی

exponovels

اٹھا کر اسے تنبیہ کر گیا، اُس ورنہ کے بعد گیا تھا۔ وہ سوچ کر ہی کانپ گئی۔

''ہونہہ ... کبھی تو اپنی غلطی پر پچھتاؤ گے۔'' وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔ مومو کی وجہ سے اُسے ایسی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

☆.....☆.....☆

چچی جان اور بچے اُس دن اچانک ہی آ گئے۔ سو انہیں گھر ہی ٹھہرنا پڑا۔ حمرہ چچی جان کی بیٹی تھی۔ آصف اِن کا بیٹا بھی ساتھ ہی آیا تھا۔ حال ہی میں حمرہ کی شادی ہونا طے پائی تھی۔ اُن لوگوں کی لاہور میں اپنی حویلی تھی۔ سو شادی میں کم دن رہنے کی وجہ سے وہ تیاریوں میں مصروف تھے۔ اُنہیں حمرہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا تھا۔

''سنو لائبہ! کچھ پیسے رکھ لینا بھائی سے لے کر۔ ہمیں بھی تو شاپنگ کرنا ہے۔'' مومو نے ٹی وی لاؤنج میں مونگ پھلیاں کھاتے ہوئے چھلکے اُس کی طرف اُچھالے تھے، اُس کے اس طرح کہنے پر وہ چونکی تھی۔

''میں اکیلے مانگوں گی اگر وہ نہ دیں تو؟'' اُس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''امی سے بھی نہیں لے سکتے ہیں اور ابو نے تو مجھے پرسوں ہی کافی پیسے دیے تھے۔ اب تو خرچ ہو چکے ہیں۔ تم اُن سے مانگ کر تو دیکھو۔ بھائی تمہیں دے دیں گے۔'' اُس نے کہا اتنے میں دانیال آ کر دھڑام سے صوفے پر گرا۔

''کہاں کی آوارہ گردیاں ہو رہی ہیں آپ کی؟ نظر ہی نہیں آتے۔'' مومو نے دیکھتے ہی طنز کیا۔

''بس جی کیا پوچھتی ہیں ہمارے تو عیش ہو رہے ہیں۔ اس نے بڑے مزے سے کہا تو لائبہ اور مومو دونوں ہی چونکیں۔

''کیا مطلب؟'' لائبہ نے پوچھا۔

''آپ کو پتہ ہے بھابھی ڈیئر! ہمارے گھر کی فرنٹ سائیڈ پر بہت اچھے لوگ آئے ہیں۔ کیپٹن ارسلان سے تو میری بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔ اُن کی امی تو بہت نائس ہیں۔ وہ اور ان کی امی ہی رہتے ہیں۔ پاپا کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے۔ بہن کوئی ہے نہیں۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔ تو مومو لاپرواہی میوزک شو دیکھ رہی تھی، مگر لائبہ سمجھ گئی تھی ہو نہ ہو وہی لڑکا تھا جو اکثر شام میں سامنے ٹیرس پر موجود ہوتا تھا

۔ دانی ہر کسی سے مراسم نہیں بڑھانے چاہیے اور خاص کر جنہیں آپ نہ جانتے ہوں۔'' لائبہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ مگر دانی سنی ان سنی کر گیا۔ حمرہ آئی تو سب پھر سے باتوں میں مگن ہو گئے۔

''آصف بھائی کہاں ہیں؟'' دانی نے پوچھا تو اس نے کہا۔

''پتہ نہیں کہہ رہے تھے فرنیچر دیکھنا ہے۔ آرڈر پر تیار کروانا ہے۔ شاید اسی لیے باہر گئے ہیں۔'' حمرہ نے وضاحت کی۔

☆.....☆.....☆

''میں کیسے مانگوں جا کر؟ مجھے نہیں پتہ خود جاؤ۔'' اُس نے مومو کو تنگ آ کر جواب دیا۔ اُس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ عبید لیٹے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ اُن کو مصروف دیکھ کر وہ واپس لوٹ آئی۔ اُس کے بہت کہنے پر نہ مانی۔ تو اُس نے دروازہ کھول کر اندر دھکا دیا، اور وہ موبائل پر بات کرتے ہوئے عبید رضا سے جا ٹکرائی۔ بے اختیار سہارے کے لیے اس کا کندھا تھاما تھا وہ بھی لاشوری طور پر اسے سنبھالے ہوئے تھا۔ اُس نے جیسے ہی سانس بحال کیا۔ وہ اُس کے ساتھ کسی بیل کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ ہوش آنے پر آرام سے علیحدہ ہوئی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف اثرات مختلف نہ تھے وہ فون بند کر کے اسکی طرف مڑا تھا۔

''یہ کیا حرکت تھی؟'' آپ کوئی کام بھی آرام سے نہیں کر سکتیں کیا تک تھی اس طرح اندر آنے کی؟'' اُس نے غصے سے اس کو لتاڑا۔ وہ ڈر ہی تو گئی۔

''وہ... وہ... سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔ ہم بازار جا رہے تھے۔ تو میرے پاس پیسے نہیں تھے میں وہی تو مانگنے آئی تھی۔'' اُس نے جان بوجھ کر مومو کا نام نہیں لیا۔ اُسے خواہ مخواہ میں ڈانٹ پڑتی۔ اُس کی آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسو دیکھ کر پل بھر کے لئے تو وہ ان غزالی آنکھوں میں ڈوبنے لگا۔ سائیڈ ٹیبل سے چیک نکال کر اُس کی جانب بڑھا دیا۔ وہ بلینک چیک دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئی۔

''یا اللہ یہ شخص بھی تو بنتا ہے تو تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ نہ جانے مجھ پر ترس کھا رہا ہے یا احسان کر رہا ہے۔'' وہ یوں ہی کھڑی رہتی، عبید رضا نا سمجھی کے عالم میں دیکھنے لگا تب وہ بولی۔

exponovels

''مجھے پچھ پیسے چاہئیں۔ اس چیک کی ضرورت نہیں ہے'' اس نے کہا تو وہ واپس مڑ گیا اور پچھ لال نوٹ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ وہ جلدی سے نکل گئی وہ کچھ دیر وہاں رہتی تو کھڑی نہیں ہو پائے گی۔

☆......☆......☆

''یہ ہم کیا سن رہے ہیں عبید؟'' تم لائبہ کے ساتھ مس بی ہیو کرتے ہو، اس کا خیال نہیں رکھتے اور تو اور اس کو پیسوں کے لئے تمہارے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔'' رضا احمر گیلانی آج ہی امریکہ سے پاکستان لوٹے تھے۔ مریم نے انہیں عبید کی باتیں مرچ مصالحہ لگا کر بیان کیں۔ سو شام میں، ہی عبید کو اسٹڈی میں بلوا لیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا

''تم ابھی جا کر اس کا علیحدہ اکاؤنٹ کھلواؤ۔ جانتے ہو نا اُس کا بزنس میں ہاف شیئرز کا حصہ ہے۔ پھر تم اس کے شوہر بھی ہو، اپنی زمہ داری بھی نبھاؤ۔ نہیں تو ہم اس بن باپ کی بچی کے لئے کچھ بھی کریں گے۔ آئندہ ہمیں شکایت نہ ملے۔'' وہ چُپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔ اُس کی باپ کے سامنے کتنی بے عزتی ہوئی تھی۔ صرف اُس کے لئے۔ پھر سب لاہور شادی اٹینڈ کرنے کی تیاریوں میں تھے مما نے تینوں کے لئے پشواز اور چوڑی دار پائجامہ بنوایا تھا۔ اُسے پرپل کلر بے حد پسند تھا۔ اس لئے مما نے اُس کی پسند کا خاص خیال رکھا تھا۔ رمشا کے لئے اورنج اور مومو کے لئے ریڈ کلر۔ مہندی کی رات ہی وہ لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ چاچی اور حمراہ وغیرہ تو کافی دن پہلے ہی شاپنگ کر کے جا چکے تھے۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔

''مومو دیکھو یہ سیٹ کیسا رہے گا؟'' اپنا خریدا ہوا سیٹ دکھا کر رائے پوچھ رہی تھی۔ اُس نے ریجیکٹ کر دیا۔

''تو اور کیا پہنوں؟'' مومو تمہاری پسند بھی نا سب سے الگ ہوتی ہے'' وہ مایوس ہو کر سیٹ رکھنے لگی۔ اُس نے الماری میں پڑا دوسرا سیٹ دیکھا تو بولی۔

''آں ہاں! لائبہ وہ دوسرے والا پرپل کے ساتھ خوب اٹھ رہا ہے جلدی سے اسے اوکے کرو۔ ویسے بھی سب تیار ہیں ہم ہی دیر کر رہے ہیں مہندی بھی تو لے کر جانی ہے۔'' مومو اسے تیار ہونے کے لئے کہہ کر باہر نکل گئی۔ پل بھر کیلئے آئینے

میں دیکھا۔ لمبے سلکی بال پشت پر بکھرے تھے۔ مناسب میک اپ کے ساتھ وہ نظر لگنے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ کیا ہوتا عبید رضا تم ایک نظر آ کر مجھے تو دیکھتے، میں اتنی بری ہوں کہ تمہیں مجھ سے اتنی نفرت ہو گئی ہے، دوسروں کو اپنے ساتھ ساتھ لے کر پھرتے ہو۔ اور بیوی پورا پورا دن انتظار میں گزارتی ہے وہ سوچتے سوچتے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی، جب اندر آتے ہوئے عبید رضا نے آئینے میں آنسو بہاتے اس وجود کو بخوبی دیکھا تھا بسرعت سے آگے بڑھا۔ اپنے سامان میں سے کچھ نکال رہا تھا وہ جلدی سے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ واپس آئی تو وہ بڑے آرام سے صوفے پر براجمان تھا اسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بن بادل برسات کیوں ہو رہی تھی؟ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو سب پر کہ میں ظلم کرتا ہوں تم پر؟ مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہے۔ اور تمہیں تمہارا حق نہیں مل رہا ہے نا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بہت کڑوے لہجے میں بہت کچھ کہہ گیا۔ وہ وہاں سے جانے لگی۔ نہیں چاہتی تھی کہ اُس پر مزید کچھ اور عیاں ہو۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے قریب کر لیا، وہ بھی تو ایک بات کے پیچھے پڑ جاتا تھا۔

''کہو نہ لائبہ بی بی! تمہیں میرے پیار کی بھیک چاہیے صرف تمہارا بنوں، صرف تمہارے لیے جیوں محبت کرنے لگی ہو نہ مجھ سے؟ شاید بہت شدت سے چاہنے لگی ہو آئینے میں خود کو دیکھتی ہو تو میرے سنگ چلنے کے خواب دیکھتی ہو ان چیپ ہتھکنڈوں سے کیا چاہتی ہو؟ تمہیں وہ مقام مل جائے گا جو ایک بیوی کو ملنا چاہیے؟ تو تم غلط سوچتی ہو اور غلط کر رہی ہو۔ عبید رضا تمہارے ان ہتھکنڈوں سے زیر نہیں ہونے والا۔'' وہ شخص جو اس کا شوہر تھا، اس معصوم پر کیسے کیسے الزام دھر گیا۔ وہ اتنی ذلت بھرے الفاظ میں ڈوب کر رہ گئی یقین ہی نہیں آیا وہ اسے چھوڑ کر باہر کی طرف چلا گیا۔ زندگی میں پہلی بار لگا تھا اُس کی خاموشی نے اسے ڈھیل دی تھی۔

''وہ کیوں نہیں سمجھتا میں بھی انسان ہوں میرے سینے میں بھی دل ہے اے خدا تو اپنے بندوں کو کس کس طرح آزماتا ہے مجھے بھی اس آزمائش پر پورا اتارنا مجھے سرخرو کرنا۔''

☆......☆......☆

مہندی کی تقریب کے بعد شادی پر بھی خوب ہلا گلا رہا۔ تھراہ کی رخصتی پر سب ہی غم دیدہ تھے۔ اُسے شدت سے ممی، پپا یاد آئے تھے۔ خود کو سنبھالنا پہلی بار بہت مشکل ہو گیا۔ وہ دو دن سے عبید کے سامنے نہیں گئی، اپنے آپ کو ادھر اُدھر کے کاموں میں الجھائے رکھا۔ سب ہی اس کی سعادت مندی سے بہت خوش تھے تایا جان نہ ہوتے تو جینے کی امنگ جیسے ختم ہی ہو گئی تھی۔ رخصتی بخیریت عمل میں آئی، سب جانے کی تیاریوں میں مگن ہوئے۔ بہت سی خوشگوار یادوں کے ساتھ وہ لوگ واپس لوٹ آئے تھے۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ اس گھر سے کہیں دور چلی جائے، جہاں عبید اور اس کی زہر اگلتی زبان اور غصیلی نظریں نہ ہوں مگر مجبور تھی۔ شام میں مومو کو ایک خوبصورت سا کارڈ ملا اُس پر بہت خوب صورت سا شعر لکھا تھا۔

کسی سے ناطہ یا تو ہم جوڑا نہیں کرتے
ملا لیں ہاتھ کسی سے تو عمر بھر چھوڑا نہیں کرتے
ہمیں معلوم ہے بالآخر جیت ہماری ہوگی
سو وقتی شکستوں پہ دل چھوڑا نہیں کرتے

اور لکھا تھا۔

"اتنے دن کہاں لگائے؟ مجھے اداس کر کے تمہیں کیا خوشی ملتی ہے؟ لوٹ آؤ ان گلیوں میں جن پر ہم نے اکٹھے سفر کرنا ہے۔" کچھ پھول چننے ہیں، کچھ کانٹے۔ لوٹ آؤ ان رستوں پر جہاں ہمارا مسکن ہے جہاں ہماری منزلیں ہیں۔" فقط تمہارا وہ ....." غصے میں سارا کارڈ پھاڑ ڈالا۔

"اُس چیپ شخص کی یہ جرات چھوڑوں گی نہیں" وہ بلا سوچے سمجھے اس کے گھر کی جانب بڑھی تھی۔ گیٹ کیپر دروازے پر موجود تھا۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھتی گئی۔ وہ لاؤنج میں ہی دراز ٹی وی میں مگن تھا۔ کارڈ جا کر اس کے منہ پر مارا تھا۔

"ہاؤ ڈیئر یو مسٹر کیپٹن! تم کیا سمجھتے ہو میں عام بے وقوف لڑکیوں کی طرح تمہاری گھٹیا باتوں میں آ جاؤں گی۔ مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا کہ تم جیسا Responsible شخص بھی ایسا کر سکتا ہے۔ آئندہ کے لیے وارن کر رہی ہوں۔ آج تو تمہیں کارڈ واپس دینے آئی ہوں مگر آئندہ میرے بڑوں کے ہاتھوں میں فیصلہ ہوگا

اور بھائی تو تمہیں ان حرکتوں پر شوٹ کر دیں گے۔ مائنڈ اٹ" وہ اسے گیدڑ بھبھکیاں دیتی ہوئی واپس مڑنے لگی جب اس کی آواز سنائی دی۔

"اب اگر بھولے سے ہمارے صنم کدہ میں آ ہی گئی ہیں تو چائے ہی پیتی جائیں" وہ چلتا ہوا سامنے رک گیا۔

"عجیب ڈھیٹ انسان ہو..... میں کیا کہہ رہی ہوں تمہیں اپنی بکواس سوجھ رہی ہے۔" وہ غصے میں پھر پلٹی۔

"جانتی ہیں یہ غصہ، یہ تیور، یہ آنکھوں کا گھورنا، یہ ادا کہ ناز ہائے بہت سوٹ کرتی ہے آپ پر۔ تبھی تو..... تبھی تو ہم آپ کے ....." اس پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا زور دار چانٹا اس کی زبان کو بریک لگا گیا۔ وہ رکی نہیں بھاگتی ہوئی گیٹ کراس کر گئی۔ وہ حیرت زدہ اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر رہ گیا۔ وہ تو شکر ہے امی بازار گئی ہوئی تھیں۔ ورنہ آج نہ جانے کتنا ہنگامہ ہوتا۔ مگر دل بھی تو پاگل تھا کیا کرتا۔

☆.....☆.....☆

گھر آئی تو لاؤنج میں مما، دادو، رمشا اور لائبہ! بیٹھی تھیں۔ پکوڑوں کے ساتھ چائے سے لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔ وہ اپنا غصہ بھگانے کی کوشش کرتی وہی بیٹھ گئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟" مما نے پوچھا۔ وہ پل بھر کے لئے گھبرا گئی، پھر بولی۔

"یوں ہی چہل قدمی کرنے نکلی تھی۔ بڑا پیارا موسم ہو رہا ہے نا۔" جس زدہ موسم کو وہ دن میں ہزار بار کوس چکی تھی۔ اب بڑے آرام سے اچھا کہہ گئی تو مما نے کہا۔

"عجیب موڈی لڑکی ہو ایک بات پر تو قائم رہا کرو۔ اچھا چھوڑو پکوڑے کھاؤ" وہ پلیٹ آگے رکھتی ہوئی بولی لائبہ نے بھی چونک کر دیکھا تھا موڈ کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے اچھا نہیں کیا اگر کسی کو پتہ چلا کیا سوچیں گے سب ویسے بھی وہ

exponovels

اچھی نیلی ہے تمہیں اپنی امیج اس شخص کے سامنے خراب نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لائبہ نے اسکی بے وقوفی پر سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنی بات بڑے آرام سے کہہ گئی جیسے بڑے پتے کا کام کیا ہو۔

''اگر وہ ضد میں آیا نا تو مومو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' لائبہ نے ڈرانے کی بے کار کوششیں کیں۔

''بھابھی صاحبہ! آپ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھیں ویسے بھی میں محبت اور عشق پر بالکل یقین نہیں کرتی۔ میرا نظریہ یہ ہے جس سے شادی کرو اسی سے پیار کرو۔ جو چیز آپ کی ہے نہیں کیوں خواہ مخواہ میں اُسے حاصل کرنے کی بے کار کوششیں کرو۔ اپنی چیز سے محبت کرو اور اُسی محبت کو امر کرو۔ ایسا عشق خدا کی نظر میں کامیاب ہوتا ہے۔'' وہ بات ہی بات میں بہت گہری بات کر گئی۔ لائبہ اس کے پوائنٹ آف ویو سے بہت امپریس ہوئی۔ کاش مریم ہر ایک ایسا ہی سوچے۔

☆.....☆.....☆

دانیال شام میں بیڈمنٹن کھیلنے جاتا تھا۔ اُس دن واپس آیا ساتھ میں ارسلان کو بھی لے آیا ان کی امی بھی ساتھ تھیں۔

مما، پپا۔ بھابھی، مومو! جلدی کریں کہاں ہیں سب دیکھیں میرے دوست آئے ہیں وہ کچن میں آتے ہوئے بولا تو دادو نے اسے ڈانٹا۔

''اے لڑکے باؤلا ہوگیا ہے کیا؟ کیوں چیخ رہا ہے؟'' اُن کے کہنے پر بولا

دادو آپ بھی کمال کرتی ہیں میرے اتنے اچھے اور سوبر دوست آئے ہیں چلیں ان کی ممی بھی ساتھ میں آئی ہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں بٹھا آیا ہوں'' مما نے اسے گھور کر دیکھا۔ اصل بات بتانے میں ہمیشہ دیر کرتا تھا۔ پھر سب لوگ وہیں ڈرائنگ روم میں تھے انہیں عالیہ اور ارسلان بہت پسند آئے عالیہ بھی کافی خوش اخلاق تھیں۔ مومو شام میں کمپیوٹر کورس کر رہی تھی سو گھر لوٹی تو غیر معمولی خاموشی نوٹ کی وہیں لاؤنج میں پرس رکھ کر صوفے پر دراز ہوگئی۔

''مما کہاں ہیں آپ؟ کھانا لائیے مجھے بہت بھوک لگی ہے'' وہ اونچی آواز میں بولی مگر جواب ندارد ... ادھر سب کمروں میں دیکھا پھر ڈرائنگ روم

سے آتی ہوئی آوازوں کی جانب بڑھی۔ اندر بڑھی تو کوئی خاتون بڑی پر وقار شخصیت ان کے سامنے تھی۔ مما نے آتے دیکھا تو ان سے کہا۔

''یہ میری بیٹی ہے مریم! کمپیوٹر کلاسسز جوائن کی ہوئی ہیں سو ابھی ہی لوٹی ہے انہوں نے تعارف کروایا۔ اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، وہ ناسمجھی کے عالم میں مما کو دیکھ رہی تھی جب دانیال نے کہا۔

''آپی! یہ میرے عزیزم دوست کی امی جان ہے اور یہ ہیں میرے دوست کیپٹن ارسلان۔ اس نے سائیڈ پر رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھے دانیال کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا تھا۔

اوہ..... مائی گاڈ تو وہ اب اس طرح ہمارے گھر میں اور میرے ممی پپا کے دلوں میں جگہ بنائے گا۔ وہ بڑے مزے سے مسکرا رہا تھا۔ وہ تیزی سے رخ موڑ گئی۔ پھر نہ جانے وہ لوگ کتنی دیر وہاں پر بیٹھے رہے اور لوازمات سے لطف اندوز ہوئے، وہ اپنے کمرے میں آگئی تھی اسے لگا وہ اب اس کے ساتھ کچھ نہیں کرسکتی اُسے بڑھنے سے روک نہیں سکتی وہ کیوں کر رہا ہے یہ سب؟

☆.....☆.....☆

''عبید آپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ میں بھی انسان ہوں میرے سینے میں بھی دل موجود ہے مجھے بھی احساسات وجذبات سے آشنائی ہے کیوں مجھے اپنے لفظوں سے اور گھٹیا سوچ سے ٹارچر کرتے ہیں؟'' وہ سامنے کھڑے شخص سے وہ کہہ گئی جو اُسے پہلے کہنا چاہیے تھا جو اسے چھوٹی چھوٹی بات پر لفظوں کے زخم دیتا ہے۔ ایسے گھاؤ لگاتا جو کبھی نہیں بھر سکتے تھے عبید رضا نے سامنے کھڑی اُس لڑکی کی طرف دیکھا تھا جو آنسو بہائے اُسے بہت کچھ باور کرانا چاہتی تھی۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟ میں آپ کی بیوی ہوں تو غلام بن جاؤں۔ آپ کہیں کہ ہنسو تو میں ہنسوں آپ مجھے رلانا چاہیں تڑپائیں تو میں تڑپوں۔ کیوں عبید؟ جب کوئی حق ہی نہیں دیا تو کس لیے اپنا حق جتاتے ہیں؟ مجھے جینے دیں۔ اگر مارنا ہی چاہتے ہیں تو ایک ہی بار گلا گھونٹیے۔ کیوں لفظوں کی مار دیتے ہیں؟ آپ مرد کتنے خود غرض ہوتے ہیں۔ کسی کے احساسات اور جذبات کی ذرا بھی پرواہ نہیں آپ کو۔'' وہ

غصے میں روتے روتے کہہ گئی۔ وہ ساکت کھڑا تھا۔ پہلی بار اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے کہتی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ اور مریم کے ساتھ فرینڈ کے گھر جانے کا ارادہ تبدیل کر دیا۔

☆......☆......☆

''کیوں میں ایسا کرنے لگا ہوں؟ اُسے بات بات پر کیوں ٹارچر کرتا ہوں؟ آخر میرا اس سے کوئی رشتہ تو ہے۔ وہ مجھ سے کچھ بھی نہیں کہتی۔ مگر آج جو اس نے کہا صحیح ہی تو کہہ رہی تھی۔ مجھے کیوں اچھا نہیں لگتا جب وہ مجھ سے دور جانے کی سوچتی ہے۔ کیا ہونے لگا ہے مجھے جو بات بات پر لڑتا ہوں۔'' تو دل نے کہا۔

''تم اسے چاہنے لگے ہو۔ تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم اس کے قریب رہو۔ آخر تم اس کی محبت میں ڈوبنے لگے ہو۔'' نہیں یہ نہیں ہو سکتا، دماغ نے احتجاج کیا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ تم اس سے کیوں دامن بچانا چاہتے ہو؟ کیا ہوا اگر وہ تمہاری زندگی میں آ گئی؟ تم جس لڑکی کو چاہتے تھے اس نے بھی تو تمہیں دغا دیا۔ وہ بھی تو تم سے دور چلی گئی۔ اس کا بدلہ اس معصوم سے کیوں لے رہے ہو؟''

''کیوں کہ اسی کی وجہ سے وہ دور ہو گئی۔'' دل نے احتجاج کیا۔ نہیں وہ تو اپنے آپ ہی تم سے دور جانا چاہتی تھی۔ تم لائبہ کو چاہنے لگے ہو۔ ہاتھ بڑھاؤ اور اسے پالو۔ وہ تمہارے اتنے قریب ہے۔ مگر ابھی نہیں میں نہیں چاہتا کہ لائبہ بھی مجھ سے دور جائے۔ اسے چاہتے ہو تو ابھی صبر کرنا ہوگا۔ وقت سب بہتر کرے گا بہت جلد۔ وہ رات کو ستے ہوئے سوچ رہا تھا۔ سامنے صوفے پر وہ بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''جس طرح قطرہ قطرہ پانی رسے تو پتھر میں دراڑیں ڈلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح محبت پتھر دل میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی ہم لاشعوری طور پر غلط کر رہے ہوتے ہیں۔ جب ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے تو موسم خزاں سے جن کا حال برا ہو چکا ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ کچھ باتیں وقت کو سونپ دو۔ مگر اپنی کوششیں تو جاری رکھو۔ ورنہ وقت تمہیں پیچھے چھوڑ دے گا۔''

☆......☆......☆

اب کیپٹن ارسلان کی عبید بھائی اور چچا سے بھی کافی فرینڈ شپ ہو چکی تھی۔ وہ شام کو ادھر ہی پایا جاتا۔ دادی سے گھنٹوں باتیں کرتا۔ رمشا اور دانیال کو لطیفے سناتا۔ لائبہ کو بھابھی کہتا۔ ہر بات میں شریک کرتا۔ وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ دل نہ چاہتا ابھی اس کا روپ سب کے سامنے پیش کرے۔ مگر وہ اس دوران اپنے کمرے سے کم ہی باہر نکلتی تھی۔ اس شام موسم بہت خوبصورت ہو رہا تھا۔ دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کلاس اٹینڈ کرنے کو۔ ویسے بھی صبح جامع سے تھک ہار کر لوٹی تھی۔ سولان میں ہری ہری گھاس پر رکھی کرسیوں پر رمشا اور لائبہ کے ساتھ گپیں لگا رہی تھی۔ اچانک بارش شروع ہو گئی تھی۔ اسے بارش میں نہانے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ دانیال تو تھا ہی باہر۔ مما گرما گرم سموسے اور پکوڑے بنا رہی تھیں۔ لائبہ کو اس نے زبردستی پکڑ کر بارش میں نہلا دیا۔

''چھوڑو نا مومو! بہت نہا لیا کپڑے چینج کرو اور کرنے دو چلو یہاں سے۔''

وہ اسے جانے کے لئے اصرار کرنے لگی۔ وہ ایک نہیں مانی۔ گیٹ سے داخل ہوتے ارسلان نے اسے بارش میں نہاتے دیکھا۔ کتنی خوشی تھی اس کے چہرے پر۔ لبوں پر سرخی، آنکھوں میں شوخی، کھلے بال گھومتی ہوئی کسی پری کی مانند عجب داستان سنا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا قریب آیا تھا۔ دانیال پہلے ہی اندر کی طرف جا چکا تھا۔

''کب تلک انجان بنو گی
کب تک بھاگو گی مجھ سے
جہاں بھی جاؤ گی لوٹ کے آؤ گی
کیوں کہ ہر منزل پر رستہ میرے گھر کا ہوگا
ہر منزل پر میں تمہارے رستے میں ہوں گا''

اس نے بڑے اسٹائل سے چند بول کہے اور یہ جا وہ جا۔ وہ ٹھٹکی تھی۔ سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔ اس کی باتیں دل کے تاروں کو ضرور چھو جاتی تھیں۔ مگر اسے پسند نہیں تھیں۔ وہ بدمزہ سی ہو کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆ ☆ ☆

رمشا کی برتھ ڈے قریب آ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اپنی لاڈلی نند کو کیا

exponovels

گفٹ دے۔ مومو اور وہ دونوں اسے سرپرائز گفٹ دینے کا سوچ کر شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ مومو کا آئیڈیا سوٹ دینے کا تھا۔ جبکہ وہ اسے خوبصورت سی پینٹنگ دینے کا سوچ رہی تھی۔ انہوں نے گفٹس لیے واپسی میں آئسکریم کھانے چل دیں۔ یہ آئیڈیا صرف اور صرف مومو کا تھا۔ مومو بڑے مزے سے آئسکریم کھا رہی تھی جب نظر سامنے ٹیبل پر پڑی۔ کوئی ینگ بوائز کا گروپ بیٹھا تھا۔ ان ہی کی طرف متوجہ تھا۔ اسے اچھا نہیں لگا ان کے گھورنے اور فقرے کسنے کا انداز۔

''آج پتہ چلا بھائی کیوں روکتے ہیں اکیلے آنے جانے سے۔ جلدی چلو لائبہ۔'' وہ اسے اٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔ اس کی بات پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ واقعی میں وہ سگریٹ سلگاتے عجیب و غریب اسٹائل سے ان کی طرف متوجہ تھے۔ وہ باہر نکل گئیں۔ وہ بھی ان ہی کی تقلید میں پیچھے گئے۔ کار پارکنگ جلدی جلدی میں غلط ہو گئی۔

''یا خدا اب کیا ہو گا؟'' وہ متفکر سی گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ وہ ان کے ارد گرد شکاری کتوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ ان میں سے ایک براؤن پینٹ شرٹ میں براؤن گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ قریب آ کر بولا۔

''اینی پرابلم؟ ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔'' وہ بڑے کھلے انداز میں آفر دے گیا۔ لائبہ اور مومو کا تو خون خشک ہو رہا تھا۔ آس پاس آبادی بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ آئسکریم پارلر کے باہر گاڑیاں ہی تھیں لوگ تو شاید ختم ہی ہو گئے تھے۔ ان کی پریشانی دیدنی تھی۔ جب ان کی گاڑی کے ساتھ والی گاڑی پیچھے ہوئی۔ لائبہ نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

''تھینکس۔ اب ہم گاڑی لے جا سکتے ہیں۔ ویسے بھی آپ کو اگر شوق ہے تو ہماری گاڑی کو پیچھے سے دھکا لگا سکتے ہیں چلنے تک۔'' مومو نے بے نیازی سے کہا تو وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''کیا مصیبت ہے آپ لوگوں کو؟ راستہ چھوڑیے۔ دیکھیے آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں لوگوں کا خون خشک کر دیتی ہوں ہٹیے آگے سے ورنہ۔'' وہ اپنی طرف سے غصہ کرتے ہوئے بولی۔

''کم آن بے بی! کول۔ باتیں تو بہت اچھی کرتی ہو۔ کیوں نہ اکٹھے ایک کپ چائے ہو جائے۔'' وہ بڑے ریلیکس سے انداز میں بولا۔ اسے غصہ تو آنا ہی تھا۔

''جسٹ شٹ اپ او کے! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ چلو لائبہ۔'' وہ کہہ کر گاڑی کی طرف اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑھی۔ جب اس شخص نے لائبہ کا ہاتھ پکڑا تھا۔ یہ بہت غیر ارادی طور پر ہوا کہ لائبہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور اس کے رخسار کو لال کر گیا۔ اچانک ہی جھٹکے سے کوئی گاڑی قریب آ کر رکی۔ اور اس میں سے نکلنے والے شخص نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کے تحت مکوں سے اس شخص کو پیٹ دیا۔ کیپٹن ارسلان نے اس کے ساتھیوں سے بھی فائٹ کی۔ دانیال اور ارسلان اتفاقاً وہاں سے گزرے جب ارسلان نے مومو کے سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر خباثت دیکھی تو فوراً گاڑی روک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ ''کیا ضرورت تھی آپ کو یوں اس طرح یہاں آنے کی۔ بہت بہادر بنتی ہیں۔ نہ وقت دیکھتی ہے اور نہ حالات۔ آپ کی یہی بے پروائی آپ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیوں نہیں سمجھتیں آپ مس مریم؟'' وہ غصے میں ایک ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا۔ وہ واقعی میں شرمندہ تھی۔

''چلو دانیال! تم گاڑی لے جاؤ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔'' اس نے دانیال کو گاڑی کی چابی دی وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ خود مومو سے چابی لے کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ وہ دونوں بیٹھ گئیں۔ تو وہ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بھابھی! آپ تو سمجھدار ہیں۔ کم از کم ان محترمہ کی بے وقوفیوں میں ان کا ساتھ تو مت دیتیں۔ جانتی ہیں عبید بھائی کتنے پریشان تھے۔ اسی لیے انہوں نے مجھے اور دانیال کو پیچھے بھیجا۔''

''گھر میں فنکشن کی تیاریاں چل رہی ہیں اور آپ ہیں کہ سیر سپاٹوں سے ہی فرصت نہیں۔'' وہ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایسی بات نہیں ہے ارسلان! تم تو جانتے ہو یہ کتنی ضدی ہے اپنی بات منوا کر ہی دم لیتی ہے۔ بھلے پھر نقصان ہی کیوں نہ ہو۔'' لائبہ نے وضاحت کی۔ اس نے بے اختیار مڑ کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

exponovels

وہ ہر بات سے بے نیاز دیکھنے میں مگن تھی۔ وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

گھر پہنچنے پر پپا اور مما نے بھی اسے بہت ڈانٹا تھا۔ جبکہ لائبہ نے یہ سب سے کہا کہ اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ بھی تو ساتھ تھی۔

''تم کیا سمجھتی ہو لائبہ! تم اس طرح لاپروائی کر کے ان حرکتوں سے کچھ ثابت کر لوگی۔ بولو اگر تم لوگوں کو کچھ ہو جاتا پھر......؟'' عبید نے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''کیا فرق پڑتا آپ کو؟'' وہ لاپروائی سے کہتی تیاریوں میں مصروف تھی۔

''فرق پڑتا ہے لائبہ! اور مجھے ہی فرق پڑنا تھا۔ کیوں بھول جاتی ہو تم بیوی ہو میری۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر غصے میں باور کرواتے ہوئے بولا۔

''کبھی بیویوں والے حقوق پورے کیے بھی ہیں۔ ہر وقت رعب جماتے رہتے ہیں۔ میں ہی ایک بے بس اور معصوم ملی ہوں سب کو بے وقوف بنانے کے لیے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بولی۔ اس نے بہت پر شوق نگاہوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ گرین پیروٹ کلر کی خوبصورت ساڑھی پہنے ہلکے پھلکے میک اپ میں کان میں جھمکے پہنے وہ اس کو دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

''جانتی ہو میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ مجھے برا لگتا ہے۔ جب تم ایسی ویسی حرکت کرتی ہو۔'' وہ اس کی بات اور حرکت دونوں پر ہی حیران تھی۔ کوششیں کی کہ اس کے وجود سے علیحدہ ہو جائے۔ مگر گرفت کی مضبوطی، سانسوں کی تپش تھی وقتی پیش کش ہے۔ مگر حیران تھی کہ کایا پلٹی کیسی۔

''چھوڑیں مجھے......آہ...... چھوڑیں نا۔'' وہ اس کی بہکتی ہوئی نظروں کو کیسے روکتی۔ ایک ناکام کوشش کرنے لگی۔

''کہا تھا نا میں نے میرا حق ہے جو میں کبھی بھی وصول کر سکتا ہوں۔ تم مجھے نہیں روک سکتیں۔'' وہ عجیب بہکے بہکے انداز میں بولا۔

''جانتی ہوں تم جیسے مردوں کو۔ جب دل کیا اپنا حق وصول کر لیا۔ اور جب دل چاہا دو کوڑی کا کر دیا۔ کیوں سمجھوتے ہمارے ہی لیے کیوں بنے ہیں؟ قدم قدم پر

...نا نہیں میں کیا کروں ان بڑھتے ہوئے قدموں کو قبول کر لوں یا......'' وہ جھٹکے سے خود کو چھڑاتی باہر کی طرف بھاگی تھی۔ عبید رضا بھی حیران تھا۔ کیا ہوا تھا ان چند لمحوں میں وہ بہکا ضرور تھا مگر اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ وہ اس کا ردعمل جاننا چاہتا تھا۔ وہ ہاتھ مارتا ہوا باہر کی طرف بڑھا۔ برتھ ڈے فنکشن شاندار تھا۔ پپا، مما سبھی نے رمشا کو بہت اچھے گفٹ دیے تھے۔ پپا نے مومو کو چند منٹ کے لیے کمرے میں بلوایا تھا۔

''جانتی ہو آج ہم تمہارے سے بہت اہم رائے مانگ رہے ہیں۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔'' انہوں نے تمہید باندھی۔ وہ جی جان سے متوجہ تھی۔

''تمہارے لیے دو پرپوزل ہیں۔ ایک آصف کا اور دوسرا ارسلان کا۔ تمہیں ایک گھنٹے کے اندر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تمہیں کس سے تعلق جوڑنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں اسی فنکشن میں تمہاری منگنی کر دی جائے۔ جاؤ تحمل سے سوچو۔ ویسے ہم سب کی رائے جان لو ہم تو ارسلان کے حق میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ بہت لائق اور اچھا بچہ ہے۔ آگے بیٹا تم نے زندگی گزارنی ہے۔ تمہیں سوچنے کا وقت دیا جا رہا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ارسلان کی امی واپس جانا چاہ رہی ہیں اتنا کہہ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ وہ تو قسمت پر حیران تھی۔ کیوں کیا سب نے ایسا؟ دانیال اور رمشا بھی کہہ رہے تھے۔ آپ کے لیے بہت زبردست سرپرائز ہوگا۔ وہ ان کی بات پر انجان بنی رہی۔ یا الٰہی یہ امی ابو بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ جب دل چاہتا ہے قسمت کے فیصلے کر کے اپنے آپ سے دور کر دیتے ہیں۔ میں کیا کرون اب۔ کس سے جا کر کہوں کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔

☆......☆......☆

''پلیز مما کچھ تو کریں۔ مجھے ابھی منگنی نہیں کروانی۔ آپ روکیں پپا کو۔ عبید بھائی! آپ کیوں چپ ہیں۔ میں کس سے جا کر کہوں کون ہے جو میرا ساتھ دے گا؟'' وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ فنکشن شروع ہو چکا تھا۔ مہمان آ رہے تھے۔ اور وہ سب کے سامنے رونے دھونے میں مصروف تھی۔

''آپی! کمال کرتی ہیں کیوں رو رہی ہیں۔ منگنی ہی تو ہونی ہے ابھی شادی

exponovels

میں تو کافی دن پڑے ہیں۔'' دانیال اندر آتے ہوئے آرام سے بولا۔

''تم تو بولو مت، دفع ہو جاؤ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے'' وہ غصے میں اسے بُرا بول گئی۔ لائبہ نے اسے کہا تھا۔ کہ وہ ارسلان کے حق میں فیصلہ کر دے مگر وہ نہیں مان رہی تھی۔

''اس شخص سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں اس شخص سے شادی کر لوں جس کے ساتھ میں خوش نہیں رہ سکوں گی جسے میں جانتا نہیں چاہتی۔ لائبہ میں کیا کروں مجھے قسمت نے پہلی بار دغا دیا ہے'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی لائبہ نے اسے سمجھایا وہ تیار ہو کر کمرے سے نکل کر دانی کے کمرے کی طرف گئی۔ اب نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی سب کی خوشیوں میں شریک ہو رہی تھی کمرے میں نیم تاریکی تھی مگر صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اندر گئی تو کسی نے دروازہ لاک کیا۔ وہ اچانک مڑی تھی۔ سامنے ارسلان کو دیکھ کر اس کا دل چاہا منہ نوچ لے۔ وہ قریب آیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اسے اچانک ہی خود سے اتنا قریب کر لیا۔ کہ اس کی دھڑکنوں کو بخوبی سن سکتی تھی۔

''چھوڑو مجھے۔ میں چاہوں تو ابھی جا کر سب کے سامنے تمہاری حقیقت واضح کر دوں۔ اتنی گھٹیا حرکتیں ہیں تمہاری۔ کیسے سوچ لیا مجھ جیسی لڑکی تمہیں اپنانے کے لیے تیار ہو گی میرا بس چلے تو تمہیں دیکھوں بھی نا۔ یہ جو شرافت اور معصومیت کا نقاب چڑھائے پھرتے ہو، اتار پھینکو۔ میں نفرت کرتی ہوں تم سے سنا تم نے۔ مت آؤ میری زندگی میں پلیز چلے جاؤ۔'' وہ غصے میں کہتی ہوئی آہستہ آہستہ منت پر اتر آئی۔ پل بھر کے لیے تو ایسے لگا جیسے رفتارِ کائنات تھم سی گئی ہو۔ اس نے جس طرح نفرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ شرم کے مارے زمین میں گڑنے کو تھا۔

''جتنی نفرت تم مجھ سے کرتی ہو نا اس سے بھی کئی گنا زیادہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں میرے اظہار کرنے کے طریقے غلط تھے۔ مگر میرا دل میری نیت بہت پاکیزہ تھی۔ اس جذبے کو کوئی غلط رنگ مت دو۔ میں ٹوٹ جاؤں گا۔ پلیز مجھے کچھ ایسا ویسا کرنے پر مجبور نہ کرو۔ چپ چاپ ہاں کر دو۔ تو کچھ بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ میں کچھ بھی ...'' وہ غصے میں اس پر ایک اور انکشاف کر گیا۔

''تم جیسے گھٹیا مرد سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے اٹھا لو میری مجبوری کا فائدہ۔ پچھتاؤ گے مجھ سے شادی کر کے۔ میں تمہیں کبھی بھی وہ خوشی نہیں دے پاؤں گی۔'' کچھ سوچتے ہوئے مومو نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ ارسلان نے بہت گرم جوشی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا جو بے تاثر تھیں۔ وہ اسے چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

پھر مومو نے چپا اور دادی سے نہ جانے کیا کہا تھا۔ کہ اسی دن اس کا نکاح کرنے پر راضی ہو گئے تھے ارسلان تو خوشی سے جھوم اٹھا۔ وہ اپنے کمرے میں بند خون کے آنسو رو رہی تھی۔

''یہ سب میں نے تم سے صرف اور صرف انتقام لینے کے لیے کیا ہے۔ تم پل پل تڑپو گے میری محبت کے لیے۔ تم نے جو کیا ہے میرے جذبات اور احساسات کو اندر ہی اندر ختم کر دیا ہے۔ میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی اپنے لیے کسی شہزادے کا انتظار کرتی ویران جنگل کی مسافر ہو گئی تھی مگر میرے دل کو مردہ تم نے کیا ہے۔ تمہیں برباد میں کروں گی کیپٹن۔'' سوچتے ہوئے مصمم پکا ارادہ کر لیا۔ پھر نکاح خیر و عافیت سے ہو گیا۔ حتیٰ کہ اگلے ماہ کی تاریخ رخصتی بھی رکھ دی گئی۔ وہ پتھر کی بے جان مورتی کی طرح دیکھے گئی۔ جذبات و احساسات سے عاری مردہ لاش۔

''یہ کیسے خواب سے جاگی ہیں آنکھیں
کسی منظر پہ دل جمتا نہیں ہے
جو دیکھو تو ہر اک جانب سمندر ہے
مگر پینے کو تو اک قطرہ نہیں ہے''

لائبہ! یہ دیکھو ڈریسز مسز شیر خان لائی ہیں''

یہ ارسلان کی امی بھی کمال کرتی ہیں۔ ہر روز کچھ نہ کچھ نیا لے آتی ہیں۔

''مما نے لاؤنج میں پھیلے کپڑوں کی جانب اشارہ کیا۔ وہ وہیں بیٹھ کر کپڑے دیکھنے لگی۔ رمشا اور دانیال کمرے میں بیٹھے نہ جانے شادی کے لیے کیسے آئٹم بنا رہے تھے اس گھر میں برسوں بعد حقیقی خوشیاں آ رہی تھیں۔ جب چپا اور بھیا اندر آئے۔ ہاتھ میں بہت سے شاپرز پکڑے ہوئے تھے۔

exponovels

''لائبہ بیٹا !اچھی سی چائے پلاؤ آج تو بہت تھک گئے ہیں۔ جیولری پسند کرتے کرتے دیر ہو گئی۔تم لوگ بھی دیکھو اور او کے کرو۔'' پپا نے اسے کہا۔ عبید رضا نے پل بھر کے لئے اسے دیکھا تھا۔فنکشن کے دن کے بعد وہ آج اسے فرصت میں نظر آئی۔ رات کو دیر سے آتا۔تو وہ سوئی ہوتی۔اب چونکہ شادی قریب آ رہی تھی سو اکثر گھر میں ہی پائے جاتے تھے۔ وہ بکھری بکھری سی لگی۔ اسے واقعی میں مریم کی بے حد فکر تھی۔ وہ دل سے دعا گو تھی کہ خدا نہ کرے اسے بھی لائبہ جیسی دوہری زندگی گزارنی پڑے۔ وہ اندر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

گھر میں ڈھولک رکھوا دی گئی۔ خوب ہلا گلا اور شور ہو رہا تھا۔ دادی نے رمشا کو ڈانس کرنے کی اجازت دے ہی دی۔ اسے بھی شوق تھا نا فنکشن کو یادگار بنانے کا۔ دادی ہی ایسی رسومات کے خلاف تھیں۔مگر دادو اس دفعہ کافی نرم پڑ چکی تھیں۔ لائبہ نے گھر کا کافی کام سنبھالا ہوا تھا۔ ادھر اُدھر آتی جاتی وہ عبید رضا کی نظروں کے حصار میں تھی۔ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ریڈ کام دار ساڑھی میں عبید کا دل چاہا فرصت سے اسے دیکھے۔سو کچن میں چلا آیا۔

''لائبہ ! میرے سر میں درد ہو رہا ہے کوئی ٹیبلٹ ملے گی۔ اور ہاں اگر چائے ہو جائے تو کیا بات ہے...... میں اوپر کمرے میں ہوں وہیں لے آنا۔'' حکم دے کر یہ جا وہ جا۔ وہ حیرانی سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔مریم پارلر میں تیار ہونے جا چکی تھی ۔ بارات آنے میں کچھ دیر تھی۔ وہ جلدی سے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اوپر چلی آئی۔ کہ چائے دے کر ابھی کپڑوں کو بھی تو سیٹ کرنا ہے اور بھی بہت ڈھیروں کام پڑے تھے۔ وہ اندر آئی تو بیڈ پر نیم دراز تھا۔ نائٹ بلب کی ہلکی ہلکی روشنی اندر خواب گاہ کو خوبصورتی بخشتے ہوئے تھی۔ چائے سائیڈ پر رکھی اور ٹیبلٹ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا جب اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود پر گرا لیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی۔

''بہت دل چاہ رہا تھا تمہیں قریب سے دیکھوں۔ سو میری خواہش پوری ہوئی۔ وہ مدہوش لہجے میں بول رہا تھا۔

''میرے دل کی سونی دھرتی پر اپنے پیار کی بارش کر دو برس جاؤ جی جان سے۔ آج ہاں اب صبر نہیں ہوتا۔ مہکا دو انگ انگ میرا۔ مجھے اپنی محبت سے روشناس کروا دو۔ اتنے قریب آؤ کہ ٹوٹ کر برس جاؤں۔کوئی شکوہ نہیں کوئی گلہ نہیں آج۔ آج صرف وہ ہو گا جو دل کی پسند ہے۔ برسو آج پلیز۔ اس کے بہکے ہوئے انداز سے خوف زدہ ہو گئی۔ گرفت پر ایسی تپش تھی۔ پورا وجود اس کی روح کی گرمی سے پگھل رہا تھا۔

''اگر آج تم بکھر گئیں تو اپنی نظروں میں گر جاؤ گی۔نہیں لائبہ جذبات کو قابو میں رکھنا ہو گا۔عبید کو روکنا ہو گا'' وہ سوچ رہی تھی۔

''پلیز عبید! آج نہیں۔ آپ کو صبر کچھ اور کرنا ہو گا۔ کچھ باتیں ادھوری ہیں کچھ فیصلے اور کچھ غلط فہمیاں ہیں پہلے انہیں سلجھا لیں۔ پھر ہم نئی زندگی کی شروعات کریں گے۔ مجھے چھوڑ دیں عبید آپ کو خدا کا واسطہ ہے۔ پلیز لیو می۔ وہ اسے کہتی اپنا وجود چھڑانے لگی۔ جو یکدم عبید کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ اور وہ جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

☆......☆......☆

ویلکم ویلکم ایٹ مائی ہوم۔ مائی سویٹ ہارٹ وائف! کیسی ہیں آپ؟ اور بتایئے آپ کو کیسا لگا ہمارے گھر آنا؟'' وہ بڑے خوبصورت انداز میں کہتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ وہ غصے میں لب بھینچ کر بیٹھ گئی۔ نہ جانے اب کیا ہو گا۔مگر ارسلان تو کچھ اور ہی سوچ کر آیا تھا۔ وہ کیسے بھول جاتا مریم کے بار بار بے عزت کرنے والی باتیں وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بہت ضدی ہے اس کی محبت کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے گی۔ اسے راضی کرنے کے لئے کافی پلاننگ کی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے مشن کا آغاز کر گیا۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں مرتا ہوں تم پر؟ محبت کرتا ہوں تم سے؟ ہاہ...... جو باتیں میں تم سے کرتا تھا وہ میں نے نہ جانے کتنی لڑکیوں سے کر بیٹھا ہوں اور تم بے وقوف مجھے اپنے لیے نہ جانے جوگی سمجھ بیٹھیں۔ میں نے تم سے شادی کی دیکھ لو میں نے بھی اپنی ضد پوری کی ہے۔ اب تم اس گھر میں نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظروں

exponovels

کے سامنے رہو گی۔ پل پل کا عذاب کاٹو گی۔ تمہیں بھی پتہ چلے کسی کو ٹھکرانا کیسا ہوتا ہے۔ اٹھو یہاں سے جاؤ فریش ہو جاؤ۔ اور شکل گم کرو میں سونا چاہتا ہوں'' وہ لمحے بھر کے لیے زہر اگلتا ہوا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

اس کی دھڑکنیں تو پہلے ہی جامد تھیں ایک اور دھوکا۔ اتنی تذلیل جو میں نے سوچا تھا۔ وہ جھٹکے سے بستر سے اتری۔ ہر چیز نوچ پھینکی وہ کیا سمجھتا ہے۔ میں مرتی ہوں اس پر؟ وہ واش روم سے چینج کر کے نکلا۔ تو سامنے صوفے میں دھنسی بیٹھی کوئی میگزین اٹھائے ہوئے تھی۔ بے نیازی قابل دید تھی اسے آتا دکھائی دیکھ کر وہ اٹھی اور چینج کرنے چل دی۔ بنا دیکھے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ اور بستر میں گھس گیا۔ اے سی کی کولنگ ماحول کو خوابناک بنا رہی تھی۔ وہ واش روم سے نکلی۔ اتنا مکار ہے اب صوفے پر سونا پڑے گا۔ بال سلجھاتی اسے ڈھیر ساری گالیاں دینے لگی۔

☆......☆......☆

ولیمے کی تقریب بہت شاندار تھی۔ لائبہ اس کے ساتھ رہی تھی ارسلان سب لوگوں سے ہنسی مذاق میں مصروف تھا۔ دانیال، پپا اور عبید، رمشا سب ہی لوگ خوش تھے۔ دادو اور مما کافی مطمئن ہوگئی تھیں کہ ان کا جلد بازی کا فیصلہ صحیح تھا۔

مگر لائبہ جانتی تھی کہ وہ راضی نہیں تھی۔

''بھئی ارسلان! تم بتاؤ! ہماری بیٹی کیسی لگی؟'' پپا نے پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

''انکل کیا پوچھتے ہیں۔ اپنی محبت سے ہی تو ہم نے انہیں جیتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی بیٹی، ہمیں جی جان سے عزیز ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا اُسے بہت برا لگ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کبھی کہنی اس کے جسم سے ٹکرا جاتی تھی کبھی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ ہاتھ چہرے سے مس کرتا۔ وہ پہلو بدل کر ہی تو رہ گئی۔

''کیوں اس خوبصورت چہرے کو بگاڑ رہی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تماشہ مت بنوائیے اپنا۔'' وہ سرگوشی کرتا ہوا بولا۔

''دیکھ لوں گی تمہیں ارسلان احمد خان۔'' وہ غصے میں بولی۔ تقریب خیر و عافیت سے ختم ہوئی۔ آنٹی بہت خوش تھیں مریم کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ وہ بھی کافی حد تک اُس گھر میں ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ ارسلان اب پہلے کی نسبت کافی

مصروف ہو چکا تھا۔ سو دیر سے ہی گھر لوٹتا۔ آپس میں باتیں صرف طنزیہ ہی ہوتیں۔ ایک دوسرے کو جلانے والی باتیں کرتے اور اپنی راہ لیتے۔

''مریم بیٹا! ابھی تمہارے فرحان انکل کا فون آیا تھا۔ مجھے گاؤں آنے کا کہا ہے۔ وہاں زمینی مسئلے میں پراپرٹی ہے کچھ احمد کی۔ آج کل کیس چل رہا ہے تو مجھے جانا ہوگا۔ یہ اب تمہارا گھر ہے اپنے گھر کو سنوارو۔ اور اپنی زندگی کو پرسکون بناؤ۔ میرا کیا ہے میرا آنا جانا تو لگا رہتا ہے۔ ویسے بھی امی ابو ہیں وہاں اُن سے بھی تو ملنا ہوتا ہے تم پریشان مت ہونا اوکے۔ آج شام میری فلائٹ ہے رحیم یار خان کی۔'' وہ اُسے کافی کچھ سمجھا رہی تھیں۔ وہ جی جان سے متوجہ تھی۔

'' آپ چلی جائیں گی تو میں اُداس ہو جاؤں گا امی جان۔'' اُس نے غیر ارادی طور پر کہا۔ وہ پیار سے بولیں۔

''یہاں سب تمہارے اپنے ہیں اُداس ہوگی تو دن کو وہاں رہا کرنا اور شام کو تو ویسے بھی ارسلان آجایا کرے گا۔'' وہ اُسے ساری بات سمجھا گئیں۔

☆......☆......☆

پھر وہ چلی گئیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے سارا کام خود کرنا پڑتا۔ بیٹ مین ہوتے ہوئے بھی اُسے ساری ہدایات کرنا۔ اس طرح کافی مصروف رہنے لگی تھی۔ وہ کئی دنوں سے امی کے گھر رہنے نہیں گئی تھی، وہ لوگ تو چکر لگاتے رہتے تھے۔ وہ وہاں جانے کا ارادہ کئے ہوئے تھی۔ ارسلان کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔ پتہ تھا کوئی نہ کوئی بات کر دے گا۔ شام گھر لوٹا تو وہ موجود نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا۔ سیدھا اُس کی پیروی میں چلا آیا۔ سب لوگ لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

''آؤ یار! تمہاری کمی محسوس ہو رہی تھی۔ کیسے ہو کئی دن بعد نظر آئے۔'' دانیال نے پوچھا تو جو وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی یکدم چونکی تھی۔ اب کیا ہوگا اُسے ڈانٹے گا۔

''بس مصروفیت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ میں مریم کو لینے آیا ہوں۔ ایکچوئلی گھر میں کچھ کام تھا مما کا بھی فون آیا تھا۔ وہ موموکے لیے کافی پوچھ رہی تھیں۔ وہ دوبارہ بھی فون کریں گی۔'' اُسے پتہ تھا۔ صاف جھوٹ بول رہا ہے لائبہ چائے لے

exponovels

آئی تھی۔ اُس کی طرف کپ بڑھایا سب کو دی اور خود بھی سائیڈ پر بیٹھ گئی۔

''مگر مومو تو کہہ رہی تھی وہ کچھ دن یہیں رہے گی۔'' اُسے لائبہ نے کہا تو وہ چونکا تھا۔

''ہاں وہ لیکن اگر کام نہ پڑتا تو میں کیسے روکتا۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو انکل تو میں اسے لے جاؤں۔'' وہ بڑی سعادت مندی دکھا رہا تھا انہوں نے کہا۔

''بھئی! یہ تم لوگوں کا پرسنل معاملہ ہے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ پھر اُسے مجبوراً اُس کے ساتھ جانا پڑا۔

''یہی اہمیت ہے تمہاری نظروں میں میری۔ تم مجھ سے پوچھے بغیر فیصلے کر کیسے لیتی ہو؟'' کیا سمجھتی ہو خود مختار ہو؟ تو یہ بھی جان لو۔ اب سے تم میرے حکم کے بغیر پانی بھی نہیں پیو گی۔ وہ غصے میں کچھ زیادہ ہی اُلٹا بول گیا تو وہ گھور کر دیکھنے لگی۔

''کیوں زرخرید ہوں تمہاری؟ کہا تھا نا تم مجھے پا کر پچھتاؤ گے۔ اب کیا فائدہ ہو گا۔ دن رات تڑپو گے مگر میں تمہارا حکم نہیں مانوں گی سمجھے تم۔'' وہ بھی اونچی آواز میں بولی۔

''اوہ..... تو تم میری بات نہیں مانو گی۔ مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہو۔ میں تمہیں اس قابل چھوڑوں گا تو ہی ایسا کرو گی نا۔'' وہ اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس کو دونوں بازوؤں سے کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔

''بولو..... آئندہ کرو گی جس سے میں روکوں گا۔ مجھ سے دور ہو جاؤ گی تو بھسم کر دوں گا تمہیں۔ میری محبتیں دیکھی ہیں۔ نفرت سے ڈرو۔ میں غصے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ وہ اپنے بازو اس کے کندھوں میں گاڑتے ہوئے بولو۔ وہ تڑپ کر رہ گئی، پھر وہ اسے چھوڑ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

''یا اللہ مر جائے جان چھوٹے اس سے۔'' وہ غصے میں بد دعا دے گئی۔

☆ ☆ ☆

عبید کی طبیعت کچھ جھل سی تھی۔ اسی لئے وہ آفس نہیں گیا۔ لائبہ، مومو کے جانے کے بعد کافی بور رہنے تھی۔ مگر اتنا مسئلہ نہیں تھا۔ اکثر وہاں چلی جاتی تھی۔ وہ کافی حد تک سیٹ ہو گئی تھی۔

''چائے لے جاؤ لائبہ بیٹا! عبید کے سر کا درد گیا ابھی گیا نہیں کیا۔؟'' وادی ماں اسے کچن میں مصروف دیکھ کر بولیں۔

''ہاں دادو! وہ ریسٹ کر رہے تھے۔ میں ابھی لے جاتی ہوں۔'' اُس نے پتیلی چولہے پر رکھ کر برنر آن کیا۔

''عبید چائے پی لیں۔'' وہ اندر آتے ہوئے بولی۔ پھر خود کمرے کی صفائی میں مصروف ہو گئی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتا اُسے کام کرتا ہوا دیکھتا رہا۔

''لائبہ ادھر آؤ۔'' اُس نے بلایا وہ چلی آئی۔

''سر دباؤ میرا۔'' عجیب بے تکی سی فرمائش لگی۔ اُسے ٹیبلٹ کھا کر سو جانا چاہیے تھا۔ سر دبوانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بڑ بڑائی۔ نا چار سائیڈ پر بیٹھ کر عبید کا سر دبانے لگی۔ یوں ہی پانچ منٹ گزرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبید نے جاتی ہوئی لائبہ کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''کب تک؟'' کب تک یوں ہی دور بھاگو گی؟ شاید تم تو میرے مرنے کا انتظار کر رہی ہو نا۔ لائبہ اگر انسان سے کوئی غلطی ہو جائے تو خدا بھی اسے معاف کر دیتا ہے اور یہاں انسان غلطیوں پر زخم لگائے چلا جائے تب بھی اسے احساس نہیں ہوتا۔'' وہ آخر میں اس پر چوٹ کر گیا تھا۔ وہ یوں ہی کھڑی رہی۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں عبید! ان فیکٹ مجھے آپ سے سوری کرنا چاہیے تھا۔ میں نے آپ سے کئی دفعہ مس بی ہیو کیا۔'' وہ بولی تو گویا عبید کی روح میں سکون سرایت کر گیا۔

''تو تم واقعی میں مجھے تشنہ پا نہیں رہنے دو گی۔ مجھے بکھرنے سے بچا لو گی۔ بولو نا لائبہ! کیا تم میری بے وقوفیوں کو سچے دل سے معاف کر کے لوٹ آئی ہو؟'' وہ اگلے ہی لمحے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس سے سوال پوچھ رہا تھا۔ وہ حیران تھی ابھی سر میں درد تھا۔ اور ابھی چیک رہا ہے۔

''ہاں اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ ریسٹ کریں۔'' وہ کہہ کر جانے لگی۔

''تمہاری باتیں سننے کے بعد طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔ اب جلدی سے

exponovels

بتاؤ۔ وہ اُسے سامنے کرتا ہوا بولا۔ تو اس نے پوچھا۔

''کیا؟''

یہی کہ ہم ہنی مون کس جگہ پر منائیں گے؟ جاپان، فرانس، کنیڈا، لندن یا......'' وہ بڑا چہک رہا تھا۔

''پاکستان میں اور اسی گھر میں۔'' وہ بھی دوبدو بولی۔ پھر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس دیئے کئی دنوں بعد انہیں حقیقی خوشی نصیب ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

کیپٹن ارسلان نے اسد اور اس کی فیملی کو گھر انوائیٹ کیا تھا۔ وہ کچن چکر بنی ہوئی تھی۔ لائبہ بھی اُسی کے ساتھ کام کروا رہی تھی۔ بڑبڑاہٹ کے ساتھ وہ برتن ٹیبل پر لگا رہی تھی۔ وہ لوگ آئے۔ مریم، اسد کی وائف اور بچوں سے ملی۔ ان کے دو بڑے پیارے گول مٹول بیٹے تھے۔ وہ آنٹی آنٹی کر کے اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ وہ کچن میں ان کے لئے کسٹرڈ لینے گئی۔ وہ دونوں بھی پیچھے تھے۔ لائبہ بھی حیران تھی۔

''آپ کو کسٹرد پسند ہے علی، زیب۔'' وہ دونوں سے پوچھ رہی تھی۔

''جی ہم شوق سے کھاتے ہیں۔'' وہ بولے تھے۔ دونوں جڑواں تھے۔ 4 سال کے تو ہو گئے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر اُس کے دل میں شدت سے خواہش ابھری تھی کہ لائبہ کے بھی دو پیارے پیارے بیٹے ہوتے وہ انہیں ہر وقت اپنے ساتھ لگا کر پھرتی۔

''لائبہ! دیکھو کتنے کیوٹ بچے ہیں ناں۔ تمہارا دل نہیں کرتا تمہارے بھی اتنے پیارے پیارے بچے ہوں۔'' وہ کچن میں کھڑی برتن صاف کرتی لائبہ سے بولی، وہ چونکی تھی۔ علی، زیب اندر جا چکے تھے۔ وہ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی۔ ارسلان آتا دکھائی دیا۔ موبائل اُس کی طرف بڑھایا تھا۔ مما کا فون تھا۔ وہ خود فریج کی طرف بڑھ گیا۔ وہ رُخ موڑے اُن سے دعا سلام کرنے لگی۔

''کب آ رہی ہیں آپ؟'' بہت دھیمے لہجے میں بولی۔

''بہت اداس ہو گئی ہو۔'' اس بار لائبہ نے ٹہوکا دیا۔ وہ گھور کر رہ گئی۔

''جی......! جو جی چاہے لے آئیں۔ کلر سرخ رنگ مت لائیے گا'' وہ سوٹ کا کلر بتا رہی تھی۔

''کیوں! کس نے کہا؟ سرخ رنگ تم پر سوٹ نہیں کرے گا۔ ارسلان کو سرخ رنگ بہت پسند ہے۔'' مما نے حتمی فیصلہ سنایا۔

''جی بہت خیال رکھتے ہیں۔'' وہ ارسلان کے بارے میں پوچھنے پر بتانے لگی۔

''ہاں۔ بہت خیال رکھتے ہیں۔ بیوی بیمار نہ ہو جائے کام کرنے کے لئے مجھے فوراً بلوا لیا۔ یہ پیار نہیں تو اور کیا ہے۔'' لائبہ کی بات پر ارسلان نے بہت زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

''سنو! یہ باقی کی صفائی تمہارے ذمے۔ کچھ کھا پی لینا۔ یہ نہ ہو بھوکی رہ کر صفائی شروع کر دو۔'' مریم موبائل بند کر کے مڑی تو لائبہ نے کہا۔ وہ محض گھور ہی سکی۔ ارسلان نے دھیرے سے موبائل تھاما۔ اور باہر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ مہمانوں کو سی آف کرنے کے بعد اندر آ گئیں۔ لائبہ نے کافی بنائی تینوں نے بیٹھ کر پی۔ کتنی دیر باتیں ہوتی رہیں تب وہ لائبہ کو چھوڑنے گیٹ تک آئی تھی۔

''تمہیں پتہ ہے لائبہ! ان چاہے راستوں پر سفر کرنا کس قدر کرنا مشکل ہوا کرتا ہے۔ شادی محض دو لوگوں کے بندھن کا نام ہی نہیں ہے۔ کئی رشتے اس بندھن میں پرو دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ شخص ہی آپ کا پسندیدہ نہ ہو، اُسے آپ کی پرواہ نہ ہو تو باقی رشتوں کو جوڑے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' مریم گھاس پر چلتے ہوئے بولی۔ لائبہ نے اُس کا کھویا کھویا انداز بخوبی محسوس کیا تھا۔

''تم اُسے چاہنے لگی ہو ناں......'' اُس نے مومو کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سر جھکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔

''فکر مت کرو تمہاری محبت ارسلان کو بدل دے گی۔ جیسے میری محبت کے آگے عبید ہار گئے ہیں۔ تم اپنی طرف سے کوششیں کرتی رہو۔ ویسے یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں زیادہ تر قصور تمہارا ہی ہے۔ ارسلان جیسا ٹوٹ کر چاہنے والا شخص قسمت

exponovels

سے ملا کرتا ہے۔" اس نے مومو کو تسلی دی۔ اور اس سے گلے مل کر گیٹ عبور کر گئی۔

☆ ☆ ☆

لائبہ کے آنے سے اسکا آدھا کام ختم ہو گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں لائبہ کا شکریہ ادا کرتی اندر کی طرف بڑھی۔ وہ کچن کی طرف جانے لگی تھی۔ ارسلان موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ خوشی اور طمانیت اُس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ بہت خوشگوار لہجہ دوسروں کے ہی لیے ہوا کرتا تھا۔ وہ تاسف سے سوچتی صوفے کے پاس سے گزری۔ جب انجانے میں اس کا پاؤں لٹکتے دوپٹے میں لپٹا تھا۔ اور وہ سیدھا صوفے کی ٹانگ سے ٹکرائی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ارسلان اسے گرتا دیکھ کر تیزی سے اُس کی طرف آیا تھا۔ شکر ہے زخم گہرا نہیں تھا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

"مریم! کیا ہوا تمہیں؟" وہ پریشانی کے عالم سے اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

"مومو! اُٹھو۔ میری طرف دیکھو مومو!" وہ بے خودی کے عالم میں اُسے دیوانہ وار پکار رہا تھا۔ آہستہ سے اُٹھا کر اُسے صوفے پر لٹا دیا۔

"مومو! بولو کچھ بولو۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میری محبت کا امتحان مت لو۔ اُٹھو مومو!" وہ دیوانگی کے عالم میں اسے جھنجوڑ رہا تھا۔ پانی لا کر چھینٹے مارنے پر بھی ہوش نہ آیا۔ وہ اس پر جھکا اُس کی آنکھیں کھولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب مریم نے تیزی سے آنکھیں کھولی تھیں۔ یکدم ہی رُخ موڑ لیا۔ وہ اُٹھ کر سیدھا ہوا اور زور سے ہنستا چلا گیا۔

"کیسی لگی میری ایکٹنگ؟ بڑے بڑوں کو ہوش میں لے آتی ہوں تم کیا چیز ہو۔" وہ تیزی سے مسکرا کر کچن کی طرف بڑھا تھا۔ وہ حیران تھی اس شخص پر۔

"یہ بے خودی، دیوانگی، آنکھوں میں پیار کی جھلک اداکاری نہیں ہو سکتی۔ ارسلان احمد" وہ دودھ لے کر آیا تھا۔ اب کی بار لہجے اور چہرے میں سختی آئی تھی۔ وہ بہت نقاہت محسوس کر رہی تھی۔ فٹافٹ دودھ چڑھا گئی۔ جب کہ وہ اس انجان بنا ٹی وی چلا بیٹھ گیا۔ محبتوں کی کیسی کہانی تھی وہ اس کے کس قدر قریب تھا۔ جی چاہا کہ وقت وہیں رک جائے۔ مگر اس نے کیسے پینترا بدلا تھا۔ مر [illegible]

گرانا حرف آتا ہے ناں۔" وہ آنکھیں بند کر کے وہیں لیٹی رہی۔

"آپ کو پتہ بھی ہے مومو جی! ارسلان بھائی کہاں پائے جاتے ہیں؟"

اُس کی بات پر دونوں نے چونک کر دیکھا تھا۔

"کہاں پائے جاتے ہیں؟" مومو نے یونہی کہا۔

"وہ کسی کے دل میں پائے جاتے ہیں۔ اب اُس کے گھر میں بھی آتے جاتے ہیں۔" وہ اپنی طرف سے انہیں دھماکہ خیز نیوز سنا رہا تھا۔ انداز کمال کا تھا۔

"اُس کا نام تو بتاؤ ذرا" مومو نے بڑے انداز میں کہا۔

"وہ آ جائیں تو خود ہی پوچھ لیجئے گا۔ وہ آرام سے شوشہ چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔ مگر مومو کے دل کی حالت عجیب تھی۔ وہ ٹوٹ کر بکھر جانے کو تھی۔ انجانے جذبات انگڑائی لینے لگے تھے۔ کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی دل میں ہلچل سی ہوئی تھی۔ نفرت کی شدت کے آگے استحقاق نے اپنے مضبوط قدم جمائے تھے۔ لائبہ سوچتی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

"سنو!" لائبہ کچن میں کھڑی کباب بنا رہی تھی۔ جب عبید اندر آتے ہوئے بولے وہ چونک کر مڑی۔

"جی کچھ کام تھا کیا؟" وہ ہمہ تن گوش تھی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" اُس کے انداز پر لائبہ کو ہنسی آئی۔

"تو کہیں ناں۔"

"کمرے میں آؤ وہیں بتاؤں گا۔"

فارغ ہو جاؤں پھر آتی ہوں کچھ کام کر رہی تھی۔ وہ برتن میں کباب رکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں میری بالکل فکر نہیں میرے لیے تمہارے پاس ذرا ٹائم نہیں۔ بہت فضول ہو تم۔" وہ قریب کھڑا اُس کے دوپٹے کو پکڑ کر بولا۔ جب مومو نے کچن کے دروازے سے کہا تھا۔

"چھوڑ دو آنچل زمانہ کیا کہے گا۔" دونوں ہی چونک کر مڑے تھے۔ مومو

exponovels

کے ہنستے ہوئے چہرے کے پیچھے ارسلان کا چہرہ دیکھ کر وہ خوش ہوئی۔ سر جھکاتے ہوئے مریم سے ملنے لگے۔ اور پھر ارسلان کے ساتھ سلام دعا کی۔

''چلیں جی! باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔ مومو تم کافی بنا لینا۔ بعد میں کہو گی..... امی اور دادو کمرے میں ہیں۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔'' ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگایا۔ امی اور دادو بھی باہر آ گئی تھیں۔ رمشا کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر مومو اُس سے بغل گیر ہوئی۔

''آج مومو بہت خوش ہے خیریت تو ہے ناں'' رمشا نے یوں ہی کہا ارسلان نے چونک کر اُسے دیکھا تھا۔ وہ واقعی میں خوش نظر آ رہی تھی۔ جب وہ امی کے گھر آتی تھی۔ تو یوں ہی خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی۔ وہ چپ چاپ کھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ گھر لوٹے تو ارسلان اُسے گھر تک چھوڑ کر خود گاڑی لے کر کہیں جا چکا تھا۔ وہ اندر آ گئی۔ امی کل واپس آ رہی تھی۔ اور اسے خوشی تھی تب اپنے کمرے میں چلی آئی کمبل اوڑھ کر میگزین اُٹھا لیا اور ٹیپ ریکارڈر آن کر لیا۔

'' میرا دل کہہ رہا ہے کل شام سے
زندگی میں جوڑ دوں میں تیرے نام سے

وہ یوں ہی سو گئی۔ سڑکیں ناپتا ہوا لاہور شہر کی رنگینیوں میں کھویا تھا۔ جب اس دُشمنِ جاں کا خیال آیا۔ وہ کتنا تنگ کرنے لگا تھا اُسے۔

''میں چاہتا ہوں تمہیں کبھی خود کے لئے یوں ہی تڑپتا دیکھوں۔ تمہیں اپنے لیے آنسو بہاتا دیکھوں۔ کیا کروں یہ دل جو ہے ناں'' وہ صرف اور صرف تمہاری خواہش کرتا ہے'' وہ سوچ رہا تھا گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ اندر آ گیا۔ دانیال نے اُسے کل ہی اپنی کولیگ ماریہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ نہ جانے وہ کیا سمجھا ہو گا۔ وہ سوچتا ہوا اندر چلا آیا۔

''کیپٹن! تمہارے پیار میں ڈوب چکا ہے۔'' وہ سو رہی تھی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی اُس کا روشن اور جگمگاتا چہرہ کمبل سے باہر تھا۔ جسے چھونے کی خواہش میں وہ آگے بڑھ آیا۔ مگر اگلے ہی پل وہ وہاں سے نکل کر باہر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ رات کو

دیر سے گھر آنے لگا تھا۔ ایک بار مریم سے برداشت نہ ہو سکا۔

''کہاں رہتے ہیں رات گئے تک؟ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟ آپ کو میری کوئی پرواہ ہی نہیں۔ میں اتنے بڑے گھر میں اکیلی روز تنہا آپ کا انتظار کرتی ہوں۔ بے حسی کی بھی حد ہوتی ہے۔'' وہ اشک بہاتے ہوئے بولی۔ ارسلان شرٹ اتارتے ہوئے چونکا تھا۔ بڑا استحقاق تھا اس کے لہجے میں۔ مگر وہ چپ ہی رہا۔

''بیوی ہوں آپ کی یوں رسوا کرنا تھا۔ میرے جذبات کو، احساسات کو تو کیوں مجھ سے شادی کی؟ کر لیتے اپنی کسی ہوتی سوتی سے۔'' بڑے خطرناک تیور تھے مریم کے۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ چپ چاپ واش روم کی جانب بڑھا تھا۔ واپس آیا تو وہ وہاں نہیں تھی۔

''کیا مریم مجھے چاہنے لگی ہے؟ سوچنے لگی ہے؟ سوچتا ہوا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تنہا اور کھوئی کھوئی لان میں رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ سیڑھی پر بیٹھنے سے اسے ڈر لگتا تھا۔ کہ کوئی کیڑا وغیرہ کاٹ نہ لے۔ وہ کچھ پل وہیں کھڑا رہا وہ رو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا اُس کی طرف آیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے آیا۔ وہ باہر کی ٹھنڈ سے کانپ رہی تھی۔

''جو غلط ہوتے ہیں وہی جواز اور صفائی دینے پر یقین رکھتے ہیں۔ میں غلط نہیں ہوں اسی لیے کوئی بھی صفائی نہیں دوں گا۔'' ہولے سے کہتا وہ نائٹ بلب آن کر گیا۔ انجانا احساس اس کے وجود کی رگ میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی تھی۔

''سو جاؤ مومو! ہولے سے کہتا کمبل اوڑھ گیا۔

''تم کب بدلو گے؟ کب اپنے پیار کی بارش میری سونی دھرتی پر برساؤ گے؟'' سوچتے ہوئے وہ بھی سائیڈ سے کمبل اُٹھا کر خود پر ڈال گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح وہ حسبِ معمول ہی جلدی اُٹھ گئی تھی۔ اُس نے کیلنڈر دیکھا تھا ارسلان کی برتھ ڈے تھی آج۔

'' کاش میں تمہیں کوئی خوبصورت سا تحفہ دے سکتی۔ اُس نے حسبِ عادت ارسلان کو جگانے کے لیے الارم لگایا تھا۔

exponovels

''انسان کو کبھی جلدی بھی اٹھ جانا چاہیے۔ لگتا ہی نہیں کہ آپ آرمی کیپٹن ہیں اتنا سوتے ہیں۔ کہ کچھ ہوش نہیں رہتا۔ دیر ہوگئی تو مجھے مت ڈانٹیئے گا۔'' وہ اس کی بڑبڑاہٹ سن چکا تھا۔ کتنی اپنایت تھی اُس کے لہجے میں۔ وہ بیٹ مین سے کہہ کر ناشتہ تیار کروارہی تھی۔ اندر آکر بولی۔ وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

''امی نے بھی آنا ہے آج۔ یاد رکھیے گا اور...'' وہ خود پر حیران تھی۔ اُسے ہوا کیا تھا۔ کایا کیسے پلٹ گئی۔

''تمہاری محبت مجھے سرتاپا بدل گئی ہے۔ ارسلان! میں پاگل سمجھتی تھی کہ کوئی پتھر میں شگاف نہیں کرسکتا۔'' وہ آنکھوں سے بہنے والے اشکوں کو پیچھے دھکیلنا چاہتی تھی۔ مگر کتنے ہی موتی ٹوٹ کر اُس کا دامن بھگو گئے۔ وہ بیڈ پر یوں ہی بے خبر پڑی تھی۔ وہ تو پہلے ہی اس کے وجود کو سامنے پا کر بہت مشکل سے خود پر قابو پاتا تھا۔ بلا وجہ ہی ڈانٹ پلا کر اُس کی تضحیک کرتا۔ وہ چپ چاپ آئینے میں کھڑا تولیے سے اپنے گیلے بال رگڑنے لگا۔

''محترمہ! یہ گنگا بعد میں بہا لیجئے گا مجھے آفس بھی جانا ہے ناشتہ تیار کیجئے۔'' وہ طنز کے تیر چلاتا ہوا یونیفارم لے کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ وہ انجانے خیالوں سے چونک سی گئی۔

''وہ کیا سمجھے گا؟'' میں ہر لمحے کیوں خود کو ڈی گریٹ کرتی ہوں؟'' وہ جلدی جلدی ناشتہ ٹیبل پر لگانے لگی۔ وہ امی کے ہاں چلی آئی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ بیٹ مین نے sweaper سے ساری صفائی کروالی تھی۔

دادو اور امی سے بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیں۔ رمشا اور لائبہ سے چھیڑ چھاڑ کی۔ وہ آج بہت خوش تھی۔ کاش یہ شام بے حد حسین ہو جائے۔ وہ لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ جبکہ لائبہ وہاں براجمان ناول پڑھنے میں مگن تھی۔ کونسا ڈائجسٹ تھا جو وہ نہ چاٹتی۔

''مومو! تم دونوں کے بیچ کیا چل رہا ہے؟'' یوں ہی اچانک لائبہ پوچھنے لگی۔

''کیا مطلب؟ ہم دونوں کے بیچ کچھ نہیں چل رہا۔'' وہ پانی کا پائپ اس

کی طرف کر کے بولی۔

''بکواس... میں تو یہ ڈائلاگ پڑھ رہی تھی اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔'' اس نے مومو سے واٹر پائپ چھین کر اُسے تقریباً بھگو دیا۔ دونوں ہی اس شغل میں مصروف تھیں۔ وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ جب اُسی لمحے گیٹ کھلا اور ارسلان آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ دونوں اپنا شغل جاری رکھے ہوئے تھیں۔ اس نے ہنکار کر گلا صاف کیا۔ ارادہ دونوں کو متوجہ کرنا تھا۔

''مومو! تمہارا تو ویسے ہی دماغ غائب رہتا ہے۔ گیٹ کھلا ہوا ہے اور آپ دونوں یہ شغل فرما رہی ہیں۔ کب عقل آئے گی تمہیں؟'' وہ اس کے قریب آکر بولا۔ عجیب بے ڈھنگا حلیہ تھا۔ جسم کے کپڑے بھیگ کر چپک چکے تھے۔ اُس نے رخ موڑ کر دوپٹہ تیزی سے اپنے اوپر پھیلایا تھا۔ لائبہ وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ بے شرم بے لحاظ۔ ارسلان کو واقعی میں ہنسی آئی وہ کتنی دیر یونہی اسکی بھیگی پلکوں کو تکتا رہا۔ چہرے پر پانی کے قطرے جمے تھے اُس نے لبوں کے پاس بہتا ہوا قطرہ اپنی انگلی کی پور سے اُٹھا لیا کتنی حدت آمیز نگاہ تھی عجب تپش تھی سانسوں کی قربتوں کی کہانی الگ تھی۔ جذبات میں پیار کی ناؤ چل رہی تھی۔ تب وہ دھیرے سے اس کی طرف نگاہ کر کے زور سے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ تب مومو نے اپنی بند آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو؟ میں تمہارے پیار میں پاگل ہو چکا ہوں، دیوانہ ہو گیا ہوں؟ بیوقوف ہو تم۔ میری اس نظر کو پیار کی نظر سمجھ بیٹھی ہو تو تمہاری بھول ہے مگر تم مجھے چاہنے لگی ہو، ہے ناں؟'' وہ زہر اگلتا ہوا اُسے کوئی پاگل ہی لگا تھا۔ وہ جلدی سے رخ موڑ کر اندر کی طرف گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑا رہا تھا جیسے سب کچھ کھو چکا ہو۔ کیا ہو جاتا ہے مجھے؟ کیوں میں خود کو روک نہیں سکتا۔ ہر لمحے اُس سے دوگناہ پیار کرتا ہوں۔ مگر یہ زبان کیوں دل اور آنکھوں کا ساتھ نہیں دیتی اس نے ارسلان کے لئے بہت خوبصورت گفٹ خرید رکھا تھا۔ مگر اس کا ہتک آمیز رویہ اُسے بے حد دکھ دے گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر بہت روئی تھی۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا

جب تم میری

exponovels

طرف محبت سے دیکھتے ہو
پیاری نگاہیں نچھاور کرتے ہو
مگر کہتے ہو۔
تمہیں مجھ سے محبت نہیں!
مجھے اچھا نہیں لگا
جب تم مجھ سے رُخ موڑ لیتے ہو
میری سُن نہیں سکتے
صرف اپنی کہتے ہو.....!

وہ وہیں بستر پر بیٹھی سوچوں کے حصار میں مقید تھی۔ جب لائبہ اُسے بُلانے چلی آئی تھی۔ ''ارے! تم یہاں بیٹھی ہو۔ ارسلان صاحب اپنی امی کو لینے جارہے ہیں۔ اور تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ ابو باہر تمہیں بلا رہے ہیں۔'' وہ آ کر ارسلان کے تیار ہونے کا بتا گئی۔ وہ کپڑے چینج کر کے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ وہ سامنے بیٹھا امی اور ابو سے ناز نخرے اٹھوا رہا تھا۔

''آؤ بیٹا! بھئی ارسلان کہہ رہا تھا۔ کہ تم دونوں ڈنر باہر کرو گے۔ تم چلی جاؤ ارسلان کے ساتھ۔ اپنی امی کے لیے کوئی اچھی سی چیز بھی خرید لینا۔'' ابو نے گویا حکم صادر کیا وہ امی کی طرف دیکھنے لگی۔ سب کتنے خوش تھے اور وہ دشمن جاں بے حس یوں ہی بیٹھا رہا تھا۔ موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ وہ تیار ہو کر اُس کے ہمراہ چلی آئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اُس کے وجود سے کھیل کر مچل جاتی تھیں۔ وہ بہ مشکل ہی دوپٹے کو سنبھالتی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھی تھی۔ ایئر پورٹ خاصا دور تھا مگر ابو نے اسے یہ کیوں کہا کہ وہ ڈنر باہر کریں گے۔ ارسلان نے گہری خاموشی محسوس کر کے۔ ٹیپ ریکارڈر آن کیا تھا۔

''کیونکہ اتنا پیار تم کو کرتے ہیں ہم
کیا جان لو گے ہماری صنم
تیری محبت نے پاگل کیا ہے، دیوانہ کیا اس قدر
دیوانہ کیا اس قدر

اپنے دل میں محبت کا احساس تم بھرو
ہم تم پہ مرتے ہیں، تھوڑی سی قدر کر لو.....
قدر کر.....لو.....لو.....''

بڑا سحر انگیز ماحول ہو گیا تھا گاڑی کا۔ وہ دونوں اپنی نگاہیں کسی ایک نقطے پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔

''اگر تم مل جاؤ.....زمانہ چھوڑ دیں گے ہم
اگر تم مل..... جاؤ.....

اُس نے گانا چینج کر دیا تھا۔ چہرے پر تبسم کا انوکھا رنگ ٹھہرا تھا۔ نگاہوں میں چمک کا عنصر واضح تھا۔ ارسلان نے بے اختیار چونک کر اُسے دیکھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا تھا۔ وہ دھیرے سے رخ موڑ گئی تھی۔ ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ لوگ غیر آباد علاقہ سے گزر رہے تھے۔ حیرت ہے وقت کافی ہو چکا تھا۔ مگر اُسے جیسے وقت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

''امی کب آ رہی ہیں؟'' یوں ہی اس نے پوچھ لیا۔

''کل پرسوں آ جائیں گی تمہیں کس بات کی جلدی ہے۔'' اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر جواب ملا تھا۔ وہ حیرانی کے گہرے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ تو کیا سب سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ اُسے کسی ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا۔ رات کے وقت بھی ریسٹورنٹ میں کافی لوگ تھے۔ وہ اُسے ٹیبل پر بٹھا کر آرڈر کرنے جا چکا تھا۔ اور وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔ جب ریسٹورنٹ میں انڈین گانا گونجا تھا۔

''دل میرا توڑ دیا اُس نے
بُرا کیوں..... مانوں
اُس کو حق ہے کہ
وہ مجھے پیار کرے یا نہ کرے
سارے وعدوں کا بھرم پل میں وہ توڑ گیا
غم کے جس موڑ پہ لا کر وہ مجھے چھوڑ گیا

exponovels

دل میرا توڑ دیا اس نے
برا کیوں ... مانوں"

☆ ☆ ☆

وہ آرڈر دے کر آچکا تھا۔ سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے سگریٹ سلگا لیا۔

"نہ جانے کیا احساس ہے
بجھتی نہیں پھر پیاس ہے
کوئی نہ جانے کیوں چین کھوتا ہے
کیا کروں ہائے کچھ کچھ ہوتا ہے۔"

گانا بدل چکا تھا۔ اُس نے مریم کی طرف دیکھا تھا۔ نگاہ یوں ہی کہیں اور جاتی جاتی اُس پر پڑ گئی تھی۔ وہ سر جھکائے پلکوں کی باڑیں گرائے ہاتھوں کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ کیک آچکا تو وہ متوجہ ہوئی تھی۔ اُس نے کیک کاٹ کر ٹکڑا مریم کی طرف بڑھایا تھا۔ جیسے ہی اس نے منہ کھولا۔ ارسلان نے ٹکڑا واپس ہٹا کر اپنے منہ میں ڈال لیا۔ اور زور سے ہنس دیا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بھیگی پلکوں سے اپنی بے عزتی برداشت کر چکی تھی۔ وہ اُس کے سامنے امتحان بنا بیٹھا رہا تھا۔ کھانا آچکا تو اُس نے چاول اپنی پلیٹ میں ڈالے تھے۔

"جانتی ہو میں تمہیں ادھر کیوں لایا ہوں؟" وہ ایکدم ہی بہکنے لگا

"مجھے تم سے کسی کو ملوانا تھا۔" وہ چونک گئی کون سی ایسی شخصیت تھی۔ جس سے اس وقت ملوانا ضروری تھا۔ وہ اُٹھ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جبکہ مریم بے چینی کے عالم میں ہونٹ کچلنے لگی تھی۔ تب وہ کسی الٹرا ماڈرن لڑکی کو ساتھ لیے چلا آرہا تھا۔ وہ ماریہ تھی۔ ارسلان کے چہرے سے اپنایت پھوٹ رہی تھی۔ وہ بہت مسکرا کر اُس سے باتیں کر رہا تھا۔ جیسے وہی اس کی سب کچھ لگتی ہو۔

"اپنا حق یوں ہی نہیں ملا کرتا۔ چھینا پڑتا ہے" ابا کی کہی بات یاد آئی تھی۔

"بیٹا! مرد تو کٹی پتنگ کی مانند ہوتا ہے۔ اس کی ڈور کو بہت کھینچ کر رکھنا پڑتا ہے۔" دادو کی کہی بات پر وہ دل ہی دل میں مسکرا دی۔ اس کو کچھ پتہ نہ چلا کہ ماریہ

کیا کہہ رہی تھی۔ اور ارسلان کیا جواب دے رہا تھا۔

"میری زندگی بن گئے ہو تم
جو میری روح کو چین دے پیار دے
وہ خوشی بن گئے ہو تم"

☆......☆.....☆

اُسے تب ہوش آیا جب ماریہ وہاں سے جا رہی تھی۔ اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے مریم نے تھاما نہیں۔ رخ موڑ کر اسے اچھا خاصا تپا دیا۔ ارسلان نے بھی اُسے بہت گہری نظروں سے جانچا تھا۔ وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی تھی۔ وہ حیران تھا۔ تب اُس نے مریم کو اُٹھنے کو کہا، اور گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے موسم بہک گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کا زور بڑھ گیا۔ ہوا نے طوفان کا روپ دھار لیا۔ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ وہ خود اس موسم کے اچانک مزید خراب ہو جانے پر پریشان تھی۔

"مجھے یہ دلکش موسم بے حد پسند ہے۔ جی چاہتا ہے یوں ہی بھیگتا رہوں اور رات گزر جائے۔" ارسلان نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بے خودی میں کہا تھا وہ اس کے انداز پر چونکی تھی۔ وہ گاڑی فل سپیڈ میں دوڑانے لگا۔ اچانک ہی بجلی زور سے چمکی تھی۔ وہ بے خودی کے عالم میں ڈر کے مارے ارسلان کے بازو سے لگ گئی۔ وہ یوں ہی بے سدھ بیٹھا گاڑی ڈرائیور کرتا رہا۔

"بہت ڈر لگ رہا ہے کیا؟" وہ بہت مطمئن انداز میں بولا۔

"ارسلان! تیز چلایئے ناں! مجھے خوفناک اور طوفانی رات سے بہت ڈر لگتا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ اُس کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔

"اٹس اوکے ہم بس گھنٹے میں گھر پہنچ جائیں گے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ مریم دبک کر اُس سے پیچھے ہوئی تھی۔ مگر چلتے ہوئے گاڑی اچانک دھچکے سے رکی تھی۔ قریب آبادی بہت کم تھی۔ وہ دونوں گاڑی کے اچانک خراب ہو جانے سے پریشان تھے۔ وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر باہر نکل آیا۔ دور ہی کچھ فاصلے پر کوئی گھر موجود تھا۔ اُس نے کیچڑ سے گاڑی نکالنے کی بے حد کوششیں کی مگر بے کار ہر کوشش ضائع چلی گئی تھی۔

exponovels

''سنو! میرا تو جی چاہ رہا ہے یہیں باہر بارش میں بیٹھا رہوں۔ تم بھی باہر آ جاؤ۔''

''آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ بیمار ہو جائیں گے۔''

''بڑی فکر ہو رہی ہے میری۔ او کے چلو۔ وہاں چل کر سرائے تلاش کرتے ہیں۔'' وہ اسے گاڑی میں سے کھینچ کر نکال لے گیا۔ وہ بھی تقریباً بھیگ چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ارسلان اس موسم کا دیوانہ ہے۔ وہ غریب لوگ تھے۔ دونوں کو ایک معمولی سا کمرہ دینے پر تیار ہو گئے تھے۔

''تمہاری بیوی ہے یہ۔'' عورت نے ارسلان سے پوچھا وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''آپ لوگ کھانا تو کھائیں گے ناں۔'' دونوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ کھانا کھا چکے تھے۔ مریم کو وہ عورت کمرے میں لے آئی تھی، کمرہ نفاست سے سجا ہوا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ پہلے کبھی وہ گھر والوں سے اتنی دور گئی جو نہیں تھی۔ وہ پاؤں اوپر پلنگ پر رکھ کر خود کو چادر میں لپیٹ گئی۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں
اعتبار کر کے اب دیکھو تو
مجھ سے پیار کر کے دیکھو تو
تم مجھ سے اتنے دور ہو کیوں
بے خود اور مجبور ہو کیوں
سنو!
میں سر تا پا بدل گئی ہوں
مجھے ٹوٹنے سے تم بچاؤ گے
میرے دل میں کوئی ارماں جگاؤ گے
ہاں میں تمہیں ٹوٹ کر چاہنے لگی ہوں
پیار کے موسم تیرے نام کرنے لگی ہوں
میں اب بکھری تو ٹوٹ جاؤں گی

کرچی کرچی ہو کر بکھر جاؤں گی
تو بچا سکو تو تھام لو میرا ہاتھ
مجھے لے چلو انجانی گلیوں میں
جہاں پھول کھلتے ہیں
پتے جھڑتے ہیں
جہاں غم و یاس اس کے موسم نہیں ہیں
جہاں درد کے رشتے بکھرتے نہیں ہیں
چلو جاناں......! چلیں ان راہوں میں
جہاں ہم تم ساتھ ہوں......
ایک دوجے کے ہاتھوں میں ہاتھ ہو!

☆......☆......☆

وہ سوچ کر سر پلنگ کی پشت سے ٹکا گئی۔ جب ارسلان بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ بہت بھیگ چکا تھا۔

''آپ کو اپنی کوئی فکر نہیں کیا ضرورت تھی بے موسمی بارش میں نہانے کی؟'' وہ بستر سے اُٹھ کر اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اُس نے پل بھر کے لئے اُس کی اتنی اپنائیت پر چونک کر دیکھا تھا۔ پھر انجان بنا وہاں سے چلتا ہوا سائیڈ پر سے کھڑکی بند کر گیا۔

''آپ کو میری کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی؟ اتنے بے حس کیوں ہیں آپ؟ کیوں اسے رہ رہ کر ارسلان پر غصہ آ رہا تھا وہ چلتا ہوا قریب آن کر رکا۔

''بہت محبت کرنے لگی ہو مجھ سے، ٹوٹ کر چاہنے لگی ہو ناں؟ میرے ہی سپنوں میں کھوئی رہتی ہو ناں؟ بولو!'' وہ بے حد قریب کھڑا تھا۔ وہ دھیرے سے پیچھے ہٹی تھی۔ میری تکلیف سے تمہیں درد ہوتا ہے ناں۔ مجھے چوٹ لگتی ہے۔ تو درد تمہارے دل میں اٹھتا ہے ناں؟ پیار کرنے لگی ہو ناں؟'' وہ اسے خود سے قریب کرتا ہوا بولا۔ دھیرے سے اُس کے چہرے پر انگلی کا ہالا بنایا تھا۔

''تم چاہتی ہو میں تم پر پیار کی بارش کر دوں۔ برس جاؤں تم پر، میرا اب

exponovels

کردوں تمہارے دل کی سونی دھرتی کو۔'' اُس کے مضبوط بازو مریم کے کندے میں گڑھے تھے۔

''ارسلان پلیز!'' وہ مزاحمت کرنے لگی۔

''کیوں نہیں کہہ دیتیں تم بھی مجھ سے اتنا ہی پیار کرتی ہو جتنا کہ میں۔'' وہ دھیرے دھیرے بولتا اُس کے روح میں چھپے طوفان کو جگا رہا تھا۔

''مت قریب آؤ ارسلان! میں تمہاری وقتی پیش کش کو پیار کا انداز سمجھ بیٹھوں۔'' وہ سوچ کر تلخ سی ہوگئی تھی۔

''کہہ دو مریم! جو تمہارے دل میں ہے آج فیصلہ ہو کر رہے گا۔''

''ہاں! ہاں! بہت چاہتی ہوں تمہیں۔ کیسے بے حس اور پاگل ہو تم۔ پہلے خود ہی پیار کا ناٹک کرتے ہو۔ میری زندگی میں بن بلائے چلے آتے ہو۔ اور جب میں تمہارے اور اپنے رشتے کو دل سے قبول کرتی ہوں۔ تمہیں دل سے اپنا بنا لیتی ہوں۔ تب تم مجھ سے بہت دور جانے کی بات کرتے ہو۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی، کتنے ہی اشک ٹوٹ کر دامن میں جذب ہو گئے تھے۔

''اتنا چاہتی ہو۔ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اگر میں تمہاری طرف نہیں بڑھ پایا تو تم میری طرف آجاتیں۔'' وہ اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''ہم لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ یوں پیش قدمی نہیں کر سکتیں اپنے جذبات کو مسخ ہوتے نہیں دیکھ سکتیں ہم تو پیار کی پیاسی ہوتی ہیں ارسلان! اور تم مرد انہیں سوکھ کر بنجر بنا دیتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو ہمیں؟ جب چاہا جیسے چاہا استعمال کر لیا اور پھینک دیا۔ یہ تو رشتے کا تقاضا نہیں ہوتا۔ رشتے جذبات سے بنتے ہیں روح کے احساس سے بنا کرتے ہیں۔'' وہ پلکوں پر آتے ہوئے اشک انگلیوں سے صاف کرنے لگی۔ ارسلان نے اُسے یوں کہتے ہوئے دیکھا تو دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔

''محبت میں انا نہیں ہوا کرتی ارسلان!'' وہ کہہ کر رو دی۔ اس نے دھیرے سے مریم کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر لیا۔

''ضروری تو نہیں مریم! ہم پرانی باتوں کو پھر سے یاد کریں۔ ہم سب باتیں

بھول کر پھر سے اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز کریں گے۔'' اس کی بات پر مریم نے چونک کر کہا اس کو دیکھا تھا۔ وہ کیسے یقین کر لیتی کہ وہ اُس کا ہو چکا ہے۔ یوں ہی اچانک کہیں پھر مذاق نہیں کر رہا۔ دل نے اچانک کہا

''میں اتنا برا بھی نہیں مریم! محبتوں کی قدر نہ کر سکوں۔ میں نے تو ہر پل تمہیں ہی سوچا ہے۔ ہر پل یہی سوچا ہے کہ تم بھی مجھے چاہو۔ میرے بارے میں سوچو۔'' وہ اپنے لب اُس کے کان پر رکھے جیسے کوئی سحر پھونک رہا تھا۔ پیار کی انوکھی برسات ہو رہی تھی۔

''آپ اب مجھ سے لڑیں گے تو نہیں؟'' مریم نے کہا تھا۔

''نہیں تم سے لڑ کر میں نے گنجا نہیں ہونا۔ کیونکہ اب بیوی بن چکی ہو ناں۔ اور بیوی تو ویسے ہی ...'' وہ اُس کی طرف دیکھ کر ادھورا فقرہ چھوڑ گیا۔ وہ ہنس دی۔

''میں نے آپ کو کچھ دینا ہے۔'' وہ اپنا پرس اُٹھا کر لے آئی۔

''یہ میں نے آپ کے لئے برتھ ڈے گفٹ خریدا ہے۔'' مریم نے چاہتوں کے ابلتے ہوئے شور کی حدت سے اُس کی طرف گفٹ پیک بڑھا دیا۔ وہ بہت خوش تھا۔

''مریم! جی چاہتا ہے میں تمہیں کچھ سناؤں۔ چلو یہاں بیٹھو۔ آج میں بولوں گا اور تم سنو گی۔'' اسے اپنے پہلو میں لیٹتا ہوا بیڈ کے کنارے ٹک گیا۔ جبکہ وہ خجل سی اُس کے بدن سے اُٹھنے والی بھینی بھینی مہک میں سحر زدہ ہوتی جا رہی تھی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے
تمہاری کومل کرنیں آنکھوں میں
چاندی جیسے بدن
جس پہ طلسم کا گماں ہوتا ہے
کہہ دو تو ایک شہر سجا لوں
تمہیں محبت سے اپنا بنا لوں
سنو مت اداس ہونا
کسی بھی راہگزر پہ''

exponovels

وہ ہولے ہولے سے کہتا اپنی خوب صورت آواز سے اُس کی روح تک طلسم بکھیر رہا تھا۔ وہ اس قدر ٹوٹ کر چاہے گا۔ اس طرح اقرار کرے گا اُسے یقین نہ تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی پھر بولی۔

سنو! میں ٹھہری اک
نازک اور معصوم دل کی
لڑکی
میں محبتوں کی پیاسی
برسات کی رم جھم کی متلاشی
نہ جانے کب سے تیری چاہت
کو مانگتے
بہت دور چلی آئی ہوں
جہاں تیرے حصار کے بندھن
میں قید
میں کہیں جا نہیں سکتی
سنو!
میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں تمہاری ذات کے سہارے جیتی ہوں
میں تم سے الگ نہ کل تھی نہ آج
میں سفر کا آغاز کرنا چاہتی ہوں"

ارسلان کی ستائشی نظروں نے اُسے سراہا تھا۔ دونوں کے پیار کی شروعات تھی، جس میں دونوں بھیگ رہے تھے۔

♥ ... ♥ ... ♥

آنگن کا چاند

چائے کا کپ تھامے وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو سامنے دہان کو بیڈ پر اوندھا لیٹے پایا۔

وہ یقیناً جاگ رہا تھا۔ اس کا دایاں پاؤں مسلسل اضطرابی کیفیت میں حرکت کر رہا تھا۔ ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا۔ وہ کتنی دیر سے یونہی اپنے کمرے میں پڑا تھا۔ نہ جانے کیا پریشانی تھی۔ وہ یقیناً غصے میں تھا۔ جب بھی وہ غصے میں ہوتا۔ اس کے گہرے عقاب کا نشانہ وہی بنتی تھی۔

ہر زخم، ہر درد برداشت کرنے کی عادت سی ہوگئی تھی۔

"دہان چائے پی لیجئے" کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے اسے کہا۔

وہ تیزی سے سیدھا ہوا تھا۔ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے نہیں پینی مجھے چائے وائے اور اب مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا"

شہادت کی انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کی۔ مگر وہ وہاں سے نہیں ہلی۔

"گیٹ آؤٹ ....." وہ اب کی بار چیخا تھا۔

"پھپھو آپ کے لئے بہت پریشان تھیں دہان فیملٹ لے لیجئے ورنہ بخار تیز ہو جائے گا۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ کسی صورت دوا نہیں لے گا۔ اس کے کہنے سے تو قطعاً نہیں۔

"کیوں لوں میں دوا۔ مرنہیں جاؤں گا اتنی جلدی۔ جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"

وہ وہیں کھڑی اس کی جانب اضطرابی کیفیت سے دیکھتی رہی۔

تب دہان نے اس کے ہاتھ میں پکڑا کپ ایک ہی ہاتھ کے جھٹکے سے دور پھینکا۔

exponovels

''نفرت کرتا ہوں تم سے تمہارے وجود سے پھر کیوں چلی آتی ہو۔ مجھ سے ہمدردی کرنے بار بار مجھے اس بات کا احساس کیوں دلاتی ہو کہ میرا تم سے کوئی رشتہ ہے'' وہ زہر اگلنے لگا تھا۔

''بیوی ہوں آپ کی دبان۔ اور''

''میں نے کب تمہیں بیوی کا درجہ دیا۔ کب تمہیں یہ احساس دلایا۔ کہ تم میری بیوی ہو کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔'' وہ اپنی بات پر خود ہی بے اختیاری میں ہنستا چلا گیا۔

''یو آر انسلٹینگ می دبان۔'' وہ زخمی لہجے سے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ آنسو پلکوں سے نکل کر گریبان میں جذب ہوتے گئے۔

''آج منزہ کا ابٹن ہے کم ازکم آج کے دن تو.....'' وہ سر جھکائے اسے احساس دلا گئی کہ نیچے ہال میں فنکشن شروع ہونے والا ہے۔

''میرے لئے آج یا کل میں کوئی فرق نہیں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اکیلا چھوڑ دو مجھے اور خبردار جو تم اب دوبارہ میرے کمرے میں آئی۔

''آپ طاقتور ہیں دبان، کچھ بھی کر سکتے ہیں، کچھ بھی کہہ سکتے ہیں اتنی ہمت ہے تو یہ سب باتیں گھر والوں کے سامنے کہہ کر دکھایئے گا۔

''اسے بھی نہ جانے کیوں غصہ آ گیا۔'' تو وہ اپنے کندھے پر سے اسکا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی

''شٹ اپ چیلنج مت کیا کرو مجھے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں۔ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔'' اسے کہتا تیزی سے رخ موڑ گیا۔ عشنا چپ چاپ چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اب تو رو رو کر آنسو ہی خشک ہو گئے تھے۔

''عشنا تم یہ رسید لو اور ٹیلر سے فوراً کپڑے لے آؤ مجھے نہیں لگتا وہ وقت پہ پہنچ پائے گا۔

پھپھو ہال میں ہی موجود تھیں۔ ملازمہ سے سیٹنگ کرواتیں اسے دیکھ کر قریب چلی آئیں۔

''اور ہاں، جو آرڈر میں نے تمہارے اور منزہ کے سوٹ تیار کروانے کے لئے

دیئے تھے وہ بھی چیک کر لینا۔'' اس کے دائیں گال کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کچن کی جانب بڑھیں۔

ثریا تم میرے کپڑے پریس کر دینا۔ استری اسٹینڈ پر رکھے ہیں میں ابھی آتی ہوں۔ ملازمہ کو ہدایت کرتی وہ لان کی جانب بڑھی۔ جہاں عدی باہر لائیٹنگ کروانے میں مگن تھا۔

''ہاہ! یار کبھی ایسی تیاریاں میری شادی پر بھی ہوں گی۔ کئی صدیاں بیت گئیں یہ خواہش کرتے ہوئے۔'' وہ کام کرواتے ہوئے ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

ڈیکوریٹر والا باقاعدہ مسکراتے ہوئے کام کر رہا تھا۔

''ویسے یار تمہارا کیا خیال ہے میری عمر کتنی ہوگئی ہوگی۔ اب تک میرے بھی ہاتھ پیلے ہو جانے چاہیں۔ ہے نا''

''بالکل نہیں ہے عدی.... تمہارے ہاتھ پیلے ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔'' عشنا پیچھے سے مسکراتے ہوئے اس کی بات اچک گئی۔

''ہاہ! ظالم سماج مجھ کو پہلے پتا ہوتا تو بھائی سے پہلے ہی بندوبست کر لیتا۔ یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔'' ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بڑے ارمان سے کہا تھا۔

''ول یو شٹ اپ عدی۔'' وہ اس کی کمر پر مکا رسید کر گئی۔

''پلیز عدی وقت بہت کم ہے چلو میرے ساتھ۔'' اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتی گیٹ کی جانب بڑھی۔

''ارے غضب خدا کا دن دیہاڑے اتنے ہینڈسم اور سمارٹ بندے کو اغوا کر کے لے جا رہی ہیں کوئی دیکھ لے گا۔ وہ ازلی ڈھٹائی سے پھر بولا۔

''مجھے کسی کی پروا نہیں ہے عدی اور تمہیں بڑی خوش فہمی ہے''عشنا نے جواب دیا تھا۔

''خوش فہمی! وہ کیا ہوتی ہے میں جانتا تک نہیں۔ ویسے میرے ہینڈسم ہونے میں کوئی شک نہیں روزانہ آئینہ دیکھتا ہوں۔'' اسے باور کرواتے ہوئے گاڑی بیک کرتے ہوئے بولا۔

''یہ آج کل کے لڑکے بھی نا ایک بات تو بتاؤ تم لڑکے خود کو کیا سمجھتے ہو۔'' عشنا نے چڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''بھائی ہم لڑکے آپ لڑکیوں کے شانے پر ہی تو اتنے ہینڈسم بننے کی کوشش کرتے

exponovels

ہیں اور بن کر اپنی پر سنالٹی کا رعب جھاڑتے ہیں'' وہ حقیقت اگلتے ہوئے بالکل بھی ہچکچایا نہیں تھا۔

''ہر لڑکی ایک طرح سے نہیں سوچتی..... او کے اور تم خود کو لڑکا کیوں سمجھ رہے ہو؟ 25 کی دہائی میں اخوتو ہونے والے ہو'' وہ ہنس دیا۔

☆.....☆.....☆

اٹن پہلے عشنا لگائے گی منزہ کو'' پھپھو نے جیسے اعلان کیا۔ یہ یہاں کی رسم تھی، بہو کو بیٹی سے بڑھ کر چاہا تھا پھپھو نے اسے۔

پیلی شرٹ پر گوٹا کناری کا کام..... سبز شلوار اور دوپٹہ زیب تن کیے وہ بالوں کی چوٹی بنائے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

منزہ نے جی کھول کے تعریف کی۔ عدن بھی آتے جاتے کوئی نہ کوئی فقرہ اچھال دیتا وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیتی۔

منزہ کے سسرال والے آچکے تھے اٹن کی رسم تقریباً مکمل ہو ہی چکی تھی۔

وہ اسٹیج پر سے ہٹ کر نیچے چلی آئی۔ نگاہ یکدم ہی سامنے اٹھی تھی۔ وہ دشمن جاں وائٹ کرتا شلوار پر بیلا دوپٹہ کندھوں پر ڈالے بڑی شان سے چلتا ہوا ہال میں آتا دکھائی دیا۔

''تم پر غرور جچتا ہے ڈاکٹر دہان'' بے اختیار ہی تعریفی کلمات دل سے ادا ہوئے۔

''بھابھی آپ تو گئیں کام سے۔'' عدی وہاں سے گزرتا ہوا اسے چھیڑ گیا، وہ محض گھور کر رہ گئی۔ تب اس کے آنے سے جیسے محفل میں جان سی آ گئی تھی۔ مسکراہٹ نے خود بخود لبوں کا احاطہ کر لیا۔

وہ یونہی بے خودی میں سامنے بیٹھے دہان کی ہر حرکت پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اسی پل دہان نے نگاہ اٹھائی۔ نظروں کا یہ تصادم بے اختیار ہوا تھا۔ عشناء نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

''یہ لو مٹھائی عشناء سب لوگ چائے کی فرمائش کر رہے ہیں، ثریا بنا کر لا رہی ہے۔'' پھپھو نے کہا، خود مہمانوں کی طرف بڑھ گئیں۔

سردیوں کے موسم میں چائے کا کوئی خاص وقت تو نہیں ہوتا تھا۔ مگر اس وقت تو چائے کی طلب یقینی تھی۔ وہ مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر منزہ کی طرف بڑھ آئی۔

''رسم اللہ کروا میں بھابی جانے کدھر ہے؟'' عدی نے اسے دیکھتے ہی مٹھائی پلیٹ سے اٹھا کر پوچھا۔

''ثریا لا رہی ہے'' وہ کہہ کر منزہ کے قریب جگہ بنا گئی۔ دوسری جانب بیٹھا ہوا دہان بے نیازی سے براجمان تصویریں بنوانے میں مگن تھا۔ وہ بیٹھی تو کئی تصاویر کیمرے کی میموری میں سیف ہوئیں۔

''عشناء! مما سے پوچھو کب تک مجھے نمائش کے لیے مزید بیٹھنا ہوگا؟'' بیٹھے بیٹھے منزہ کی کمر تختہ بن گئی تھی۔

''ابھی تو فنکشن شروع ہوا ہے اور ابھی سے تم گھبرا گئی۔'' وہ اسے سرزنش کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''آئی ایم فیلنگ ناٹ بیٹر عشناء'' وہ بولی۔

''ریلیکس جو تم مٹھائی کھاؤ اور ثریا چائے لے کر بھی آ گئی، چائے پیو گی تو فریش ہو جاؤ گی۔'' ثریا نے سامنے میز پر فلاسک اور کپ والی ٹرے رکھی۔ اسی نے آگے بڑھ کر چائے بنائی۔

''دہان چائے پئیں گے۔'' خصوصاً اسے مخاطب کیا۔

وہ جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''نو تھینکس۔'' رکھائی سے کہہ کر رخ موڑ لیا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ جبراً یہاں براجمان ہے۔

وہ کندھے اچکا کر منزہ کو چائے دینے لگی۔

عدی نے بھی کپ خود ہی اٹھا لیا۔

''شادی کروانا آسان ہے کیا؟'' منزہ کل رات کی تھکان سوچ کر بڑبڑائی۔

''مہندی کا فنکشن اور پھر شادی کا فنکشن..... کیا ضرورت ہے بھلا اتنے فنکشن کی؟ سیدھا سادہ نکاح کریں، اللہ اللہ خیر صلا'' منزہ نے تنک کر کہا۔

اس کی بات پر عشناء مسکرا دی۔

''تم بہت زیادہ فیل کر رہی ہو منزہ حالانکہ یہ فنکشنز تو یادگار ہوتے ہیں۔'' پلیٹ میں کی پیکنگ کرتے ہوئے بولی۔

exponovels

ثریا یہ ساڑھی علیحدہ سے پیک کرنا۔''
ساتھ میں ثریا کو ہدایت دے رہی تھی۔

''تم کون سا ڈریس پہنو گی؟'' منزہ نے شوق سے پوچھا۔

''جو تم کہو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ساڑھی پہن لو میرون کام والی...... وہ مجھے پسند ہے۔'' منزہ نے اسے چونکا دیا۔

''سب سے مشکل کام ساڑھی پہننا ہے، منزہ خواہ مخواہ میں گر گرا گئی تو......؟''

''بھائی تھام لیں گے۔'' منزہ زور سے ہنستے ہوئے بولی۔

''ہوں...... انھیں اور کوئی کام نہیں ہے جیسے؟'' وہ مسکرا کر اپنی کیفیت چھپا گئی۔

''آپ کے لیے تو وقت ہوگا ان کے پاس۔'' منزہ نے شوخی سے کہا۔ وہ پھر بولی۔

''بالکل وقت ہوگا مگر یہ نہیں ہر وقت تمہارے فنکشنز کے لیے ہے''

''اے بھابی آپ یہاں ہیں وہاں بھائی آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔'' عدی اندر آتے ہوئے عشنا کو مخاطب کر گیا۔

''کیوں مجھے کیوں ڈھونڈ رہے ہیں کوئی کام تھا؟'' اپنی ہی رو میں حیران ہوتے ہوئے بولی۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا دہان اندر آتا دکھائی دیا۔ وہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارے پاس کچھ وقت ہوگا میرے لیے؟'' مسکراتا ہوا وہ اس کی جانب چلا گیا۔

''جی...... کوئی کام تھا؟'' عشناء مودب بھرے لہجے میں بولی۔

''یہیں بتا دوں سب کے سامنے......؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

عدی نے رخ موڑ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ منزہ بھی سر جھکا گئی اور وہ سر تا پا حیرانی میں کھڑی تھی۔

''ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو دہان'' منہ ہی منہ میں کہا تھا۔

''چلیں......'' وہ اسے مجبوراً چلنے کا اشارہ دے کر پیچھے ہو لی۔

دہان اس کا ہاتھ تھام کر کمرے میں لے آیا۔ لاک کر کے اسے تیزی سے صوفے کی طرف دھکا دیا۔ وہ بمشکل ہی گرتے گرتے بچی تھی۔

''کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم...... کیا کہتی رہتی ہو مما کو...... میں تمہارا خیال نہیں رکھتا، تمہیں مارتا پیٹتا ہوں، اور کیا کیا......'' وہ نہ جانے کیوں اس سے لڑنے کا بہانہ ڈھونڈتا تھا۔

''میں نے آپ کی مما کو کچھ نہیں کہا اور ویسے بھی آپ کا بی ہیویئر سب کو نظر آتا ...نے کی ضرورت ہی نہیں۔'' وہ عشنا نے صاف جواب دیا۔ وہ دروازے میں کھڑا ...تعل ہو رہا تھا۔ چلتا ہوا قریب آ رکا۔

''شٹ اپ بکواس کرنا مجھے نہایت برا لگتا ہے اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی ...ے آگے بولنے کی؟ اس کی کلائی تھامتے ہوئے زور سے دبائی۔

''میں آپ کا ہر ظلم ہر درد چپ چاپ سہہ لیتی ہوں انسان ہوں، کم از کم بولنا تو ...ق ہے۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بمشکل ہی بول پائی۔

''کیا چاہتے ہیں آپ دہان فیصلہ کر لیں۔ مجھے کیوں درمیان میں لٹکا رکھا ہے ...یں سب سے جا کر کہہ دیتی ہوں کہ آپ کا اور میرا رشتہ محض دکھاوا ہے اور آپ اس رشتے کو مزید......'' دہان کا ہاتھ بے اختیار ہی اٹھا تھا۔

''زبان کھینچ لوں گا کسی سے ایسی ویسی کوئی بھی بات کی۔ وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

کیا تھا یہ شخص نفرتوں کی حدوں کو پار کرنے والا! ہر پل درد بھی دیتا تھا۔ اور تڑپنے کی اجازت بھی نہیں تھی اسے!!

روتے ہوئے دہان نے اسے بغور دیکھا تھا پھر رخ موڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

میری خواہش تو نہ تھی کہ تم میرے آنگن کا چاند بنو، پھر بھی...... تم میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہو۔ یہ کیسا مقدر ہے؟

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بد دلی سے باہر کی جانب بڑھی۔ پھپھو نے اس کی اداس بھری کیفیت پر اس سے پوچھا ضرور تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر ان کی ہر سوچ کو غلط قرار دے دیا۔ مگر اب...... اب بے چینی نے وجود کو گھیر لیا تھا۔

مہندی کے بعد رخصتی کا دن بھی آ پہنچا۔ منزہ ریڈ اینڈ گولڈ کنٹراسٹ کے خوبصورت عروسی لباس میں بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ حماد بھی ساتھ میں بیٹھا شیروانی پگڑی میں اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں کی جوڑی چاند اور سورج جیسی تھی۔

عشنا پھپھو کے بنوائے ہوئے ڈریس پل اینڈ بلیو کنٹراسٹ کا بلاؤز اور لانگ سکرٹ۔ اس پر بہت جچ رہا تھا۔ متناسب سا میک اپ کیے وہ نظر لگنے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

exponovels

چاچو حمدانی کی فیملی بھی آج ہی پہنچی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی پاپا سے بات ہوئی ہے وہ لوگ دوبئی میں تھے۔ نظیر بھائی بھی اپنی فیملی کے ساتھ وہیں شفٹ تھے۔ مما اور پاپا شام کی فلائیٹ سے پہنچنے والے تھے۔

چاچو حمدانی کی فیملی بھی بہت مختصر سی تھی۔ حمیر اور سلیمان، سلمان حمزہ سے عمر میں بڑے تھے۔ چاچو کے ساتھ ان کا بزنس سنبھال رہے تھے۔ حال ہی میں ان کی شادی اپنی کولیگ اسماء سے ہوئی تھی۔ حمزہ ابھی انٹر کر کے فارغ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں جیولری باکس لینے آئی تو تمام چیزیں ادھر سے اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی ایک نظر اپنے سراپے پر ڈال گئی۔ آج سب نے اس کی تعریف کی تھی۔ سب نے سراہا تھا۔ بس وہی تھا جو پاس کھڑا ہو کر بھی اجنبی کی طرح تھا۔ بے اختیار ہی آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں پر پھیل گئے۔ کتنے مان سے سب نے اس کی شادی کی تھی۔ سب کتنے خوش تھے۔

دہان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

پھر وہ اپنی اسٹڈی پوری طرح سے مکمل نہ کر سکی جب دہان کے حوالے سے اس گھر میں چلی آئی تھی۔ اس کا ہر کام وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی۔ بیوی ہونے کے ناطے فرض میں کوتاہی نہ کی۔ مگر دہان اس نے آج تک ان پانچ ماہ میں کبھی بھی اس سے ٹھیک طرح سے بات نہ کی۔ وہ اپنی پرسنل لائف میں مکمل طور پر بزی تھا۔ جب پھپھو نے زبردستی اس کی شادی عشنا سے کر دی۔ وہ احتجاج بھی کر نہیں پایا۔ کہا ضرور تھا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں تمہیں جیت لوں گی دہان..... بہت جلد آئے گا۔ کیونکہ میں ایک مشرقی عورت ہوں، مشرقی عورت اپنا فرض ہر صورت نبھاتی ہے۔''

وہ آئینے کے سامنے کھڑی جیولری پہنتے ہوئے خود سے مخاطب تھی وہ ابھی واپس جانے کے لیے مڑی تھی کہ دہان تیزی سے دروازہ کھول کر عجلت میں اندر آیا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر سائیڈ پر ہو گئی جب کہ دہان الماری سے اپنا والٹ اور مطلوبہ چیز نکالنے لگا جو اسے مل کر نہیں دے رہی تھی۔

''کیا چاہیے دہان ؟'' پوچھتے ہوئے وہ آگے بڑھ آئی۔

''تم سے مطلب جاؤ یہاں سے میں خود لے لوں گا۔''

پوری الماری کی سیٹنگ خراب کر کے بولا تھا وہ بخوبی سمجھ سکی تھی کہ اسے اس پل کس چیز کی ضرورت ہے۔

سائیڈ والی دراز میں سے کیمرہ نکال کر اس کے آگے رکھ گئی۔

''یہ میں نے اپنی الماری میں رکھا تھا۔ دراز میں کیسے چلا گیا؟'' تقریباً جھینپتے ہوئے غصے میں بولا۔

''آپ نے ہی یہاں رکھا تھا بھول گئے ہوں گے۔'' وہ مبہم مسکراہٹ چہرے پر سجائے بولی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے مزید کچھ کہتا عدی ہینڈی کیم اٹھاتا اندر داخل ہوا۔

''بھائی مووی کیمرہ مل چکا ہے..... بی ریلیکس.....'' وہ دہان کا غصہ جانتا تھا۔

''کیسے ریلیکس ہو جاؤں۔ کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں کرتے ہو۔''

''کیا ہوا دہان..... بھول گیا ہوگا..... آپ بھی تو اکثر بہت کچھ بھول جاتے ہیں'' عدی اس کے بولنے پر چپ چاپ کھڑا تھا۔

''تم چپ رہو میں نے تم سے کچھ نہیں کہا، کبھی لاپرواہ ہیں اس گھر میں پھوہڑ، جاہل، ہٹو راستے سے۔''

وہ عشنا کو سائیڈ پر دھکیلتا دونوں کو سناتا تیزی سے باہر کی طرف بڑھا، وہ رخ موڑ کر سر جھکا گئی۔

''بھائی آپ..... آپ فکر نہ کریں بھائی کو بہت جلدی اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔'' وہ عشنا کے حوالے سے یہ بات کہہ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں عدی تمہارا بھائی ہے نا اس لیے'' وہ بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کر گئی۔

''ویسے بھابی آپ کو نہیں لگتا کہ انتخاب میں غلطی ہو گئی..... ہماری طرف تو دیکھتیں، بھائی سے زیادہ ہینڈسم ہوں۔'' وہ اپنی شوخی میں واپس لوٹ آیا تھا۔

''ہوں..... واقعی اس بار غلط ہو گیا۔ اگلی بار.....'' وہ اس کی طرف دیکھ کر زور سے ہنس دی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا باہر کی طرف بڑھا۔

مما پاپا آ چکے تھے، وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئی بلکہ باقاعدہ رو دی تھی۔

exponovels

''پگلی رو کیوں رہی ہو؟'' مما نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''دہان کدھر ہے تمہارا خیال تو رکھتا ہے نا؟'' ہر ماں اپنی بیٹی کی خوشیوں کی خواہاں ہوتی ہے۔ وہ بھی انجانے احساس سے پوچھنے لگیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے مما میں بہت خوش ہوں بہت خوش'' اب کی بار اپنی بے چین کیفیت پر قابو پایا۔

وہ اسی طرح پوری تقریب میں اداس اور مضمحل سی رہی۔ ماں باپ کو دیکھ کر جیسے دکھوں کی کیفیت بتانے کو جی چاہنے لگا۔

''اداس ہونے کی کوئی خاص وجہ ہے کیا؟ کوئی یاد آرہا ہے یا.....؟'' دہان اس کے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے بولا۔ وہ اس سنگدل کی بے حسی پر کڑھ کر رہ گئی۔

''میں آپ جیسی نہیں ہوں دہان اپنے رشتوں کو بہت اچھے طریقے سے نبھاتی ہوں۔'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہہ گئی۔

''ہائی داوے آئی ڈونٹ کیئر تمہاری اس روتی شکل وصورت کی وجہ سے میرا امیج خطرے میں پڑ گیا ہے سو خوش نہیں بھی ہو تو خوش رہنے کی ایکٹنگ کرو۔''

وہ اس کے ہر اقدام پر اپنا فیصلہ سنانے کی کوشش کرتا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ عشنا سانس بھی اسی کے حکم سے لے۔

''آپ کتنے خودغرض ہیں دہان.....آپ کو صرف اور صرف اپنے امیج کی پرواہ ہے۔'' وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''میں ایسا ہی ہوں اور پلیز مجھے بار بار لیکچر مت دیا کرو یہاں برداشت کر رہا ہوں مگر.....؟'' وہ اسے تنبیہہ کرتا ہوا رخ موڑ گیا۔

''آپ میرے پاس آکر بیٹھے ہی کیوں ہیں؟'' وہ تلملاتے ہوئے پوچھ گئی۔

''پلیز عدی .....ایک فوٹو.....'' قریب ہوتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنا بازو جماتے ہوئے عدی سے مخاطب ہوا۔

''ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہیں۔'' اس کا جی چاہ رہا تھا چہرے پر سجا ہر نقاب اتار دے۔''

''کیا کروں تمہیں تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ کس نے کہا تھا مجھ سے شادی کرو۔ یہ سب تو برداشت کرنا پڑے گا۔''

عدی ایک کے بعد مزید تصویریں بنا رہا تھا۔ وہ دہان کا ہاتھ جھٹک کر اٹھنے لگی۔ تب دہان نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

وہ جھٹکے سے رکی۔ عدی نے یہ سین بھی کیمرے میں مقید کر لیا۔ اسی پل مووی میکر وہاں چلا آیا۔'' وہ مسلسل اس کی جان جلائے جا رہا تھا۔

''اوہ میں بھی کتنی پاگل ہوں سمجھ ہی نہیں سکی۔'' مسکراتے ہوئے اسے کہہ گئی۔

''تم کیا سمجھی مجھے تم سے کوئی محبت ہو گئی ہے۔ بھول جاؤ کبھی ایسا ہوگا۔'' وہ آسمانی رنگ کے کاٹن کے کلف لگے کپڑوں میں بالوں کا اسٹائل بنائے بہت پروقار اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ گھنی کالی مونچھیں اس کی شخصیت کو نکھار رہی تھیں ہونٹوں پر کاا تل، وہ یقیناً کسی بھی لڑکی کا آئیڈل ہو سکتا تھا۔ وہ رخ موڑے چپ چاپ کھڑی رہی۔

''تم یہاں کھڑی ہو میں تمہیں پورے لان میں دیکھ آئی۔ دہان بھائی اجازت، لے جاؤں اسے۔''

حمرہ مسکراتے ہوئے شوخی سے بولی۔ وہ بھی ایک ادا سے ہنسا تھا۔

''نہیں ابھی نہیں ابھی مجھے عشنا سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ جانتی تھی کہ وہ اسے جلانے کے لیے کھڑا ہے۔

''میں ابھی آتی ہوں دہان پھپھو کو کام ہوگا۔'' اس نے دہان کو مخاطب کر کے کہا۔

''کہا نہ نہیں تم میری بیوی ہو نا کہ مما کی، تمہیں کس کے ساتھ کتنا وقت گزارنا ہے یہ میں نے طے کرنا ہے۔''

حمرہ اس کی بات پر حیران کھڑی تھی۔ کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئی۔

''دہان آپ.....؟''

''شٹ اپ'' وہ چپ چاپ اسکے اس تیور کو دیکھ کر رہ گئی۔

''لیومی دہان میں انسان ہوں'' دہان کے بازو کی مضبوط گرفت یکدم ہی جھٹکتے وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ جبکہ دہان غصے سے تلملا کر رہ گیا۔ تب منزہ کہ رخصتی تک وہ اس کے پاس بیٹھی رہی۔

منزہ کی رخصتی کے وقت وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں انھیں اپنے گھر تو جانا ہوتا ہے'' انکل لاؤنج میں بیٹھے

exponovels

شکستہ لہجے میں بولے تھے۔

''ہاں بھائی بیٹیاں تو ہوتی ہی دوسروں کا گھر آباد کرنے کے لیے ہیں خدا منزہ کے نصیب اچھے کرے۔'' عشنا کی مما نے کہا تھا۔

اگلے دن منزہ اور حماد کا ولیمہ تھا۔ پورے گھر میں منزہ کے سسرال جانے کی گہما گہمی عروج پر تھی۔

''مٹھائی کے ٹوکرے گاڑی میں رکھوا دیئے نا؟'' عدی کو صوفے پر دراز دیکھ کر پوچھا۔

''آج کل شوگر کی بیماری اتنی بڑھ چکی ہے آپ پھر بھی مٹھائی بھجوا رہے ہیں منزہ کے سسرال۔'' عدی نے نیا نقطہ اٹھایا۔

''تم مت کھانا اور ہاں عشنا تم جا کر دہان کو کہہ دو کہ جلدی تیار ہو کر نیچے چلا آئے۔ وہ سب سے زیادہ دیر لگاتا ہے۔ پھپھو نے عدی کے بعد لاؤنج میں باقی معاملات سنبھالتی عشنا کو مخاطب کر کے کہا۔

''سنئے بھابی ہو سکے تو بھائی کو خود تیار کر دیجیے گا آپ کے بغیر بھائی کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ جاتی ہوئی عشنا کو مخاطب کر گیا۔

''عدی سدھر جاؤ'' مما کچن کی طرف جاتے ہوئے اسے کہہ گئیں۔

''سدھارنے والی لے آئیں نا ایسے کیسے سدھر جاؤں۔'' اونچی آواز میں کہتا ہوا کشن سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔

''مجھے ٹیلر کے پاس لے چلیں پلیز''

''کیوں ٹیلر سے کیا کہنا ہے'' وہ اس کی بات کے جواب میں جلے لہجے میں بولا۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے عدی بھائی مجھے ٹیلر سے کپڑے لینے ہیں۔''

''میں ان خواتین سے تنگ ہوں کوئی بھی موقع ہو کوئی بھی تقریب ہو فنکشن کا آدھا وقت ٹیلر سے کپڑے لیتے صرف ہو جاتا ہے۔ وہ یکدم اٹھتا ہوا تقریباً غصے میں بولا۔

''مما میری گن کہاں ہے آج اس ٹیلر کو نہیں چھوڑوں گا۔ دو دن سے اس شخص کی دکان کے چکر لگا رہا ہوں۔ اب جو بھی ہو گا گن پوائنٹ پر ہو گا۔ حمزہ بوکھلا سی گئی۔

''کیوں چیخ رہے ہو سکون نہیں تمہیں'' پھپھو نے اسے ڈانٹا تھا۔

''ہاں میری زندگی میں ہی سکون نہیں ہے۔ مجھے کیا ٹیلر کی دکان کا چکر لگانے

کے لیے رکھا ہوا ہے۔ مجال ہے جو کوئی کام ڈھنگ سے کرے۔''

''تم نے بھی کس کو کہہ دیا حمزہ ثریا جاؤ منیر سے کہو۔ ٹیلر سے کپڑے لے آئے۔ پھپھو نے آنکھوں میں عدی کو سرزنش کی۔

''ہوں..... ماں بھی ظالم سماج بن گئی

اچھی بھلی موڈی چلتی تھی، چلنے سے پہلے ہی فلاپ'' وہ دوبارہ صوفے پر دراز ہو گیا۔ حمزہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گئی پھر چلتی ہوئی اپنے روم کی جانب بڑھی۔

☆.....☆.....☆

''آپ کو یہ ڈریس پہننا چاہیے خوب جچے گا آپ پر'' عدی نے حمزہ سے ڈریس کا پوچھا تو۔ پینٹ شرٹ اور کوٹ جو کہ الماری میں ہینگ کیا ہوا تھا اشارہ کر کے بولی۔

''دیکھ لیجیے بہن کے سسرال جا رہا ہوں، کئی لوگ ہوں گے ایسے میں'' وہ مسکراتی آنکھوں سے اس سے کہنے لگا۔

''عدی بھائی میں نے کہا نا یہ بہت ٹائس لگے گا آپ پر۔'' وہ اپنا ڈریس استری کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''ویسے حمزہ آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' کچھ ہی دیر میں وہ تیار سامنے کھڑا شرارت سے پوچھ گیا۔

''اوں کچھ کمی ہے'' وہ اپنے تئیں جواب دے گئی۔

''واٹ ڈو یو مین۔'' عدی کو اچھو لگ گیا۔

''ابھی آپ کا ہیئر اسٹائل بنا باقی ہے۔ آپ نے میچنگ ٹائی بھی نہیں لگائی اور پرفیوم۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ کر اپنے کام میں مگن ہو گئی۔

وہ تلملا کر شوز پہننے لگا۔ اتنے میں حمزہ اپنا کام مکمل کر کے مڑے گئی۔

''مما نے آپ کے لیے یہ ڈریس بھجوایا ہے۔''

کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں تیار ہونے چلی آئی۔ سامنے دہان کو بیڈ پر دراز آنکھوں پر ہاتھ جمائے لیٹے ہوئے پایا۔ کہہ کر وہ اپنا ہینگ کی گئی ہوئی بلیو ساڑھی جس کے ساتھ سے موتیوں کا کام کیا ہوا تھا نکال کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

ڈریسنگ روم میں اپنی تیاری مکمل کی۔ واپس آئی تو وہ اسی طرح لیٹا تھا۔

expono vels

"دہان...... سب لوگ تیار ہو چکے ہیں، آپ نہیں ہوئے تو جانے میں دیر ہو جائے گی۔" آہستگی سے کندھے سے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ خوشبو کا احساس دہان کو اپنے اردگرد محسوس ہوا وہ آنکھیں کھول کر رہ گیا۔

وہ ہنوز اس پر جھکی اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اٹھتا دیکھ کر وہ تیزی سے پیچھے ہوئی۔

"تمہیں اس گھر میں سب کی پرواہ ہے۔ سب کے فرائض پوری طرح انجام دے رہی ہو کیا لگتا ہوں میں تمہارا ہوں بولو۔" وہ اٹھتا ہوا سامنے آ رکا آنکھوں میں اشتعال انگیز لہریں حرکت کر رہی تھیں۔

وہ اس بدلتے ہوئے شخص کو حیرانی سے دیکھے گئی۔

"میں......مگر......آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اس کمرے میں نہ آنا۔" لہجہ مضبوط کر کے اسے وجہ بتا گئی۔

"شٹ اپ کیا لگتا ہوں میں تمہارا، کس لیے موجود ہو اس گھر میں۔" اس کے کندھے پر گرفت مضبوط کر کے وہ چیخا۔

"پلیز مجھ سے ایسا بی ہیومت کیا کریں" وہ التجائیہ لہجے میں بولی تھی۔ جب کہ دہان تمسخرانہ انداز میں ہنسا تھا۔

"چائے لے کر آؤ میرے لیے" نیا حکم صادر فرما کر وہ بستر پر لیٹ گیا۔

"دہان سب لوگ نیچے ہمارا ویٹ کر رہے ہیں یہ کون سا ٹائم ہے چائے پینے کا؟" اسے اذیت دینے کا نیا حربہ اپنایا تھا اس نے۔

"ہم دیر سے بھی جا سکتے ہیں جاؤ جیسا میں نے کہا ویسا کرو۔" اس پر عشنا کو وہ کہیں سے بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا۔ نفسیاتی مریض تو وہ اسے پہلے دن سے ہی لگا تھا مگر اب شک یقین میں بدل گیا۔

"سوری میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔ میں ثریا سے کہہ دیتی ہوں وہ آپ کے......" اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی دہان نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ وہ صوفے پر گری تھی اور پھوٹ پھوٹ رو دی۔

"رونا نہیں میرے سامنے تو بالکل بھی نہیں"

"سب نے میرے سر پر تمہیں مسلط کر دیا ہے...... بیوی ہو تم میری، اسی لیے اب میرے فیصلوں کے رخ پر بہنا شروع کرو۔"

"آپ بہت برے ہیں دہان بہت برے آئی ہیٹ یو" کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی۔

آپ کو کیا ملتا ہے مجھے اذیت دے کر ایک ہی بار گلا گھونٹ کر مار دیں مجھے" وہ رونے لگی تو ساری تیاری پانی میں بہتی محسوس ہوئی۔

ریشمی زلفیں جو جوڑے میں قید تھیں بکھر کر چہرے کا احاطہ کر گئیں۔

"میں سوچتی تھی آپ کو کبھی نہ کبھی اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ مگر نہیں آپ کبھی سدھر نہیں سکتے" زارو قطار روتی اسے کہہ رہی تھی۔

"عشنا" نہ جانے کون سا احساس حاوی ہوا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا بے خودی میں اسے پکار گیا۔

"پلیز روؤ نہیں" یکدم ہی اسے روتے ہوئے خود سے لگا لیا۔ یہ محض ایک پل کے لیے ہوا تھا۔ عشنا وہ بھی اس کے اس اقدام پر حیران تھی۔ دھیرے سے خود سے دور ہٹاتے چہرہ پر لمس ٹھہرا تھا۔، سرسراتا ہوا گداز لمس جو روح کو طمانیت کا احساس دلاتا چلا گیا۔ کیا ہوا تھا دہان کو اس پل وہ خود بھی اپنی یہ کیفیت نہ سمجھ سکا تھا۔

پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ اٹھا تھا بنا دیکھے بنا کچھ کہے۔ اسے ورطہ حیرت میں ڈال گیا۔

چلتا ہوا واش روم کی جانب بڑھا اور وہ اس لمس کی حدت میں کہیں کھو سی گئی۔

عجب سی سرشاری روح میں دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ وہ اب اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ خوبصورت سی مسکان نے لبوں کا احاطہ کر لیا۔

مما پاپا جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔ وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے بعد سے وہ کیسا بی ہیو کرے گا۔ یہ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

منزہ کے سسرال میں کافی رونق میلا لگا ہوا تھا اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ تھا حماد ... آفیسر تھا باقی دو بھائی شادی شدہ تھے۔ نند تو کوئی تھی نہیں مگر ننھیال اور ددھیال کی

exponovels

فیملی اچھی خاصی بڑی لگ رہی تھی۔

منزہ بہت خوش نظر آ رہی تھی چہرے پر شہد آگیں مسکراہٹ اس کے انگ انگ سے پھوٹتی خوشی کی ترجمان تھی۔

وہ اس تقریب میں کہاں رہا کیسے رہا عشنا کو کچھ پتا نہیں چلا البتہ واپسی پر وہ حماد کے ساتھ بات کرتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

عشنا نے اس کی طرف دیکھا وہ اسی لباس میں تھا جو مما نے اس کے لیے بنوایا تھا۔
واپسی کا سفر بہت خاموشی میں کٹا حالانکہ عدی سب سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مگن تھا۔

''بھابی آپ نے کتنی مٹھائی کھائی؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

''جتنی تم نے کھائی ہے ویسے عدی تم بہت بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ اس نے جان بوجھ کر اسے حمرہ کے حوالے سے چھیڑا۔

''دنیا کی ہر چیز بدل سکتی مگر عدی...... عدی نہیں بدل سکتا بھابی جان آزما کر دیکھ لیجیے۔'' کمال کے انداز میں سینے پر ہاتھ رکھے گویا ہوا۔

''عدی! وہ آمنہ کیسی ہے؟'' عدی نے حمرہ کو بیٹھا دیکھ کر عشنا کو گھورا۔

''کون آمنہ بھابی میں کسی آمنہ کو نہیں جانتا بخدا اب تو صرف ایک ہی کو وہ زبان منہ میں دبا گیا۔

''تو پھپھو سے بات کروں؟'' گاڑی عدی چلا رہا تھا۔ ساتھ میں عشنا فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ پیچھے حمرہ اور عشنا کے مما پاپا بیٹھے تھے۔

''نہیں بھابی رہنے دیں کہاں بات کرنے کی زحمت اٹھائیں گی میں خود ہی سب کچھ کر لوں گا۔'' وہ اسے چپ رہنے کا اشارہ کر گیا حمرہ دونوں کی ذومعنی باتیں نہ سمجھ سکی

تب عشنا ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ کل صبح اس کے مما، پاپا کی فلائیٹ تھی۔ پاپا کا اپنا ذاتی بزنس تھا وہ بمشکل ہی دو تین دن کیلئے یہاں آئے تھے۔

تب گھر پہنچ کر بھی حمدانی فیملی اور عشنا کے مما پاپا بھی لوِنگ روم میں رات گئے دیر تک باتوں میں مصروف رہے۔

اگلے دن سبھی نے اپنے اپنے گھروں کو جانا تھا۔

''عدی وہ حمرہ نے اس سے کہا...''

عدی مسلسل اضطراب کی کیفیت میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''کیا کہوں کہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں، نہیں یہ فقرہ کافی پرانا ہے کوئی اور ذرا نیا اگ......؟'' وہ ٹہلتے ہوئے مصروف انداز میں بولا۔

''اچھا تو یہ کہہ دو میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھ سے شادی کر لیں پلیز'' وہ مسکراتے ہوئے آئیڈیا دے گئی۔

''ایسا گھسا پٹا جملہ ہزار بار بولا جا چکا ہے کوئی اور سوچیے۔'' عدی نے یہ بھی ریجیکٹ کر دیا۔

''تو سمپل آئی لو یو کہہ دو''

''ایک بات سنیے ذرا بھائی نے آپ کو کتنی بار یہ جملہ کہا ہے''

''ایک بار بھی نہیں'' وہ صاف گویائی سے بولی۔ ''تو پھر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں اسے آئی لو یو کہوں گا۔ تو وہ مجھے کیا کہے گی۔'' وہ اسے چڑاتے ہوئے بولا تھا۔

شٹ اپ عدی اس بات میں اور اس بات میں فرق ہے'' اس کے سر پر چپت رسد کر کے وہ تنبیہ کر گئی۔

''ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔'' وہ سر پر ہاتھ مارتا ہوا حیران ہوتے بولا۔

''تم اپنے بھائی سے کم تو نہیں عدی...... پاگل'' کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی چلتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

''ایکسکیوزمی! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے'' عدی مسکراتا ہوا جانے کے لیے تیار حمرہ کے پاس چلا آیا۔

''جی ہاں میں سن رہی ہوں''

''آپ پھر کب آئیں گی۔'' جب آپ بلائیں گے'' حمرہ نے دوبدو جواب دیا۔

''میں...... وہ آپ...... آئی لو یو...... کہہ دوں تو......''

''تو میں مائنڈ نہیں کروں گی عدی بھائی'' حمرہ نے اسے تلملا کر رکھ دیا۔

''ڈونٹ کال می بھائی ایک ہینڈسم لڑکے کی توہین کر رہی ہو تم'' وہ غصے میں آ گیا۔

''ایسے دال نہیں گلنے والی، ہر لڑکی تمہاری باتوں میں نہیں آ سکتی۔'' عشنا جاتے

exponovels

ہوئے آہستہ سے کان میں کہہ گئی۔

''سب کے سامنے کہیں نا عدی بھائی اکیلے میں تو کوئی بھی کہہ سکتا ہے'' حمرہ نے اسے پھر سے بھائی کہہ کر چڑایا تھا۔

وہ سر پکڑتا اس لڑکی کی بات پر بھنا کر رہ گیا۔

''شٹ اپ'' وہ سائیڈ پر دھکیلتا اسے آگے کی جانب بڑھا۔

حمرہ دل کھول کر مسکرائی تھی اسے چڑانے میں کتنا مزہ آیا تھا۔

''میں جا رہی ہوں عدی بھائی خدا حافظ تو کہہ دیں'' سب سے مل کر وہ اس کے پاس چلی آئی۔

''بھائی نہ کہو تو خدا حافظ اچھے طریقے سے کہوں گا۔'' دھیرے سے کہہ کر مسکرایا تھا وہ رخ پھیر گئی۔

''عدی بیٹا چکر لگانا اسلام آباد کا۔'' حمدانی چاچو نے اس سے ملتے ہوئے کہا۔

''جی کیوں نہیں اب تو ہر ہفتے آیا کروں گا۔''

''برخوردار ایسی بھی کوئی بات نہیں خیر سے یونیورسٹی بھی جوائن کرنی ہے تم نے'' حیات آفریدی نے بیٹے کی بات پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا جب بھی آؤ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' ماموں نے کہا تھا۔

''تو ابھی ساتھ لے چلیں میرا کام بن جائے گا۔'' دوسرا فقرہ وہ منہ ہی منہ میں بولا تھا۔ سب ہی ہنس دیئے۔

ماما، پاپا بھی آدھے گھنٹے بعد جانے والی دوبئی کی فلائیٹ کے لیے تیار تھے سب کو رخصت کر کے عدی عشنا اور حیات انکل پھپھو اندر چلے آئے۔ دہان سب سے پہلے ہی مل کر جا چکا تھا۔

''کسی کا لحاظ نہیں تمہیں ہر کسی کو دیکھتے ہی شروع ہو جاتے ہو۔'' انیلہ پھپھو نے عدی کو ڈانٹا۔

''ہوں۔ کبھی کوئی بھی مجھے نہیں سمجھے گا۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟'' پاپا نے اسے تھوڑا غصے سے دیکھا۔

''بابا دیکھئے نا آپ کو نہیں لگتا گھر بہت سونا سا ہو گیا ہے کہیں کوئی کمی ضرور ہے۔''

''سچ کہہ رہے ہو منزہ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔

''ہاہ کون سمجھے درد دل کی داستاں، ہمیں کوئے دل لے چلو نا۔ کنوارے ہی نا رہ جائیں۔''

وہ گانے کی صورت میں راگ الاپتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چل دیئے؟'' بابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وچھڑے یارنوں منانا ہے... اساں وچھڑے یارنوں منانا ہے..... عدی۔''

حیات آفریدی بیٹے کی اس قدر صاف گویائی پر اسے سرزش کر گئے۔

''بابا کیا خیال ہے اسے بھی لگام باندھ دیں'' عشنا نے نیوز پیپر اٹھائے حیات آفریدی سے کہا۔

''بے قابو ہوا جا رہا ہے نالائق ذرا خیال نہیں باپ ہوں اس کا۔ یوں عشق و محبت کی باتیں کر کے چلا گیا۔'' حیات آفریدی کے کھول جانے پر عشنا مسکرا دی۔

''پہلے اپنے پاؤں پر تو کھڑا ہو جائے۔ ایسے ہی بیٹی کون دے گا اس نالائق کو۔''

وہ عدی کے بارے میں ایسا ہی سوچتے تھے اکثر۔

''حلیہ دیکھا ہے اس کا، جدید قسم کا فیشن کر کے خود کو ہیرو سمجھنے لگا ہے۔'' انکل بولنے پر آئے تو سارے بخیئے ادھیڑ دیئے۔

''آپ خواہ مخواہ میں مشتعل ہو رہے ہیں بچہ ہے آہستہ آہستہ سمجھ جائے گا'' پھپھو نے بات سن کر کہا۔

''ہوں! خاک سمجھ جائے گا جتنا بکواس کروا لیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اس کے دوست بھی اور ہر اس شہر کی ہر لڑکی کا نمبر ہو گا اپنے نالائق بیٹے کے پاس۔''

''انکل میں عدی کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ وہ دل کا بہت اچھا ہے

''اس کا خیال رکھا کرو، تم بڑی ہو بیٹا وہ کوئی بھی غلط کام کرے اس سے روکنے کا حق ہے تمہیں'' وہ سر اثبات میں ہلا کر انھیں تسلی دے گئی۔

''عدی تمہیں اب سدھر جانا چاہیے مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔ انکل اس کی طرف سے اکثر پریشان رہتے تھے۔ وہ جس طرح کا لی ہیو یئر رکھتا تھا سب سے، لاابالی سا، پریکٹیکل لائف سے بالکل دور وہ اپنے روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

exponovels

شادی کے ہنگامے ماند پڑے تو گھر میں جیسے گہرا سکوت سا چھا گیا۔ دہان اپنے کلینک چلا جاتا۔ شام کو دیر سے ہی لوٹا کرتا تھا۔ عدی بھی سیریس ہو کر اپنی اسٹڈی مکمل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ پھپھو کے ساتھ گھر داری کرنے میں مگن تھی۔

ویسے بھی رجب شروع ہونے والا تھا۔ رمضان کا مہینہ زیادہ دور نہیں تھا۔ سردیوں کے لحاظ سے پورے گھر کی سیٹنگ چینج ہو گئی تھی۔ سب کچھ بظاہر ٹھیک ٹھاک تھا مگر اس کے اور دہان کے رشتے پر جیسے اوس کے قطرے گر چکے تھے۔

نہ تو محبت درمیاں تھی، نہ ہی نفرت! دہان جسے نفرت کہتا تھا عشنا اسے محبت کا نام دیتی!! دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف اور دور رہتے تھے۔

خنکی فضا میں آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھی۔ وہ اکثر رات کو لان میں واک کرتی تھی۔ دہان اکثر رات کو بہت دیر سے لوٹتا، سبھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے ہوتے۔ گیٹ کے گرد ٹہل کر وہ اس کا انتظار کرتی تھی۔

آج بھی حسب معمول ڈنر کے بعد پھپھو اور انکل کو کافی بنا کر دی۔ عدی کمپیوٹر پر اپنا کام کرنے میں مگن تھا۔ سردیوں کی راتیں تو ویسے ہی جلدی شروع ہو جایا کرتی تھیں۔

وہ گیٹ پر نظریں جمائے لان میں رکھی کرسی پر براجمان۔ چاند کو دیکھنے میں محو تھی۔

آج کل چودھویں کی راتیں شروع تھیں آسمان پر چاند آج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

پورے ماحول پر عجب سا طلسم چھایا ہوا تھا وہ میرون شال لپیٹے سنگدل کا انتظار کر رہی تھی۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے پیارے اللہ جی ہم لڑکیاں جب کسی کے ساتھ بیاہ کر اس کے گھر کی دہلیز پر آ بیٹھتی ہیں اس شوہر کی خدمت اور سیوا میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں اس مجازی خدا سے بہت محبت کرتی ہیں۔ مگر محبت اور خدمت کے بدلے میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آنسو پلکوں سے بہہ نکلے تھے۔ دل عجب سی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔''

''میں نے تم سے محبت کی ہے دہان کیونکہ تم میرا مقدر ہو، نصیب ہو، میرے آنگن کا چاند ہو، تمہارا مجھ سے بہت خوبصورت سا رشتہ جڑا ہے۔''

وہ رشتہ جو خدا کی مرضی اور رضا سے جڑا ہے ہمارے ماں باپ کی دعاؤں کے سایے میں، میں اس مقدس رشتے کی پوجا کروں گی دہان، تمہارے اور میرے رشتے میں

کبھی کوئی دراڑ نہیں آنے دوں گی تم لاکھ مجھ سے نفرت کرو۔ سوچتے ہوئے انجانے خیال سے مسکرائی تھی۔ تبھی گیٹ پر گاڑی کی ہیڈ لائیٹس پڑیں اور پھر ہارن سنائی دیا تھا۔ وہ بے قراری سے گیٹ کی سمت بڑھی تھی۔

وہ دشمن جان لوٹ آیا تھا۔ اتنا انتظار کروانے کے بعد! گاڑی سے نکلتا ہوا وہ بریف کیس اٹھائے آگے بڑھا تھا مگر... یہ کیا چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی، وہ گرنے لگا جب عشنا تیزی سے آگے بڑھ آئی۔ اسے تھام کر کندھے کا سہارا دیا۔

''یو ہی'' وہ اپنا آپ چھڑاتا خود ہی آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس بار وہ لڑکھڑاہٹ کی وجہ سے بہت زور سے گرا تھا۔

''دہان آپ نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی؟'' وہ رو دینے کی کیفیت میں تھی۔ اسے زخم لگانے والا تڑپ رہا تھا۔ تکلیف اسے ہو رہی تھی۔ بمشکل ہی سہارا دے کر اٹھایا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ نہ جانے کیا کیا بولتا رہا تھا۔

لائٹ آن کر کے اسے بستر پر لٹا دیا۔ شوز اتار کر جرابیں اتارنے لگی۔ مگر آنسو آنکھوں سے اسی تواتر سے بہتے چلے آ رہے تھے۔

اس پر کمبل اوڑھا کر سیدھی ہوئی، کچھ ہی دیر میں اس کی بڑبڑاہٹ کم ہوئی تھی۔

اگر اس حالت میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا تو؟'' وہ سوچ کر روح تک کانپ گئی۔ میری ہر دعا تمہارے لیے ہوتی ہے دہان، تو تم کیسے مصیبت کی زد میں آتے۔ نائٹ بلب جلا کر کے وہ اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔

لڑکیوں کو زیادہ ہنسنا نہیں چاہیے۔ دادی ماں اکثر اس سے کہا کرتی تھی۔ بچپن کس قدر خوبصورت ہوتا ہے نہ کوئی فکر نہ کوئی ٹینشن۔ چھوٹے ہوتے بہت زور زور سے ہنسا کرتی تھی۔ دادی اسے اکثر بہت زیادہ ہنسنے پر ٹوک دیتی تھیں۔

''زیادہ ہنسنے سے نظر لگ جاتی ہے'' ہاں نہ جانے اس کی زندگی کی ہنسی کو گرہن سا کیوں لگ گیا تھا۔ کس کی نظر کھا گئی تھی۔

''دادی آپ سچ کہتی تھیں لاابالی عمر پل بھر میں بیت جاتی ہے تب تب تو بس ہنسی مذاق قہقہے سبھی بے معنی سے لگنے لگتے ہیں۔ کوئی جانے والا نہ ملے، تو کہاں ہنسنے کو دل کرتا ہے۔'' صوفے پر لیٹے وہ مسلسل سوچوں کی زد میں تھی۔

exponovels

اسے دادی ماں بہت شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ ان کی کہی باتیں، نصیحتیں کس قدر سچ لگ رہی تھیں اس پل، سوچتے سوچتے نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

دھیرے دھیرے صبح ہونے لگی۔ سورج کی کرنیں دھرتی پر پڑیں تو جیسے دھرتی پر زندگی لوٹ آئی تھی۔ اس نے صبح کی نماز قضاء ادا کی۔ اس بات کا دکھ بھی بہت تھا۔ سب کام اپنی جگہ پر، بچپن سے ہی دادی ماں نے اسے نماز پڑھنے کی پکی عادت ڈال دی تھی۔ وہ اس بات پر ان کی احسان مند ہی تو تھی۔ اتوار کا دن تھا سب ہی دیر تک سو کر اٹھے تھے۔ وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت کر کے لان میں واک کرنے چلی آئی تھی۔ بادِ سموم کے جھونکے، چہرے کو چھو کر عجب سی کیفیت سے آشنا کرنے لگے۔

لان میں چانے سے لطف اندوز ہوتی وہ خدا کا ڈھیر سا شکر ادا کر گئی۔

لان میں ٹہلتے ہوئے وہ ساتھ میں درود پاک ﷺ کی تسبیح بھی پڑھ رہی تھی۔ تبھی اس کی نظر ساتھ والے بنگلے پر پڑی۔ جو کئی دنوں سے بند تھا۔ مگر اب وہاں سامان منتقل کرنے کی آواز سے چونک گئی۔

''لگتا ہے یہ بنگلا کسی نے خرید لیا ہے۔'' وہ یہی اندازہ لگا سکی۔

''عشنا دہان کل رات کتنے بجے گھر لوٹا تھا؟'' مما نے وہاں آ کر اسے مخاطب کیا۔

''جی...... جی جلدی ہی لوٹ آئے تھے۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کوئی بھید کھلے۔

''جھوٹ مت بولو، واچ مین نے مجھ سے کہا ہے وہ رات میں بہت دیر سے لوٹا تھا۔'' وہ چپ چاپ سر جھکا گئی۔

''تم خوش تو ہو اس کا بی ہیویئر کیسا ہے؟'' پھپھو نے اس سے دریافت کیا تو وہ جبراً مسکرائی تھی۔

''میں بہت خوش ہوں پھپھو اور دہان میرا بہت خیال رکھتے ہیں'' وہ تسلی دیتے ہوئے نگاہیں چرا گئی۔

''اس سے کوئی شکایت ہو تو مجھے ضرور بتانا تمہیں کوئی بھی تکلیف ہو میں برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس محبت پر وہ پرسکون ہو گئی تھی کہ کم از کم سب گھر والے اس کے ساتھ تو ہیں۔ سب کا رویہ سب کی محبتیں اسے جینے کے لیے مجبور کر دیتیں۔

''کہاں تھیں تم؟'' وہ لان سے واک کر کے واپس کمرے میں آئی تو دہان کو کہتے

سنا۔ وہ نہا دھو کر بالکل فریش بیٹھا ہوا تھا۔ رات کا کوئی بھی واقعہ اس کے چہرے پر نہیں تھا، کیا ہوا ہو گا رات کو؟

بنا جواب دیئے وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ آج منزہ اور حماد نے بھی آنا تھا۔ اسے پھپھو کے ساتھ مل کر کافی تیاریاں کروانی تھیں

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے مس عشنا دہان۔'' اس کے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑتے بہت کچھ باور کروایا گیا۔

''جب میں نے آپ سے کچھ نہیں پوچھا تو آپ بھی یہ حق نہیں رکھتے۔'' دو بدو جواب دیتے ہوئے بھی لہجہ تھوڑا دھیما رکھا تھا۔

وہ چلتا ہوا قریب آن رکا۔ خوشبوؤں میں بسا وجود۔ اس کے ہوش اُڑائے دینے کے لیے کافی تھا مگر عشنا چپ چاپ الماری میں چیزیں سمیٹنے لگی۔

''کیا پوچھنا چاہتی ہو مجھ سے؟'' اس کے گرد مبہم سا لہجہ گونجنے لگا۔

''آپ نے رات کو ڈرنک کیوں کی؟ ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی، رات کو دیر سے گھر کیوں لوٹے دہان، میں سمجھتی تھی آپ مجھ سے یونہی چڑتے ہیں، نفرت کرتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ میں آپ کو بدل دوں گی...... میری محبت آپ کو بدل دے گی دہان مگر آج ایسا لگ رہا ہے میں غلط تھی۔'' بہت شکستہ لہجے میں بولتے ہوئے وہ دہان کو بری طرح چونکا گئی۔

''مائینڈ یور لینگویج میرے کردار پر انگلی اٹھانے کی ہمت کیسے ہوئی تمہاری۔''

وہ ان دنوں میں کتنی بہادر ہو گئی تھی۔ منزہ کی شادی کو دو ماہ ہونے والے تھے۔ ان دو ماہ میں کتنا کچھ بدل گیا تھا۔ دراصل بدل تو وہ رہا تھا آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے سرکتے ہوئے پل کے ساتھ۔ اب اس سے یہ لڑنے جھگڑنے کی بجائے بات ہی بہت کم کرتا تھا۔

وہ عشنا کی محبت کے آگے ہارنے لگا تھا۔ مگر خود کو ابھی اس بات کے احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ کل رات وہ نائٹ ڈیوٹی کر کے فارغ ہوا تو تھکان حد سے سوا تھی۔ جی تو چاہا واپس نہ جائے ڈرائیور کو بھی واپس بھجوا دیا۔ تھکان کو دور کرنے کے لیے بے دھیانی میں دو ٹرنکولائزر کھالیں۔ نیند کا غلبہ آہستہ آہستہ گہرا ہونے لگا تو وہ گاڑی لے کر چل پڑا اور عشنا تو نہ جانے کیا کیا سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔

اسے عشنا کی کسی بھی بات کی پروا تھی ہی کب۔

exponovels

''اعتبار رشتے کی مضبوطی کی پہلی سیڑھی ہوا کرتی ہے۔'' ہر بات جاننے اور سمجھنے کے باوجود وہ دہان پر شک کرنے پر مجبور ہو گئی۔

وہ کچھ دیر یونہی اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

شام میں منزہ اور حماد چلے آئے تو وہ فریش ہو کر اپنے کمرے سے نکلی۔ اسے نہیں معلوم تھا دہان کہاں ہے۔

منزہ سے گلے مل کر بے اختیار ہی پلکیں نم ہو گئی تھیں

''میرے خیال میں لان میں چلتے ہیں''

عشنا نے آئیڈیا دیا جو منزہ اور حماد کو بہت پسند آیا۔ سبھی لان میں چلے آئے۔ حالانکہ ٹھنڈی اور پرنم ہوا، سردی کی کپکپاہٹ وجود میں دوڑائے دے رہی تھی۔

''مما! رمضان کا مہینہ آنے والا ہے۔ ہم لوگ حیدر آباد میں شفٹ ہو رہے ہیں آپ کے ہاتھوں سے بنے کھانوں کی بہت یاد آئے گی۔ منزہ کی آنکھوں میں چمک سی در آئی تھی۔

''تو میری طرح کھانا بنانا سیکھ لو۔ جب دل کرے بناؤ اور سب کو کھلاؤ''

پھپھو نے محبت سے بیٹی کو کہا تھا۔

''حماد بھائی منزہ آپ کو زیادہ تنگ تو نہیں کرتی۔'' عشنا نے مذاق سے پوچھا وہ ہنس دیا تب بولا۔

''کبھی کبھی مگر میں برداشت کر لیتا ہوں''

عشنا نے حماد کی پر وقار شخصیت کو دیکھا تو دل میں ہوک سی اٹھی تھی کاش وہ بھی عشنا سے اس طرح سے محبت کرتا۔

''منزہ گھر بار بھی سنبھالتی ہو یا بس عیش ہی کرتی ہو؟'' عدن دھم سے لان کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''عدی! کہاں تھے تم؟ پاگل اتنے دن بعد بہن آئی ہے ملے نہیں'' عشنا نے اسے سرزنش کی۔

''یہ مجھے راستے میں ہی مل گیا تھا عشنا۔''

''ایسے لوگ نہ جانے کیوں رستے میں ہی مل جاتے ہیں۔'' عشنا نے منزہ کے کہنے پر اسکی طرف دیکھ کر کہا۔

اسی پل دہان کی گاڑی اندر آئی تھی۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا عشنا کی آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ وہ لوٹا بھی تو کسی لڑکی کے ساتھ۔ وہ لڑکی جس کے چہرے اور بازوؤں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سبھی تقریباً چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ عدی بے اختیار ہی دہان کی سمت مڑا۔

''واٹس پرابلم بھائی کون ہیں یہ؟'' عدی نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے کندھے کے گرد دوپٹہ پھیلا ہوا تھا۔ پٹیوں میں لپٹی، وہ بہت افسردہ سی لگ رہی تھی۔

''مما یہ نازش ہیں، میری پیشنٹ یہ کچھ دن یہیں ہمارے گھر پر رہیں گی۔'' دہان نے مخاطب کیا تھا۔

''کیسے ہو حماد؟'' کہہ کر وہ حماد سے ملنے لگا اور مسکراتا ہوا منزہ کو کندھے سے لگا لیا۔

''آپ کیسے ہیں بھائی؟'' منزہ نے چہرے پر تبسم سجائے دریافت کیا۔

''کیسا لگ رہا ہوں؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ گیا۔

''ویری گڈ'' اس نے جواب دیا۔ پھپھو اس لڑکی کو لے کر لاؤنج سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ جب کہ عشنا وہ وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔

''یہ کون ہے بھائی؟'' منزہ نے پوچھا تھا۔

''ایک بے بس اور لاچار لڑکی کئی روز پہلے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے میرے کلینک میں شفٹ ہوئی تھی آگے پیچھے کوئی نہیں ہے بہت برا ہوا ہے بیچاری کے ساتھ۔

دہان کے لہجے میں واضح تفکر تھا۔ عشنا نے محض ایک نگاہ اٹھا کر دہان کی جانب دیکھی تھی۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا نگاہوں کی برکھا بری تھی ایک دو جے پر، پھر وہ حماد سے بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

منزہ اور حماد رات ہونے سے پہلے ہی واپس چلے گئے تھے اور عشنا انہیں سی آف کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

جب کہ عدی پھپھو اور دہان اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟'' دہان نے ماں کی بات پر سر اٹھا کر دیکھا۔

کسی نے بہت برا کیا ہے اس بے چاری کے ساتھ مار پیٹ کر وہیں کلینک کے پاس پھینک گئے۔'' دہان بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے لفظوں کی کشمکش انیلا بیگم کو بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔

exponovels

یہ ظلم کس نے کیا بیٹا کون ہے تمہاری زندگی کو گرہن لگانے والا۔'' انیلا بیگم نے نازش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو آنکھیں بند کر کے لیٹی آنسو بہائے جا رہی تھی۔

''میرا گھر، میرے سب رشتے، مجھ سے چھوٹ گئے آنٹی، میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ پھر بھی کچھ لوگوں نے دشمنی کی آڑ میں مجھے ...... مجھے بھیانک سزا دی۔

وہ تکیے کے سہارے بیٹھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو دی تھی۔ تب اس نے بتایا۔

''کہ اس کے ماموں اچھے خاصے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ماں، باپ کو پہلے ہی ماموں نے خاندانی دشمنی کی آڑ میں مار دیا۔ تب اپنے بیٹے سے نازش کی شادی کر دی اور جو بھی دولت نازش کی امی، ابو چھوڑ گئے تھے۔ وہ کمال فن سے ہتھیا لی..... اکبر کی نازش کے ساتھ کبھی بھی نہ بن سکی تھی۔ وہ بات بات پر اسے مارتا پیٹتا تھا۔ ممانی الگ اس سے کام کرواتی۔ ماموں اکثر اس پر ترس کھا کر اکبر کو ڈانٹ دیتے۔ وہ بہت برا شخص تھا۔ شراب پینا جوا کھیلنا اور غیر عورتوں کی صحبت اس کے لئے کوئی غلط بات نہیں تھی۔ تب ماں کی طبعیت خراب رہنے لگی۔ ایک شام وہ گھر کا کام کاج کر کے فارغ ہوئی۔ اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔ ماموں دوسرے کمرے میں بیمار ہو کر چارپائی سے لگے ہوئے تھے۔ ممانی کسی کے گھر گئی تھیں تبھی اکبر کے کچھ آوارہ دوست گھر میں گھس آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اکبر نے خود اس کے پیسے انہیں دیے ہیں۔ وہ اب اس وجود سے تنگ آ گیا ہے تب انہوں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا اور کلینک کے قریب ہی زخمی حالت میں چھوڑ گئے۔''

وہ بتاتے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے مجھ پر آپ نے نا صرف میری جان بچائی۔ مجھے تحفظ بھی دیا اور اب یہاں لے آئے۔ میں آپ کے گھر کا سارا کام کر دوں گی۔ آنٹی پلیز مجھے دوبارہ وہاں نہیں جانا۔ میں، میں جی نہیں پاؤں گی۔'' وہ بے بسی اور خون کے آنسو رو رہی تھی۔

''تم یہیں رہو گی بیٹا! فکر نہیں کرو۔ خدا تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو سزا بھی دیتا ہے اس کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔''

انیلا نے اسے خود سے لگا لیا دہان کو اطمینان سا ہو چلا تھا اور عدی وہ نہ جانے کن

سوچوں میں سفر کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ تھکا ہارا سا کمرے میں لوٹا۔ تو صوفے پر بیٹھی عشنا میگزین کی ورق گردانی میں مگن تھی۔ اسے دہان کے آنے کا بھی پتا نہ چل سکا۔ وہ سیدھا واش روم کی جانب بڑھا۔ فریش ہو کر لوٹا۔ تو وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ جی چاہا کہ پہلے کی طرح چیخ چلا کر اس سے لڑے۔ وہ چائے لے کر آئی۔ تو کپ دیوار میں دے مارے۔

اسے اتنا ہراساں کرے کہ وہ رو پڑے اور تب دہان اسے دیکھ کر ہنس پڑے اور کہے۔

''دیکھو میری محبت کا جنون!''

کئی دنوں سے وہ خود کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بہت الجھا الجھا اور پریشان رہنے لگا تھا۔ اپنی کیفیت پر جیسے اختیار ہی نہیں رہا تھا۔

''ثریا میرے لئے چائے بنا کر لاؤ'' دروازے میں کھڑے ہو کر لاؤنج میں بیٹھی ملازمہ سے مخاطب ہوا۔ وہ ''جی اچھا'' کہہ کر کچن کی جانب بڑھی اور خود آ کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ چہرے پر خفگی کی ہلکی سی رمق تھی۔

''دہان کچھ چاہیے آپ کو؟'' اسے پریشان دیکھ کر وہ کھڑی ہوئی۔

''ادھر آؤ۔'' اس نے کہا۔

''جی! وہ اس فرمائش پر حیران ہی تو رہ گئی۔

''سر دباؤ میرا'' انوکھی سی فرمائش اسے حیران کر گئی۔ مگر وہ خاموشی سے بیڈ پر بیٹھتی اس کا سر دبانے لگی۔ دہان پلکیں موندے لیٹا تھا۔ عشنا کا نرم و گرم لمس اس کے ماتھے اور بالوں کو چھو کر عجب سی سرشاری دوڑا رہی تھی۔

''کاش تم یہ فرمائش بہت پیار سے کرتے۔ یہ اجنبیت کی دیوار گرا کر۔''

آنکھیں یکدم ہی چندھیا گئیں۔ تبھی ثریا دروازہ ناک کر کے چائے لے آئی تھی۔ اس نے ہاتھ روک کر اٹھنا چاہا۔ مگر دہان نے یکدم آنکھیں کھولیں تھیں۔ وہ پرسکون لمس اس سے بہت دور کر چکی تھی۔ دہان نے اٹھتے ہوئے عشنا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ثریا چائے رکھ کر جا چکی تھی۔

''میں نے جانے کے لئے نہیں کہا۔''

آنکھوں میں عجب سی چمک در آئی تھی۔ وہ بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی۔

exponovels

"دہان! آپ بدل کیوں گئے ہیں؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کس نے کہا میں بدل گیا ہوں تمہارا جو مقام پہلے تھا میری نظر میں وہی اب بھی ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ میری محبت کے آگے ہار نے گئے ہیں"

نہ جانے وہ اتنی بہادر کیسے ہوگئی تھی۔ دہان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ جھٹکے سے پیچھے کیا تھا۔

"شٹ اپ ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔" وہ چیخ کر اسے جانے کیلئے کہہ گیا۔

"آپ واقعی میں ایک نفسیاتی مریض ہیں دہان۔ کیسے سکون مل سکتا ہے آپ کو۔ مجھے اپنے الفاظ سے زخمی کرتے ہیں۔ خود کیسے ہیں۔"

بے اختیار ہی دہان کا ہاتھ اٹھا تھا وہ گرتے گرتے بچی تھی۔

"بیوی ہوں آپ کی، آپ کی نظر میں مجھ سے زیادہ پرائی لڑکی کی اہمیت ہوگئی۔ جو اٹھا کر گھر لے آئے۔" دہان نے دوسری بار ہاتھ اٹھایا تھا۔

"الزام لگانے سے پہلے یہ سوچ لو۔ میں کون ہوں؟ جس کے سامنے تم بیٹھی ہو۔ وہ تمہاری بات پر کیا ری ایکٹ کرے گا۔"

"ماریے مجھے اور ماریے مگر میں آج چپ نہیں ہوسکتی۔ جو فیصلہ کرنا ہے ایک ہی بار کر دیجیے مجھے بھی آپ سے کوئی خاص محبت نہیں جو میں آپ کی چاکری کروں۔"

"شٹ اپ!" اب کی دفعہ وہ مکا دیوار پر مار کر کرانے لگا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ......"

"کیا کریں گے آپ۔ ہاں پہلے میں آپ سے ڈرتی تھی مگر اب مجھے آپ سے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا۔ بہت کر لی محبت آپ سے بہت خیال رکھ لیا۔ اب جیسا آپ کریں گے ویسا بھریں گے۔"

اور اگلے ہی پل وہ جانے کے لئے مڑنے لگی۔ دہان نے ہاتھ بڑھا کر اسے جانے سے روکا۔ تو وہ کندھے سے آن لگی۔

"میری نفرت کے آگے ہار جاؤ گی تم۔ اس قدر اذیت دوں گا تڑپو گی۔ دن رات تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔ آگ کا شعلہ ہوں جلا کر راکھ کر دوں گا۔" وہ چیلنج کر گیا تھا۔

"اور میں بھی پانی ہوں بجھا دوں گی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بہت مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔

تبھی وہ ہنسا تھا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر دہان نے اسے اپنے حصار میں یوں قید کیا کہ وہ اس کی گرفت میں مچل کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے بے خودی پر مچلنے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔

وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کر سکی۔

دہان نے اسے بہت گہرا گھاؤ لگایا تھا۔ بہت ہی تڑپانے والا زخم جب محبت نہ ہو تو یہ زخم درد بن کر بدن میں ٹھہر جاتا ہے۔ اذیت بن کر روح میں سرایت کرنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ارمانوں پر اوس جمی تھی۔ وہ اس سنگدل کی زیادتی پر کڑھ کر خاک ہوگئی تھی روتے روتے نہ جانے کب آنکھ لگی۔ کچھ پتا نہیں چلا۔

☆......☆......☆

ناشتے کی میز پر سبھی لوگ موجود تھے۔ وہ بھی چپ چاپ کسلمندی کے ساتھ پراٹھے بنانے میں مگن تھی۔

"عشنا بیٹا! اس بچی کے لئے سوپ بنا دینا کچھ اور تو ابھی کھا نہیں سکتی۔" عشنا نے چپ چاپ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

تب پھپھو نے باتوں ہی باتوں میں اسے ساری بات تفصیل سے بتائی اور اس کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ جو نہ جانے کیا کیا سوچ کر بیٹھی تھی۔

"بہت برا ہوا ہے بے چاری کے ساتھ۔"

"تو اور کیا۔ آج کل ہوس اور پیسوں کی لالچ کتنی زندگیاں برباد کر رہی ہیں خدا ہر بچی کو اپنی امان میں رکھے۔ ماں، باپ اور بہن بھائی کا سایہ سر پر ہو تو کتنا آسرا رہتا ہے۔" پھپھو چائے فلاسک میں ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اے بھابھی! کیا ہو رہا ہے یہاں۔ مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔ ناشتا نہیں بنا ابھی" عدی مسکراتا ہوا کچن میں آیا تھا۔

"میں کب تک تمہاری خدمتیں کروں گی۔ لے آؤ ناز نخرے اٹھانے والی۔" عشنا نے مدھم لہجے سے کہا۔

exponovels

''آپ کے ہوتے ہوئے اللہ توبہ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔

عشنا نے جواب میں بیلنا بازو میں دے مارا تھا۔

''عدی ایک بات کہوں''

''ہوں بولیے'' وہ فرائیڈ ایگ پلیٹ میں ڈالتا کالی مرچیں چھڑکنے لگا۔

''اگر کبھی میں تم سے کچھ مانگوں تو دو گے۔''

''ہائے آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔ ملکہ عالیہ'' وہ ایک ادا سے گویا ہوا۔

''بکومت''

وہ آملیٹ کی پلیٹ اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

جب کہ عشنا سوپ بنانے لگی۔ وہ صبح سے خود کو خواہ مخواہ میں مصروف ظاہر کر رہی تھی۔ تاکہ اس دشمن جاں کا سامنا نہ ہو۔ عدی شور مچاتا یونیورسٹی کے لئے نکل چکا تھا۔

انکل بھی آفس جا چکے تھے۔ وہ سوپ بنا کر اس کے کمرے میں چلی آئی۔ نازش آنکھوں پر ہاتھ دیئے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار اس لڑکی کو اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

''ایکسکیوز می! سوپ پی لیں۔'' وہ اجنبی لہجے میں بولی۔ جب کہ وہ لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''معاف کیجیے گا میں باہر نہ آسکی۔ کوشش کروں گی میری وجہ سے کسی کو زحمت نہ ہو۔'' وہ بے چینی سے بولی

''اٹس اوکے! آپ سوپ پی لیں'' پھپھو نے کہا تھا آپ ناشتا نہیں کر سکتی نا اس لئے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب دروازے میں ایستادہ دہان کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ ابھی تک کلینک نہیں گیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' دروازے میں کھڑے کھڑے خیریت دریافت کی۔ جب کہ چہرے پر تبسم کا واضح عنصر تھا۔ وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں الجھن میں اضافہ گیا۔

''ارے تم اا سے ملیں۔ یہ ہیں میری وائف عشنا۔'' دہان نے عشنا کی طرف اشارہ کیا وہ جاتے جاتے لی۔

''آپ کی وائف بہت اچھی ہیں ڈاکٹر صاحب خوشی ہوئی ان سے مل کر۔ وہ

مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا کرتی ہیں آپ؟'' نازش نے دریافت کیا۔ ''فی الحال تو میری خدمتیں ہی کر رہی ہیں۔'' دہان طنزوں کے تیر چلائے جا رہا تھا۔ بہت ذومعنی بات کر گیا تھا۔ وہ مڑ کر جانے لگی جب وہ راستے میں آ گیا۔

''بیٹھو نا کیوں جا رہی ہو۔ میں بھی آج ادھر ہی ہوں۔'' آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈھیر سارے پیغام دیے تھے۔ نازش اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی اور وہ منجدھار میں کھڑی تھی۔

''مجھ سے ڈرنے لگی ہو۔ صرف کچھ لمحوں کے سبب، امیزنگ۔ اگر مجھے یہ طریقہ پہلے یاد آ جاتا تو۔ ہا...... ہا...... ہا! ویری گڈ۔ اب تو کوئی آس نہیں لگاؤ گی۔ میرے وجود سے۔ میں تمہیں ایسی تشنگی دوں گا کہ تڑپو گی۔'' بے اختیار ہی آنسو پلکوں سے رواں ہونے لگے۔

''نو رونا نہیں میرے سامنے رونے کی ہمت مت کرنا۔ مجھے تمہارے آنسو بہت اچھے لگتے ہیں۔ مگر میں انہیں بہتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔'' رخسار پر دونوں ہتھیلیاں جمائے وہ کوئی سحر پھونکنے لگا تھا۔ عشنا نے عجب سے کرب کے تحت آنکھیں میچ لیں۔

''میں تمہیں اپنی محبت میں مدغم دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کہہ کر وہ رکا نہیں چلتا ہوا بہت دور نکل گیا۔

کبھی محبت میں ڈوبنے کی بات کرتا تھا کبھی تڑپانے کے دعوٰی کر جاتا کبھی عجب سے لگاؤ لگا کر روح زخمی کرتا۔ تو کبھی دل و جاں میں طنز کے تیر پیوست کر دیتا تھا۔ وہ بھی وہاں نہیں رکی۔ کیا تھا یہ بدلتے موسموں جیسا انسان۔

اگلے روز شام میں دہان کے کچھ فرینڈ ڈنر انوائٹڈ تھے۔ پھپھو نے کچھ ڈشز تیار کیں۔ باقی کام عشنا کو ہی کرنا تھا۔

چکن فرائیڈ رائس، ویجی ٹیبل اینڈ چکن سوپ، کافی، سلاد، کیچپ اور نہ جانے کیا کیا۔

''مما سب کچھ تیار ہے۔'' وہ کچن میں آتے انیلا بیگم سے پوچھنے لگا۔ وہ سلاد سلیقے سے ٹرے میں سجائے ہوئے چپ کھڑی رہی۔

''ہاں بیٹا! سب تیار ہے۔ تمہارے بابا کہاں ہیں؟'' وہ بھی ڈرائینگ روم میں ہم لوگوں کے ساتھ ہی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

exponovels

''انہیں زیادہ میٹھا مت کھانے دینا۔ انہیں تو میٹھا نظر آجائے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔''

پھپھو نے خصوصاً تاکید کی بیٹے کو۔

اسی دوران دہان نے عشنا کو دیکھا تھا۔ سر جھکائے کام کرتے ہوئے ہر چیز سے بے نیاز تھی۔

''آنٹی میں کچھ مدد کروں'' اسی پل نازش انہیں مصروف دیکھ کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیٹا! اب تو سب مکمل ہوگیا ہے۔ تم فکر نہیں کرو۔''

انیلا بیگم کی بات پر عشنا نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر کام میں مگن ہوگئی۔

''اچھی بات ہے مما محترمہ کو بھی تھوڑا بہت کام کرنے دیں۔ دل بہلا رہے گا۔ اور طبیعت بھی فریش رہے گی۔

نازش یہاں آکر کافی ہیل گئی تھی۔ خصوصاً دہان اور انیلا بیگم کے ساتھ۔ عشنا کو نہ جانے کیا ہوا تھا۔ اس کا اس طرح سے کہنا۔ دہان کا ہنسنا۔ وہ دوسروں کے ساتھ کس طرح سے ہنس کر پیش آتا تھا۔ مسکرا کر بات کرنا اس کا وطیرہ تھا۔ مگر وہ ....وہ کیا تھی اس کیلئے۔ پل پل باتوں اور طنز سے اذیت دیتا۔ ہاتھ اٹھانا چیخنا چلانا۔

بے اختیار ہی پلکیں نم ہوگئیں۔ پھپھو اور نازش کچن سے باہر نکل گئی تھیں اور وہ بے بسی سے رونے لگی، بے آواز کتنے ہی آنسو آنکھوں سے نکل کھڑے ہوئے۔ کاش تم مجھ سے بھی اتنا ہی پیار کرتے۔ جتنا باقی سب سے کرتے ہو۔ مجھے بھی ایسے ہی ہنس کر بلاتے۔ جس طرح سے باقی سب سے بات کرتے ہو۔ سوچتے سوچتے وہ کچن کے دروازے کی طرف بڑھی۔ آنکھوں کے آگے نیم دھندلی چھائی ہوئی تھی۔

اسی اثناء میں وہ سر جھکائے ہوئے تیزی سے آگے بڑھی تو سامنے سے آتے ہوئے دہان سے ٹکرائی تھی۔

ایک ہاتھ شانے پر جا ٹھہرا تھا جب کہ دہان غصے سے دیکھ رہا تھا۔

''ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے تم پر جو تم یوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔ وہی تو ہوا ہے جو تم چاہتی تھی۔

ذومعنی لہجہ اور بات دونوں ہی عشنا کے چہرے پر دھیما سا تاثر لے آئے تھے وہ صرف سر جھکا گئی۔ بولنے کے لئے الفاظ ساتھ نہ دے سکے تھے۔

''یوں اپنا دل جلا کر زندگی کو ابھی سے اپنے لئے مشکل نہ بناؤ۔ کیونکہ ابھی تو تمہیں بہت کچھ سہنا ہے بہت کچھ برداشت کرنا ہے ابھی سے ہار گئی تو .....'' کلائی تھام کر اسے یوں جھٹکا کہ جیسے وہ ربڑ کی گڑیا ہو۔ وہ تڑپ کر ہی تو رہ گئی۔

''آپ صرف اپنی کہنا اور اپنی سننا جانتے ہیں، مت سمجھیے کہ میں آپ سے ڈرنے لگی ہوں۔ اتنی کمزور نہیں ہوں میں۔''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر سہم گئی۔

دہان کے چہرے پر تبسم کا گہرا عنصر تھا۔

''آئی لائک یور اسٹائل آئی لائک یُور وے آف ٹاکینگ!'' عشنا نے اس پل اس کی طرف دیکھا تھا۔ جو اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

اس وقت وہ سادہ سے لیدر کے سوٹ بھی بہت پروقار اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ مونچھوں تلے مسکراتے لب۔ چمکتی گہری سمندر جیسی آنکھیں۔ وہ نگاہیں چرا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کر گئی۔

''اب جو ہاتھ تھاما ہے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔''

''آپ کے ساتھ مجھے کوئی غرض نہیں ہے نہ ہی مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے چھوڑیے میرا ہاتھ۔'' یہ الفاظ کیا تھے۔ دہان پل بھر کے لیے تو ششدر ہی رہ گیا۔

''نہیں چھوڑوں گا کیا کر لو گی؟'' وہ بضد تھا مسکراتی آنکھیں اس کے سراپے پر جمائے تبھی عشنا نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''کیا ملتا ہے مجھے اذیت دے کر۔'' وہ رو دی۔

''ایکسکیوزمی کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' عدی کچن کے دروازے کے پاس مسکراتا ہوا کھڑا کہنے لگا۔

''بھائی آپ کو کوئی اور جگہ نہیں ملی رومانس کیلئے۔ اتنی بورنگ جگہ مجھے آپ کے ذوق سے یہ توقع نہیں تھی۔ وہ اپنی دھن میں تھا۔

شٹ اپ گیٹ آؤٹ دہان اس پل غصے میں آیا۔

exponovels

''میرے خیال میں آپ!'' وہ ابھی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دہان نے دوبارہ اسے جانے کے لئے کہا ہاتھ بدستور اس کی کلائی تھامے ہوئے تھا۔

''بھائی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ کیا کہا ہے بھابھی نے جو آپ یوں بی ہیو کر رہے ہیں۔'' وہ کلائی تھامے دیکھ چکا تھا۔ تبھی کہہ گیا۔ دہان اس سے پہلے کچھ کہتا انیلا بیگم آتی دکھائی دی۔ دہان کو مجبوراً ہاتھ چھوڑنا پڑا۔ وہ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم کی جانب بڑھا۔

''مما بھائی کا چیک اپ کروائیں پلیز'' عدی نے اس کے جاتے ہی انیلا بیگم سے کہا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں عشنا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ بھی کہنے سے روکا۔

''وہ میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ رومینس کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے جگہ دیکھی جاتی ہے مگر بھائی تو.....''

شٹ اپ عدی۔ وہ تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ ان کا کم از کم کچھ لحاظ کیا کرو۔''

عشنا نے اسے سرزنش کی انیلا بیگم مسکرا دی۔ وہ خجل سی ہو کر اسے پھر پوچھنے کا اشارہ کر کے کچن سے نکل گئی۔

''مما آپ کو نہیں لگتا۔ بھابھی کچھ اداس رہنے لگی ہیں۔ مسکرانا چھوڑ دیا ہے کہیں اس کی وجہ بھائی تو نہیں۔''

عدن کی بات پر انیلا بیگم کی پرسوچ نگاہ اس پر ڈال گئیں۔

''ضروری تو نہیں وہ ہم سے سب کچھ کہیں۔ کچھ باتیں صرف محسوس کی جاتی ہیں خود بخود ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔''

عدن کی بات انیلا کو سو فیصد درست لگی۔ وہ دہان سے پوچھنے کا ارادہ کر گئیں۔

☆.....☆.....☆

رات آہستہ آہستہ گہری ہونے لگی تھی ڈاکٹر زاحباب ڈنر کر کے جا چکے تھے وہ بھی کمرے میں چلی آئی۔ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ سنبھال لی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ تبھی کمرے میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہوئی۔ وہاں سے چاند پوری آب و تاب سے اپنی روشنی روئے زمین پر پھیلانے میں محو تھا۔ کل چاند کی چودھویں رات ہوگی۔ وہ سوچ کر اندازہ لگا سکی۔ بے خودی میں کھڑکی کھول کر نگاہیں چاند پر جما دیں۔ خنک سی یہ رات دل میں چنگاری سا جگا گئی۔

کاش تم میرے ہوتے!
میں یونہی ہر روز تمہیں
سامنے بٹھا کر دیکھتی رہتی
ڈھیر ساری باتیں کرتی
تم مسکرا دیتے، ہنسنے لگتے
کوئی شرارت کرتے!
اور میں مسکرا دیتی، شرما دیتی!
کاش تم ویسے ہوتے
جیسے گگن کا چاند ہے!
بالکل روشن روشن.....
چمکتا ہوا!
میں تمہیں گگن پر تنہا دیکھتی، اور دھرتی سے پیغام بھیجتی
تم آنکھوں ہی آنکھوں میں
شرارت کرتے، تب خنک ماحول میں، میں بھی
دیر تلک رہتی اور مسکراتے
دیتی!!!
کاش کہ تم میرے ہوتے!!!

عجب سی سرشاری روح میں سرایت کر گئی۔ وہ سوچ کر مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ رو بھی نہ سکی تھی۔ بس بے تاثر سی کھڑکی چاند کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ بدن میں سردی سے کپکپاہٹ دوڑنے لگی۔ مگر عشنا کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا دل و روح میں جو سیال تھا۔ اشتعال تھا۔ زخم جو اس کی باتوں سے لگے تھے۔ انا کی جو ٹھیس پہنچی تھی۔ یہ سب باتیں اسے چین سے سونے بھی نہ دیتی تھیں تبھی وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر گیا۔ وہ چونک کر یکدم ہی مڑی تھی۔

آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ ہلکے میرون ویلوٹ کے سوٹ میں ہم رنگ شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھی۔ بال ہوا کی شوخ شرارت سے قابو میں نہ رہ سکے تھے۔ دہان

epdonovels

چلتا ہوا ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا اور وہ کمرے سے ہی باہر نکل گئی۔

اب تو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس سنگدل سے بات کرنے کو۔ موبائل کوٹ کی جیب میں ہی تھا۔ لان چیئر پر بیٹھ کر وہ مما کا نمبر پریس کرنے لگی۔

''کیسی ہیں مما آپ؟'' بات کرنے سے پہلے ہی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''آپ کی بہت یاد آرہی تھی۔ پاپا کیسے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں؟'' بیتابی اور بے چینی چہرے سے ہویدہ تھی۔

''آپ سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے مما پلیز مجھے وہاں بلوالیں۔ میں، میں آپ سے ملنا چاہتی......''

تبھی پیچھے سے کسی نے موبائل اچک لیا۔ وہ تیزی سے مڑی۔ دہان چہرے پر اطمینان کے سائے رقم کیے موبائل آف کر گیا اور چلتا ہوا قریب آن رکا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ کیوں بار بار مجھے مات دینے کی کوشش کرتے ہو اب میں خود...... میں خود تمہاری زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ تو کیوں مجھے پھر اذیت سے دوچار کر رہے ہو۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو دی تھی۔

''میں چلی جاؤں گی تمہاری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے تم سے شادی کر کے اپنے پیرنٹس کی بات مان کر۔ تم سے محبت کر کے کیا ملا بدلے میں مجھے۔ ذلت، رسوائی، میری عزت کی دھجیاں اڑاتے رہے۔ بات بات پر طنز کر کے۔''

''اگر کسی اور کی چاہ تھی تو اپنے ماں، باپ سے کہا ہوتا۔''

''میرا کیا قصور تھا دہان میں نے تم سے کوئی مراسم نہیں بڑھائے تھے۔ پیار کے وعدے نہیں کیے شادی سے پہلے۔''

آج تو جیسے وہ پھٹ ہی پڑی تھی۔

''بولو نا دہان کیا قصور ہے میرا۔ سوائے اس کے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ سے محبت کی، کیا غلط کیا میں نے۔ مگر آپ میری محبت کے قابل نہیں تھے۔ جو ہوا سو ہوا اب وہ ہوگا جو میں فیصلہ کروں گی۔'' دہان جو اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے بولتا سن رہا تھا۔ یکدم ہی آگے بڑھ آیا۔

''میں یہ رشتہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دوں گی۔ نہیں رہنا مجھے آپ کے اس ظلم کدے میں، میں یہاں سے چلی جاؤں گی دہان۔ ہمیشہ کے لئے'' اس پل ٹوٹے ہوئے لہجے میں عجب سی شکست تھی۔ جیسے وہ عورت ہار چکی تھی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتی'' شانے تھامتے ہوئے دہان نے کہا

''میں ایسا ہی کروں گی دہان۔ آپ کی اور میری منزل اب الگ ہے۔

''جانتی نہیں ہو مجھے بھسم کر دوں گا تمہیں مجھ سے جدا ہونے کا سوچنا بھی مت۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے غصے میں بولا تھا۔

''ہم جدا ہو چکے ہیں دہان۔''

''غلط ہم صحیح معنوں میں ایک ہو چکے ہیں'' وہ ہلکا سا تبسم سجائے بات کا جواب دیا گیا اور وہ نگاہیں جھکا گئی۔ تب دہان کا ہاتھ پلکوں کی جھالر پر ٹھہرا تھا۔ آنسو صاف کرتا وہ اسے اپنا اپنا سا لگا۔

یہ بدلتا ہوا شخص مجھے پاگل کر دے گا۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔ دہان کی گرفت یکدم ہی اس کے گرد مضبوط ہوئی تھی۔

''لیومی دہان!'' بہت سرد سی آواز تھی۔ بہت الجھی ہوئی اور جواباً دہان نے اسے چھوڑ دیا۔ بناء کچھ کہے۔ وہ چلتی ہوئی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی اور دہان وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

''آپ اداس کیوں رہتی ہیں؟'' نازش لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی۔ عدن وہاں آتے ہوئے اسے پوچھنے لگا وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

''زندگی میں دکھ سکھ دونوں ہی آتے ہیں مگر اس کا کیا مطلب یہ نہیں ہم اداس ہو جائیں۔ جینا چھوڑ دیں۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں اسے سمجھاتا ہوا بہت اپنائیت سے بولا۔

وہ سب سے بات کرتی تھی۔ سب کی محبتوں کی مقروض تھی مگر اتنے دنوں میں وہ عدن سے ٹھیک طرح سے بات نہ کر پائی۔ تبھی عدن نے اسے لاؤنج میں تنہا دیکھ کر آن لیا۔

''آپ مجھ سے ڈرتی ہیں۔ حالانکہ میں بے ضرر سا بندہ ہوں۔ عدن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

exponovels

''جی ... وہ میں ... اب کسی پر اعتبار کرنے کی عادت نہیں رہی۔ اپنوں کے زخم کے بعد ہر کوئی پرایا لگتا ہے'' عدی نے اس معصوم سی صورت کو دیکھ کر یکدم ہی چونک کر دیکھا تھا۔ بہت شکستہ لہجہ تھا۔

''ہر کوئی ایک جیسا نہیں ہوتا مس نازش!'' وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ضروری نہیں جو آپ سے مخلصانہ انداز میں بات کرے اس کی نیت میں کھوٹ ہو'' کہہ کر وہ رکا نہیں اور نازش وہ تمام باتیں وہ اذیتیں یاد کر کے بے طرح سے سسکنے لگی۔

☆ ☆ ☆

''کیا سوچتے رہتے ہو عدی۔ خیریت تو ہے؟'' وہ یونیورسٹی سے لوٹنے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا سوچوں میں گم تھا۔

تب آ کر عشنا نے اسے پوچھا تھا وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''کچھ نہیں بس یونہی!'' وہ حسب خلاف بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''تم اداس لگ رہے ہو۔ تو اس کا مطلب ہے کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہوگی۔''

عشنا نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور سامنے صوفے پر براجمان ہو گئی۔

''ماموں کا فون آیا تھا۔ وہ چاہ رہے تھے کہ میں حمرہ سے شادی کر لوں۔''

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ تم بھی تو یہی چاہتے تھے۔''

عشنا کو حقیقتاً اس پرپوزل کا سن کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ عشنا جی بابا اور مما بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں حمرہ سے شادی کر لوں۔

پہلی بار اسے نام سے مخاطب کیا تھا۔ وہ اس کے اضطراب پر حیران رہ گئی۔

''مجھے ابھی سوچنے کے لئے وقت چاہیے۔

پلیز سب سے کہہ دیں کہ اتنی جلدی نہ کریں۔'' وہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھا تھا۔

''مگر تم اور حمرہ۔ آئی مین تم دونوں کی بھی یہی رائے ہے نا۔ وہ جیسے یقین چاہ رہی تھی۔

''رائے کا کیا ہے بدل جایا کرتی ہے'' اس لب و لہجے نے عشنا کو بے طرح سے چونکا کر رکھ دیا تھا۔

''تو تم حمرہ سے دل لگی کا ڈھونگ رچا رہے تھے۔ تمہارے دل میں اس کی کوئی

ہمدردی۔'' وہ قریب آئی جیسے تصدیق چاہ رہی تھی۔

''ایسا نہیں ہے بھابھی۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں میں اور حمرہ ایک دوسرے سے مخلص ہیں۔ بس میں اپنی اس اضطرابی کیفیت کو نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ مجھے کچھ وقت دیجیے۔ خود کو اس رشتے کے لئے تیار کرنے کیلئے۔'' عشنا نے اس لمبے چوڑے وجود کو ہارے ہوئے دیکھا تھا جیسے وہ کچھ اور توقع کر رہا تھا اور ہو کچھ اور رہا تھا۔

سچ بات تو یہ تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ عدن کی شادی اب ہو جائے تاکہ وہ آرام سے مما، پاپا کے پاس چلی جائے۔ نہ جانے کتنے ہی فیصلے کر چکی تھی۔

سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے کوئی نماز پڑھ چکا تھا تو کوئی تیاری میں محو عمل تھا۔ یونہی وہ کچن کا کام مکمل کر کے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی جب نازش کے کمرے کے پاس ٹھٹھک کر رک گئی۔

وہ لڑکی نماز پڑھنے میں مصروف تھی۔ سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے۔ زار و قطار آنسو بہا رہی تھی۔ سسک سسک کر خدا سے التجا کر رہی تھی۔ نہ جانے عشنا کو اس پل کیا ہوا وہ دبے پاؤں دروازہ کھول کر اندر چلی آئی تھی۔

تکلیف کے سایے اس کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔ وہ وہیں بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔ یہاں تک کہ نازش جائے نماز لپیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ؟'' وہ مسکرا کر قریب ہی بیٹھ گئی۔

''نازش! مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ آپ کو بہت زخم ملے ہیں درد بھی بہت ہوا ہوگا۔ پلیز زندگی میں ہمت کبھی مت ہاریے گا کیونکہ جب کوئی ہمارے ساتھ نہیں ہوتا تو ہمت ہمیں جینے کی اُمنگ دیتی ہے۔ نیا راستہ دکھاتی ہے۔'' وہ آنکھوں میں امید کی چمک دکھائے اس سے مخاطب تھی۔

''صحیح آپ نے۔ اچھے وقت کی امید اور نیت ہمیں جینے کا رستہ دکھاتی ہے مگر جو جینا ہی نہ چاہے۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''دل مردہ ہو جائے تو زندگی کو محض جینا ہوتا ہے گزارنا ہوتا ہے۔'' پلکوں سے اشک بیکراں بہنے لگے تھے۔

عشنا کا ہاتھ بے اختیار ہی اس کے ہاتھ پر ٹھہرا اسے تسلی دے گیا تھا۔ وہ آنسو

exponovels

صاف کرتے ہوئے عشنا کو دیکھنے لگی۔

"ہمت دینے کا شکریہ۔ آپ سب لوگوں کے ہوتے ہوئے میں کبھی تنہا نہیں ہوں یہ آپ سب کا احسان ہے مجھ پر"

وہ جیسے جبراً مسکرائی ہو۔ تبھی عدی ناک کرتا اندر چلا آیا تھا۔

"بھابھی جان! دیکھیے نا آج تک ہزاروں لڑکیوں سے افیئر چلا چکا ہوں۔ مگر اس بار معاملہ کچھ مشکل لگ رہا ہے۔" عشنا نے چونک کر عدی کو دیکھا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین"

"کچھ نہیں یونہی۔ میں آپ دونوں کو لنچ کے لئے بلانے آیا ہوں۔ مما نے بھیجا ہے۔"

"کل کو تمہاری شادی بھی ہونی ہے تمہاری بیوی یہ قطعاً برداشت نہیں کرے گی کہ تم کسی سے افیئر چلاؤ۔

عشنا نے اسے اچھا خاصا لیکچر دیا۔

"آپ فکر نہیں کریں۔ میں اس سے پوچھ کر افیئر چلاؤں گا۔ مائنڈ اٹ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا نازش جی۔

اس نے آخری بات پر دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"عدن! یہ سب کیا ہے" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"آئی مین نازش جی۔ میری باتوں میں آپ کو کوئی کھوٹ تو نظر نہیں آ رہا ہے" وہ حیران پر حیران کرتا چلا جا رہا تھا۔

"میں تو بس اس لئے یہاں آیا تھا کہ اگر آپ مجھ سے دوستی کر لیں تو آپ کو بہت اچھی کمپنی مل سکتی ہے۔ دیکھئے نا میرے افیئر ز کے معاملات سلجھانے کے لئے کوئی تو ہو آپ ہوں گی تو مجھے بھابھی کی منتیں نہیں کرنی پڑیں گی۔ پلیز!"

"عدی دفع ہو جاؤ یہاں سے"

عشنا نے پاس پڑا کشن اسے دے مارا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا

"سوچ لیجیے گا نازش جی! اس گھر میں رہنا ہے تو مجھے برداشت کرنا ہی ہو گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بھی سنجیدہ لہجہ اختیار کر گیا۔

"پلیز برا نہ منانا۔ عدن ایسا ہی ہے جو بھی بات ہو منہ پر کہہ دیتا ہے کسی کا بھی

exponovels

ذرا لحاظ نہیں کرتا۔ دل کا برا نہیں ہے آپ عدن کے رویے کا غلط مطلب مت نکال لیجے گا۔"

"جی میں سمجھ سکتی ہوں۔ مجھے گھر کے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے عشنا کی بات کا جواب دے گئی۔

کس قدر مضبوط تھی یہ لڑکی۔ اتنا ظلم اتنی زیادتی سہنے کے بعد بھی مسکرانا نہیں بھولی تھی۔ شاید یہ خدا کی ذات کی رحمت ہی تھی۔ جو جینے کی امنگ دے گئی تھی اس لڑکی کو وہ اٹھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دل میں ڈھیروں طوفان جذب کیے۔

☆......☆......☆

شعبان کے مہینے کی آمد ہوئی تو رمضان کی خوشبو دور ہی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ دل میں عجب سی سرشاری اور سرمستی کی سی کیفیت سرایت کر گئی تھی۔

شام کو پودوں کو پانی دیتے ہوئے بے اختیار ہی لب پر کوئی نغمہ سا گنگنانے لگا تھا۔ اس نے مما، پاپا سے اپنے آنے کے بارے میں بات کر لی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کچھ روز ان کے پاس گزار آئے۔

ابھی انکل یا پھپھو سے اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

گرم شال اپنے گرد لپیٹے بالوں کی چٹیا بنائے۔ وہ خود سے بیگانہ لگ رہی تھی۔ چہرے پر زردی سی چھائی تھی۔ سرخی و سپیدی تو جیسے وقت کے ساتھ ساتھ ماند پڑنے لگی تھی۔

سینے میں دل، دل میں دھڑکن
دھڑکن میں کیا ہے، تیری پیاس ہے
ہر پیاس میں درد ہے صنم
یہ درد تیرا احساس ہے
یہ درد تیرا احساس ہے
ادا دل و جاناں تیری تمنا
ہر سانس میں ہے میں نے جانا
محسوس کر کے
سینے میں دل

لبوں پر گنگناہٹ کا عنصر دھیرے دھیرے واضح ہونے لگا۔

وہ اسی کیفیت میں گم تھی کہ گیٹ سے گاڑی اندر لاتے ہوئے دہان کو نہ دیکھ سکی۔

یہاں تک کہ وہ چلتا ہوا قریب آن رکا تھا اور وہ، وہ خوشبو، وہ خوشبو حواس سے ٹکرائی۔ تو یکدم ہی پائپ پھینک کر مڑی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا سامنے کھڑا تھا۔

آنکھوں میں جذبات کے دیپ جلائے۔ عشنا دوبارہ مڑ کر کام میں مگن ہو گئی۔ مگر وہ اپنی گرفت پیچھے سے اس پر مضبوط کر گیا اور عشنا اس لمس سے آشنا ہو کر تڑپ ہی تو گئی۔

عجب سی سوچوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ عجب سا طلسم تھا۔ خمار آلود سا وہ کھونا چاہتی تھی ہمیشہ کے لیے اسی طلسم کی چاندنی میں، مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے ہاتھ جھٹک گئی۔

''یہ نوازشیں، یہ عنائتیں کیا سمجھتی ہو تم انہیں بہت عام بہت ہی عام مگر یہ بہت خاص ہیں مجھے نہیں معلوم محبت کیسی ہوتی ہے کیا ہوتی ہے؟ کس طرح سے ہوتی ہے؟ میں محبت کو اپنے الگ روپ میں محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ اسے اپنے خون میں محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری توجہ تمہاری محبت کو اسی لئے ٹھکراتا آیا ہوں۔ کہ مجھے محبت کی چاشنی سے آشنائی نہ تھی۔

مجھے لفظوں کے تسلسل میں بہنا نہیں آتا۔ مگر پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے، مجھے کچھ ہونے لگا ہے۔''

اس کی باتیں اس کا انداز سب کچھ عشنا کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھا۔ مگر اس پر جیسے کوئی اثر ہی نہ ہوا تھا۔ اب کی بار اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے۔ محض دکھاوا ہے۔ اسے پانے کے لئے۔ یہ باتوں اور جذبات کی رم جھم محض اسے مسخر کرنے کا طریقہ ہے۔

''تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔''

''مجھے آپ کی ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا، مجھے آپ کے اس انداز سے کوئی فرق نہیں پڑتا''

''تم میرے جذبات کی توہین کر رہی ہو عشنا۔'' وہ غصے میں بولا۔

''تم نے بھی کچھ روز پہلے ایسی ہی میری توہین کی تھی۔ بلکہ نہیں آج سے، سات ماہ پہلے سے ہی تم یہ کرتے آرہے ہو۔ برا لگا کیا چوٹ لگی کہیں، مجھ سے محبت تو نہیں کرنے لگ گئے۔''

وہ اب عجب انداز میں اس کا تمسخر اڑانے جا رہی تھی۔

''خود کو چوٹ لگی تو پتا چلا نہ، لفظوں کے گھاؤ کیسے ہوتے ہیں مجھے لگاتے ہوئے تو محسوس نہیں ہوا ہو گا۔''

پلکیں یونہی بھیگتی چلی گئیں۔

اور دہان آفریدی نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ محبتوں کے تلاطم نگاہوں میں چھپائے۔ وہ بہت شکستہ دل ہو کر بھی مضبوط لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں عجب سی چمک لئے۔ وہ بہت ہی اچھی لگی اس دم۔

بے اختیار ہی ہاتھ رخسار پر ٹھہرا تھا۔ گرتے موتیوں کو مٹھی میں قید کر کے وہ ہنسا تھا اور چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا۔

جب کہ عشنا وہ جو خلاف دل یہ سب کر رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یہ کیسا موڑ آ گیا تھا۔ کیسا راستہ کس طرح کی منزل وہ سامنے رکا اس کے قریب تھا۔ اسے چاہنے لگا تھا مگر وہ، وہ اپنے دل کو سمجھا بجھا کر جیسے مار ہی چکی تھی۔ جیسے وہ برستا بھی تو سوئی دھرتی سیراب نہ ہو پائی تھی۔

دل پر جبر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ دہان میں بھی یہی کر رہی ہوں۔ محبت کی ہے تم سے۔ اتنی پاکیزہ محبت کو بے مول کیسے کر دوں؟ بے توقیر کیسے کر دوں؟ بے دل سی ہو کر اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

یکدم ہی ہواؤں نے رخ بدلا۔ تو طوفان کی آہٹ پہلے سے ہی سنائی دینے لگی۔

''پھپھو! میری دوبئی کی سیٹ کنفرم ہو گئی ہے۔ مما کی طبیعت کچھ صحیح نہیں رہتی۔ مجھے جانا ہو گا۔''

لاؤنج میں شام کے وقت تقریباً سب ہی براجمان تھے۔ وہ چائے بنا کر لائی تو چائے بناتے ہوئے بتانے لگی۔

''یوں اچانک جانے کا فیصلہ''

پھپھو تو دم بخود رہ گئیں۔

''بھائی صاحب نے مجھے بتایا تک نہیں۔

کوئی ذکر تو کیا ہوتا؟''

exponovels

''ہمیں تمہارے وہاں جانے سے کوئی اعتراض نہیں ہے بیٹا! مگر یوں اتنی اچانک فیصلہ کیسے کر لیا۔ کوئی بات تو نہیں ہوئی۔''

انکل حیات نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے کئی دنوں سے میرا دل گھبرا رہا تھا۔ مما، پاپا کی بہت یاد آ رہی تھی۔ تو میں نے سوچا کہ ان دنوں میں جا کر ایک چکر لگا ہی لوں۔'' بہت رکھائی سے بات کرتے ہوئے وہ سب کو مطمئن کرنے لگی تھی۔

''دہان کو پتا ہے تمہارے اس فیصلے کے بارے میں؟'' پھپھو نے سوال کیا تو وہ چونک گئی۔

''جی پھپھو! وہ جانتے ہیں۔ انفیکٹ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے'' یہ بات سوچ بنا کر وہ سب کے پوچھنے پر کیا ری ایکٹ کرے گا۔ وہ یہاں موجود نہیں تھا۔ اسی بات کا عشنا نے فائدہ اٹھایا۔ تب عدی جو کہ ٹی وی میں مکمل طور پر گم تھا بولا۔

''یوں اچانک اتنے بڑے فیصلے نہیں کیے جاتے بابا۔ ان فیصلوں کی وجہ کوئی بات ہی تو ہوتی ہے۔'' عشنا نے اس کے اس طرح سے کہنے پر چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے عشنا؟'' انکل حیات نے تجسس سے پوچھا۔

''حیرت ہے نا بابا۔ پورے آٹھ ماہ ہونے والے ہیں بھائی کی شادی کو مگر آپ نے کبھی ان سے ان کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جاننا چاہا۔ یہ نہیں پوچھا کہ عشنا کے ساتھ اس کا بی ہیویئر کیسا ہے؟'' یہ نہیں پوچھا کہ وہ عشنا کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے؟ یہ نہیں پوچھا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش بھی ہیں یا نہیں۔ بس شادی ہوگئی تو سارا قصہ یہیں ختم ہو گیا۔''

عدن پہلی بار اونچی آواز میں بہت سنجیدہ ہو کر بول رہا تھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو عدن۔ مائنڈ یور لینگویج۔ دہان کبھی غلط کر ہی نہیں سکتا۔ عشنا بیٹا تم بتاؤ۔''

انکل یکدم ہی کھڑے ہوئے تھے اور عدن کو ڈانٹ کر رخ عشنا کی جانب موڑا تھا۔ آج پیار پر آنچ آنے لگی تھی۔ تعلق اور رشتہ بدنام ہونے لگا تھا۔ وہ کیا کرتی۔ کیا کر سکتی تھی۔

''بولو عشنا، عدن جو کہہ رہا ہے اس میں کتنی سچائی ہے'' انکل حیات جیسے اس سے حساب مانگ رہے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے انکل ہلکی پھلکی نوک جھونک تو ہو ہی جاتی ہے'' وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

''جھوٹ مت بولیے بھابھی۔'' عدن نے اسے کہا تھا۔

تبھی باہر سے لاؤنج کا دروازہ کھولتا ہوا دہان اندر آیا۔

''ادھر آؤ دہان!'' وہ اپنے کمرے کی جانب جاتا ہوا چونک کر مڑا۔ وہ بے دھیانی میں سب کو دیکھ نہیں پایا تھا۔

''جی بابا!'' وہ چونک کر عشنا اور پھر بابا کی جانب دیکھ گیا۔

''عشنا تمہارے ساتھ خوش ہے؟'' اچانک سوال پر وہ ششدر رہ گیا۔

''جی..... کیا ہوا؟ عشنا نے کچھ آپ سے.....''

''عشنا کچھ کہے گی تو ہمیں پتا چلے گا۔ اندھے ہیں یا بہرے ہیں ہم'' انیلا بیگم نے گفتگو میں حصہ لیا۔

وہ سر جھکائے کھڑی بالکل خاموش تھی۔

دہان نے کن آنکھوں سے عشنا کو دیکھا۔ اس کی پلکیں بھی نم تھیں۔

''تم آؤ میرے ساتھ'' انکل حیات دہان کو اپنے کمرے میں آنے کا کہہ کر مڑ گئے اور، وہ دم بخود سا ہو کر ان کے پیچھے چل دیا۔

☆.....☆.....☆

دونوں میں ناراضگی کی ایک گہری دیوار قائم ہوگئی تھی۔ عدن بہت خوش تھا۔ دہان کو پاپا نے اچھا خاصا لیکچر دیا تھا۔ اسے عشنا کو خوش رکھنے کی تاکید کی تھی اور کہا تھا کہ انہیں اس سے یہ امید ہرگز نہ تھی۔ وہ عشنا کو اپنی بیٹی سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ جس طرح سے وہ سب کا خیال رکھتی تھی۔ ہر معاملے ان کو مشورہ دیتی بالکل بیٹوں کی طرح۔ ان سے ہر مسئلہ ڈسکس کرتی۔ مگر عشنا نے ان سے اتنی بڑی بات کیوں چھپائی۔ وہ عشنا سے بھی کافی ناراض ہوئے تھے۔ رمضان کا پہلا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ اس دن وہ اپنی پیکنگ کرنے میں مگن تھی۔ وہ جانے کا فیصلہ کسی صورت میں نہیں بدل سکتی تھی۔

e-ponovels

الماری کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بے دھیانی میں صوفے سے ٹکرائی تھی۔ آنکھوں کے سامنے یکدم ہی اندھیرا سا چھا گیا زمین پوس ہوتے ہی وہ خود سے بیگانہ ہوگئی۔

دروازے سے اندر داخل ہوتا ہوا دہان اندر آیا ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہ سامنے خود سے بیگانہ پڑی ہوئی تھی، شاید روزہ کی وجہ سے۔ وہ یہیں سمجھ سکا۔ تیزی سے آگے بڑھ آیا، اسے بانہوں میں بھر کر بیڈ پر لٹایا تھا۔

''عشنا آنکھیں کھولو۔'' اس کے رخسار تھپتھپاتے دہان نے بے قراری سے کہا تھا۔ پانی چھڑکنے کے بعد ہی اس نے کسمسا کر پلکیں جھپکائی تھیں۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر سکون سا دل وروح میں سرایت کر گیا۔

عشنا نقاہت محسوس کر رہی تھی۔ آج سے نہیں بلکہ کئی دنوں سے اسے اپنی کیفیت خود سمجھ میں نہ آئی تھی۔

''کیا ہوا تھا تمہیں؟'' دہان نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ وہ رخ موڑ گئی۔ تبھی دہان نے اس کی ویران آنکھوں میں واضح پیلاہٹ دیکھ لی تو بے طرح سے چونک گیا۔

''کب سے ہے یہ حالت؟'' وہ حقیقتاً پریشان ہوا تھا۔

عشنا کچھ بھی نہ بولی تھی۔ تبھی وہ الماری میں سے بی پی اپریٹس اٹھا لایا۔

''اوہ مائی گاڈ۔ بی پی اس قدر لو ہو چکا ہے۔ سحری میں کچھ کھایا تھا۔'' وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''میں ڈاکٹر عالیہ کو فون کرتا ہوں۔'' پریشانی کے عالم میں باہر کی جانب بڑھا۔ انیلا بیگم اور باقی سب لوگ بھی اس کے کمرے میں آن موجود ہوئے۔

ڈاکٹر عالیہ نے عشنا کا کمپلیٹ چیک اپ کیا۔ وہ مسکراتے ہوئے پریشان سے دہان کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''ڈاکٹر صاحب آپ کی ڈگری یہاں آ کر فیل کیوں ہوگئی۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ ابھی بھی کچھ نہیں سمجھ پایا تھا۔

''آپ کی وائف ماں بننے والی ہیں مبارک ہو۔''

عشنا نے بہت خجالت سے آنکھیں بند کی تھیں۔ انیلا بیگم مارے مسرت کے عشنا کے پاس چلی آئیں۔ اسے خوب سارا پیار دیا۔ دہان وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا آج اس قدر

خوبصورت خوشی ملی تھی کہ وہ گم صم سا ہوگیا۔

ڈاکٹر عالیہ نے انہیں کافی ہدایات دیں تب دہان انہیں ڈراپ کرنے کیلئے باہر کی جانب بڑھا۔

''ڈاکٹر دہان! آپ کی مسز کی کنڈیشن کافی خطرناک ہے۔ میں سب کے سامنے تو کچھ نہیں کہہ سکی۔ مگر اس قدر بی پی لو کا ہونا۔ بہت خطرناک ہوسکتا ہے۔ آپ پلیز فوڈ کا اور خصوصاً انکی تفریح کا خاص خیال رکھیں۔ باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔''

دہان چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کیے ان کی بات سن رہا تھا۔ حیران تو وہ بھی تھا۔ اس قدر نقاہت اور بی پی لو ہو جانے پر مگر اب، اب اسے کیا کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ چہرے پر یکدم ہی مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆.....☆.....☆

انیلا بیگم اسکی بہت کیئر کرتی تھیں۔ نازش بھی پھپھو کے ساتھ مل کر اس کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی۔ غرضیکہ اس کی محبتوں میں مزید اضافہ ہو چلا تھا۔ مگر وہ پھر بھی اداسیوں کے گہرے سایے میں موجزن رہتی تھی بجھی بجھی سی خفا خفا سی اور یہی بات دہان کو پریشان کرنے کے لئے کافی تھی۔

''تمہیں اپنی کوئی فکر نہیں تو نہ سہی مگر اس نازک سے وجود کی پروا تو تمہیں کرنی چاہیے۔'' دہان کمرے میں آیا تو وہ بستر پر لیٹی میگزین پڑھنے میں مگن تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر سوپ کا باؤل اسی طرح سے رکھا ہوا تھا۔

اس نے افطاری میں کبھی کوئی خاص چیز نہیں کھائی تھی۔ پھپھو نے بڑی چاہ سے سوپ بنایا۔ تو وہ بھی پاس ہی رکھا رہ گیا تھا۔ اس کی بات اور غصے کا عشنا نے کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

''میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں سنا نہیں۔'' وہ کوٹ سائیڈ صوفے پر پھینکتے ہوئے غصے میں بولا۔

''وہی تو ہو رہا ہے جو آپ چاہتے ہیں۔ کم از کم اپنی مرضی سے جینے تو دیں۔'' اٹھتے ہوئے چہرہ موڑ کر افسردگی سے بولی تھی۔

دہان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر مسکراتا ہوا قریب چلا آیا۔

''اگر میں یہ کہوں ہمارے درمیان کی ساری رنجشیں اب ختم ہوجانی چاہیں تو تم کیا

exponovels

کہو گی؟''

''یہ دکھاوا محض آپ اپنے مطلب کے لیے کر رہے ہیں مجھ سے یا میرے ساتھ رشتہ رکھنے میں آپ کو کوئی غرض نہیں۔''

''تم ہماری دشمنی کی سزا ہمارے بچے کو کیوں دینا چاہتی ہو۔ اگر اسے کچھ بھی ہوا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ طیش میں آتے ہوئے بولا۔

''چلو سوپ پی لو'' وہ حکم دیتا ہوا سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ رخ موڑے بیٹھی رہی آنسو دھیرے دھیرے سے گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ تو دہان نے باؤل اپنی طرف کھسکا لیا اور اس کو سوپ پلانے کی غرض سے باؤل پکڑ کر سامنے لے گیا۔ وہ بڑھی ہوئی پیشکش پر ساکت بیٹھی تھی تب دہان نے اسے زبردستی سوپ پلایا تھا۔

''پہلے کہہ دیا ہوتا تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا کروں بہت شوق ہے نا خدمت کروانے کا۔'' رخ زبردستی اپنی جانب کرتا ہوا دھیرے سے مخاطب ہوا۔ وہ بے بس سی ہو کر رو دی۔

''تم بات بات پر رو کیسے لیتی ہو؟ مجھے آج تک تمہاری گنگا بہانے کی عادت سمجھ میں نہیں آئی۔''

آپ کبھی نہیں سمجھ سکتے عشنا نے آنسو پونچھتے ہوئے طنز سے کہا اور بستر سے اٹھنے لگی۔

''تم سمجھانے کی کوشش کرو گی تو سمجھوں گا۔ ویسے بھی اب تو میں کافی بدل چکا ہوں۔

''میرے لیے نہیں بدلے اسی لئے مجھے جتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'' اس کی بات پر دہان نے قہقہہ لگایا تھا۔

''حالانکہ میں سمجھتا ہوں مجھے تم نے ہی بدلا ہے تمہاری محبت نے بدلا ہے مگر خیر جو تم سمجھو مجھے تمہاری ہر خوشی منظور ہے بس اپنا خیال رکھا کرو۔''

وہ چہرہ تھپتھپاتے ہوئے واپس مڑ گیا اور عشنا وہ اس رویے پر کھل کر ہنس بھی نہ سکی۔ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

نہ جانے کیوں اس تبدیلی کے بعد ہر چیز سے دل اچاٹ رہنے لگا تھا۔ غصہ تو اس بات کا تھا۔ عشنا کے باقی نیمٹ ہونے کے بعد دہان نے اسے مما، پاپا کے ہاں جانے سے

روک دیا۔

یہ بہانہ کر کے کہ عشنا کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔

وہ دہان کی اس چال کو بس دل ہی میں محسوس کر سکی تھی۔ وہ اختیار رکھتا تھا۔ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ باقی لوگوں کی اسپورٹ جو حاصل تھی اسے۔

☆.....☆.....☆

''آپ ہر وقت غصے میں کیوں رہتی ہیں؟'' عدی اسے یونہی لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھ گیا۔

''دماغ خراب ہے میرا'' وہ تو ہے ہی۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مگر جوں جوں عید کے دن قریب آ رہے ہیں آپ اداس رہنے لگی ہیں۔

''مما، پاپا کی بہت یاد آتی ہے نا اس لئے ویسے بھی پہلی عید ہے ان کے بغیر تو اداسی لازمی بات ہے۔'' عشنا نے اسے اپنی اداسی کی وجہ بتائی تھی۔

''اگر آپ کہیں تو میں آپ کو چھوڑ کر آ سکتا ہوں۔ چپ چاپ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''اور جو ہم تمہاری خبر لینے لگیں اس کا کیا؟'' انیلا بیگم نے بیٹے کے مسکراتی ہوئی شرارت پر کان کھینچے۔

''ہاہ! ظالم سماج۔ جہاں میں موجود ہوں کوئی اچھا کام کرتے ہوئے وہیں آن موجود ہوتا ہے۔'' عدن کی بات پر انیلا بیگم نے اسے دھپ رسید کی تھی۔

''تمہاری مما کا فون آیا تھا عشنا، تمہارے لیے بہت فکرمند ہیں کہہ رہی تھیں میں تمہارا خیال رکھا کروں۔ اب میں انہیں کیا بتاتی کہ تم خود ہی اپنی طرف سے بہت لاپروا ہو۔'' پھپھو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ میری فکر نہ کیا کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں''

''خاک ٹھیک ہو، روزے رکھنے کی کیا تک بنتی تھی۔ ایسی حالت میں!''

عدی صوفے پر بیٹھا۔ ان کی خالصتاً زنانہ گفتگو سنتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ پہلی بار اسے عدی پر بہت غصہ آیا۔

''پھپھو وہ عادت نہیں ہے نا روزہ چھوڑنے کی۔'' وضاحت کر ہی گئی۔

ekpnovels

بہت خوبصورت سا احساس اس کے وجود میں پل رہا تھا۔ وہ اکثر تنہائی میں اس ننھے وجود کو سوچ کر مسکرا دیتی تھی۔ اس کے بارے میں ڈھیر سارا سوچتی۔ مگر یہی باتیں اگر دہان کرتا وہ کوفت میں مبتلا ہو جاتی۔ چپ چاپ اس کے جذبات و احساسات سنتی رہتی۔ کہتی کچھ نا۔ شاید اب کہنے کے لئے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ لڑنے کو ہی نہیں چاہتا تھا۔ عجب سی ڈگر پر دوڑنے لگی تھی۔ حیات خوشیاں بہت قریب ہو کر بے معنی سی لگی تھیں

پھپھو اور انکل کے ہاتھ جیسے خوبصورت سا مقصد آ گیا تھا۔ پھپھو آئے دن شاپنگ کر کے کچھ نہ کچھ خرید لاتیں۔ عدی بھی مختلف قسم کے کھلونے اٹھائے چلا آتا۔ وہ ان کی اتنی محبت پر مسکرا دیتی۔

تب ہی گھر میں عدن کی شادی کا قصہ چھڑ گیا۔ حیات آفریدی اور انیلا بیگم چاہتے تھے کہ حمرہ اور عدن ایک ہو جائیں۔ یہی خواہش حمدانی کی بھی تھی۔ مگر عدن تھا کہ مان کر ہی نہ دے رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کیا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

''بھابھی مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کمرے میں بیڈ شیٹ درست کر رہی تھی جب عدن متفکر سا وہاں آ کر کہنے لگا۔

''ہاں بولو عدن خیریت تو ہے'' اس کی طرف دیکھ کر کہتے ہوئے دوبارہ کام میں مگن ہو گئی۔

''وہ.....وہ.....کسی کو پسند کرنا بڑی بات ہے کیا؟''

''یہ تم پوچھ رہے ہو جانتے بھی ہو کہ محبت پیار تمہارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' وہ جیسے اسے باور کروا گئی۔

''بھابھی۔ میں حمرہ کو پسند ضرور کرتا تھا۔ مگر ضروری تو نہیں میں اس سے شادی بھی کروں۔

''ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو یہ کہہ رہے ہو'' عشنا اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ضروری تو نہیں نا بھابھی وہی ہو جو ہماری خواہش ہو۔ آئی مین خواہش بدل بھی تو جاتی ہے۔

اور حمرہ کو مجھ سے بہتر کوئی اور بھی مل سکتا ہے مگر نازش کو ...'' یکدم ہی کہتے کہتے رکا۔ عشنا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں نازش کو اپنانا چاہتا ہوں بھابھی۔'' عدن نے گویا دھماکہ کیا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟'' جو کہہ رہے ہو وہ دل سے کہہ رہے ہو یا محض ہمدردی۔'' عشنا نے جیسے تصدیق چاہی تھی۔

''میں اس سے ہمدردی کیوں کروں گا۔ کیا کمی ہے اس میں، خوبصورت ہے پڑھی لکھی ہے۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو عدی۔ کیا تم اسے واقعی میں سہارا دو گے۔ کتنی خوش نصیب ہو گی وہ کہ اسے تم جیسا شوہر ملے گا۔ اس کی زندگی کی ساری محرومیاں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔

وہ عدن کے اس فیصلے پر بہت خوش ہوئی۔ اسی خوشی سے پلکیں بھیگ گئی تھیں

''بھابھی کیا وہ مان جائے گی گھر والے مان جائیں گے۔'' عدن نے متفکر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''انہیں منانا کوئی خاص مشکل نہیں مگر عدن حمرہ اور ماموں لوگ کیا سوچیں گے۔'' عشنا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ کچھ نہیں سوچیں گے انہیں ماننا ہی ہو گا۔''

دونوں یکدم چونک کر مڑے۔ دروازے میں دہان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ عشنا نے رخ موڑ لیا۔

تم نے زندگی میں پہلی بار بہت اچھا فیصلہ کیا ہے دہان قریب آتا ہوا عدن سے کہہ گیا

''آپ نے بھی زندگی میں پہلی بار کوئی صحیح کام کیا ہے۔'' عدن نے جواباً ذومعنی بات کہہ دی۔ دہان قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ جب کہ عشنا سر جھکا گئی۔ اسے عدن سے اس بات کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ پھر عدن، دہان کی جانب متوجہ ہوا۔

''بھائی میں نازش کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ پلیز آپ مما اور بابا سے بات کر لیں۔''

''تم فکر نہیں کرو۔ ہم ان سے باتیں کریں گے ویسے یار تو نے ایک بات میں بہت زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔'' دہان خوش باش لہجے میں بولا۔

''جی بھائی۔ اب میں نے کیا کر دیا۔

exponovels

"مما اور بابا کو میری شکائتیں کیں اور خوب ڈانٹ پڑوائی؟"

"ویسے بھائی آپ بھی خوب وقت دیکھ کر وار کرتے ہیں۔ یہ کوئی وقت نہیں ہے ایسی باتوں کا۔" وہ سر کھجاتا ہوا بولا۔ دہان ہنس دیا۔

"او کے معاف کیا۔ مگر آئندہ تم اپنی بھابھی کی بجائے میری فیور کرو گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی بھائی مگر پلیز میرا مسئلہ تو حل کر دیں۔" عدن نے جیسے التجا کی۔

"او کے کچھ انتظار کرو۔ پہلے میں نازش سے بات کرلوں۔" دہان نے عدن کو تسلی دی اور ایک نظر چپ چاپ کھڑی عشنا پر ڈالی۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا

☆.....☆.....☆

"تم سے کچھ کہنا ہے مجھے آ سکتا ہوں اندر؟"

نازش اپنے کمرے میں موجود تھی جب وہ اندر چلا آیا۔ "جی دہان بھائی۔" وہ اس کے بہت اسرار پر اسے بھائی کہنے لگی تھی۔ دہان نے پرسوچ نگاہیں اس پر جما دیں۔

"عدن سے شادی کرو گی" ڈائریکٹ سوال پر وہ ششدر رہ گئی۔

"جی! وہ......"

"وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے اپنی خوشی اور مرضی سے کیا تم اس کی خوشی بن سکتی ہو؟"

وہ بے اختیار ہی چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

تب ہی عشنا کمرے میں چلی آئی۔ بناء دہان کو مخاطب کیے نازش کے قریب بیٹھ گئی۔

"رومت نازش یہ ہم سب کی خوشی ہے ہم سب یہی چاہتے ہیں۔ اسے کوئی احسان یا ہمدردی نا سمجھو۔" عشنا نے دھیرے سے کندھے پر ہاتھ رکھا

"کیوں کر رہے ہیں اس قدر احسان مجھ پر میں بدلہ نہیں چکا سکوں گی۔ میں نے اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو ضرور معاف کر دیا۔ مگر حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی۔" وہ روتے بولی۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں نازش! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں پھر سے گھر مل رہا ہے اچھا شوہر اور اچھا خاندان مل رہا ہے۔ کیا تم ہماری اتنی سی خوشی کو نہیں پورا کر سکتی۔" عشنا کے کہنے پر نازش نے اپنے آنسو پونچھ لئے۔

"کہو نازش بیٹا کیا تم میری بہو بننا چاہتی ہو" انیلا بیگم نے اندر آتے ہوئے گفتگو

میں حصہ لیا۔

وہ بے اختیار ہی اٹھ کر ان کے سینے سے لگ گئی اس قدر عزت اس قدر محبت پر وہ خدا کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

"یہ ہوئی نا بات میری ہونے والی بیوی مان گئی" عدن نے یہ منظر دیکھا تو خوشی سے چلاتا ہوا بولا۔ وہ خود میں سمٹ کر رہ گئی۔

"تم نے ہماری انارکلی کو منا لیا۔ ہمیں اپنی انارکلی واپس لوٹا دی شکریہ۔"

ایک ادا سے وہ عشنا کے آگے جھکا۔ تبھی اس کے اس انداز پر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے حیات آفریدی بھی بیٹے اور باقی سب کی خواہش کے آگے سر جھکا گئے۔

"ہم حمدانی کو کیا جواب دیں گے۔ اس طرح تو رشتے میں دراڑ آ سکتی ہے۔" حیات آفریدی نے سوچتے ہوئے نیا نقطہ اٹھایا۔

"میں اپنے بھائی کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں وہ پڑھے لکھے ہیں، باشعور ہیں وہ مان جائیں گے۔" انیلا نے حیات آفریدی کو تسلی دی۔

"جی انکل ماموں بہت نائس ہیں۔ ہم سب مل کر انہیں کونفیس کر لیں گے وہ یقیناً مان جائیں گے اور کسی بھی طرح کی دراڑ رشتوں میں نہیں آئے گی"

"تمہارا بیٹا زیادہ ہی بے لگام ہو گیا ہے" حیات آفریدی نے انیلا کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ کہنے لگیں

"وہ میرا ہی نہیں آپ کا بھی بیٹا ہے۔" تب دونوں ہی اس پر تبصرہ کرنے لگے تھے۔ عشنا چپ چاپ اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔

دہان الماری کھولے سیٹنگ میں مگن تھا۔ وہ نیچے سے اٹھ کر پہلے ہی آ گیا تھا۔

"کل آخری روزہ ہو گا" وہ جیسے مطلع کر رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے" دو بدو جواب دیتی بستر سیٹ کرنے لگی۔

"پرسوں عید پر کیا پہنو گی۔"

"جو پھپھو نے بنوایا ہے" "نہیں تم عید پر میرون ساڑھی پہنو گی۔ دہان قریب آتا ہوا حکم دے گیا۔

"میں آپ کی یہ فرمائش پوری نہیں کر سکتی۔" کورا جواب دے دیا۔

exponovels

''تمہیں میری فرمائش پوری کرنی ہوگی۔ کم از کم عید کے روز تو۔

''اور آپ کو لگتا ہے میں مان جاؤں گی۔'' عشنا نے دہان کی بات پر جیسے تمسخر اڑایا۔

''مجھے اپنی محبت پر پورا یقین ہے''

''اچھا دیکھ لوں گی'' عشنا نے کہہ کر کمبل اوڑھ لیا۔

''مت سوؤ عشنا پلیز'' اس کی بے تکی فرمائش پر عشنا نے کان نہ دھرا

وہ بہت اضطراب میں تھا صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ سگریٹ پھونکنے لگا جب کی عشنا سوتی بنی رہی۔

''میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں کیا تم مجھے کچھ وقت دے سکتی ہو''

''دہان پلیز سو جائیں صبح سحری کیلئے بھی اٹھنا ہے'' وہ کمبل کے اندر سے ہی بولی۔

اور دہان وہ کئی گھنٹے پریشانی کے عالم میں بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ ماحول کی خنکی اور سگریٹ کی خوشبو ملی جلی سی کیفیت پیش کرنے لگی۔

☆......☆......☆

عید کے روز کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں پھپھو نے ثریا کے ساتھ مل کر پورے گھر کی صفائی کروائی۔ بیڈشیٹس، پردے بھی کچھ چینج کر دیا گیا۔ کل کے مبارک دن کا سوچ کر ہی خوشیاں صحن میں بھر آئی تھیں جیسے۔

''کل کے لیے مینو کیا ہوگا؟'' نازش نے کچن میں مصروف انیلا بیگم کی طرف دیکھتے اپنائیت سے پوچھا۔ وہ مسکرا کر مینو بتانے لگیں۔ عید پر سویاں نہ ہوں تو عید روکھی سوکھی سی ہوتی ہے۔'' عشنا نے کچن میں آتے ہوئے کہا

افطاری کی تیاریاں ہو رہی تھیں چاند رات کے حوالے سے سبھی نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔

''ارے عشنا تم نے چوڑیاں منگوا لیں عدن سے۔''

وہ کیوں لا کر دے گا مجھے اب اس کے لئے مجھ سے زیادہ کوئی اور اہم ہو گیا ہے۔'' عشنا نے شرارت سے مسکراتے ہوئے نازش کو دیکھا وہ بھی مسکرا دی۔

''صحیح کہا بھابھی آپ نے اب میری گھر والی آ رہی ہے مجھے اس کے بارے میں بھی کچھ سوچنا چاہیے۔''

''مجھے بھول جاؤ گے'' عشنا نے غصے سے اسے دیکھا۔

''بھائی کس لئے ہے لے جائیں نا انہیں ساتھ۔ ہم رنگ برنگی چوڑیاں پہننے کیلئے میں تو اپنی ہونے والی بیوی کو لے کر جاؤں گا۔ کیوں بھئی نازش جی''

وہ چپ چاپ شرما کر کام میں مگن ہوگئی۔

''واہ! کڑی تو شرما رہی ہے'' وہ ایک ادا سے کہتا ہوا بولا۔

''عدن جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ وہ تمہیں کچھ اور کہے۔

''کیا کہے گی بے چاری۔ زبان کہاں استعمال کرتی ہیں۔''

عدن نے کہا تو عشنا ہنس دی۔ وہ پاپا کی آواز پر کچن سے نکل گیا۔

''میں نے ٹیلر سے تم دونوں کے ڈریس بنوا لیے ہیں لے کر آنا عدی کا کام ہے۔''

''وہ بہت ناراض ہوگا پھپھو'' عشنا نے اس کی عادت کے پیش نظر کہا۔''تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ بلکہ نازش کو بھی لے جانا۔ چوڑیاں بھی پہن لینا اور مہندی وغیرہ بھی خرید لینا۔

مجھے مہندی لگانی نہیں آتی پھپھو'' عشنا نے انکار پیش کیا۔

''میں لگا دوں گی۔ مجھے مہندی بہت اچھی لگانی آتی ہے۔'' نازش نے محبت پاش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ویلڈن! سارا مسئلہ ہی حل ہو گیا پھر تو۔''

ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے افطاری کا کام بھی مکمل ہوا۔ آخری روزہ تھا۔ سبھی نے بہت جوش و خروش سے ڈھیر ساری دعائیں مانگتے ہوئے روزہ افطار کیا۔

تب سب نے ایک دوسرے کو رمضان المبارک کے روزوں اور چاند رات کی مبارک دی۔ خوشیاں جیسے امڈ کر آئی تھیں چاند بہت واضح نہیں تھا۔ مگر نظر ضرور آ رہا تھا۔

''چاند رات مبارک ہو!''

عشنا دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی جب دہان نے قریب آتے ہوئے کہا

''آپ کو بھی'' وہ دھیرے سے کہہ گئی۔''کل عید ہے۔ خوشیوں بھرا دن۔ مہکتا ہوا تہوار۔

''میں جانتی ہوں'' اس کی بات پر دہان ہنسنے لگا تھا۔

''معاف نہیں کرو گی''

exponovels

"نہیں" عشنا نے جواب دیا۔

"مر جاؤں گا تب بھی نہیں۔

دہان نے کیسا تیر چلایا تھا۔ وہ بے اختیار ہی "اللہ نہ کرے" کہہ گئی۔

"بولو نا۔ میں کیسے اپنی غلطیوں کی معافی مانگوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ مگر تم نے میری خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کبھی بھی میری ضرورتوں سے غافل نہ ہوئی۔

مگر میں، میں بے خبر رہا تمہاری محبتوں سے میں تمہارا گنہگار ہوں جو چاہو سزا دے لو۔

دونوں ہاتھ کندھوں پر جمائے۔ اس سے کہہ رہا تھا۔ بے خودی ہی بے خودی تھی۔

وہ سامنے تھا قریب بہت قریب۔ جو اس کا نصیب تھا۔

شوہر تھا سب سے بڑھ کر اسے محبوب تھا۔ کتنی محبت کرتی تھی وہ اس سے۔ اس کی توجہ کے لئے اس کی محبت حاصل کرنے کے لئے کتنے جتن کیے تھے۔ آنسو اب کی بار بھی ساتھ نہ دے سکے۔ چھلک پڑے۔

"میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں عشنا۔

نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر تم نے مجھے جو تحفہ دیا ہے وہ ہر خوشی سے بڑھ کر ہے۔

میں وعدہ کرتا ہوں کبھی بھی، کبھی بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہوں گا۔" وہ پلکیں صاف کرتا ہوا ہولے ہولے سے سحر پھونکنے لگا تھا۔ شہد آگیں لہجہ بے خود کر دینے کے لئے کافی تھا۔

کتنے ہی پل یوں بیت گئے۔ وہ اس سہارے پر کیا کہتی۔ خدا تعالیٰ سے شکوہ کناں دل آج خدا کے دربار میں محو شکر تھا۔

"تم نے ایک کامیاب محبت کی ہے عشنا

میں وعدہ کرتا ہوں خود سے تمہیں اب کبھی کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ وہ اس کی مضبوط گرفت میں مچل کر رہ گئی آسمان کا چاند اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ تو وہ بھی مسکرا اٹھی تب دہان سے بولی۔

"میں نے آپ کو اپنے بچے کے صدقے معاف کر دیا۔ دہان اگر آپ آج کچھ نہ کہتے تو شاید میں ساری عمر یونہی سسکتے گزار دیتی۔ اس نے دھیرے سے الگ ہوتے ہوئے عشنا سے کہا۔

"تم روتے ہوئے بھی بہت پیاری لگتی ہو۔"

اس کی بات پر عشنا یکدم مسکرائی تھی اور آنکھیں صاف کر لیں۔

"ایک وعدہ کریں"

"بولو جانِ دہان!"

"مجھے مما، پاپا سے ملوانے لے جائیں گے۔"

لے جاؤں گا۔ وہ مسکراتے ہوئے تائید کر گیا۔

"مگر اپنے بچے کے آنے کے بعد" عشنا نے جھینپکر سر جھکا دیا۔

وہ دونوں ہی مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ نیچے چلے آئے

حماد اور منزہ کو دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔

وہ لوگ حیدر آباد سے کل ہی لوٹے تھے۔ عشنا نے دیکھا عدن غائب تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے"

نازش کپڑے استری کرنے میں مگن تھی وہ سر پر سوار تھا۔

"پہلے کر تو چکے ہیں اب کیا کہنا ہے"

"دیکھیے مجھے عید پر سویاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ آپ کل ہرگز سویاں نہیں بنائیں گی۔

"مگر باقی سب کو بہت پسند ہے"

"آپ کو مجھ سے مطلب ہونا چاہیے نہ کہ باقی سب سے۔" عدن نے تلملا کر اس سے کہا۔

"آپ..... آپ اس رشتے سے خوش تو ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ تو عدن نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"میں خلوصِ نیت سے آپ کے ہمراہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ مجھے آپ سے محبت ہے اور بس اس کے بعد کچھ اور مت سوچیے گا۔"

"میرا ماضی آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

مجھے آپ سے غرض ہے نہ کہ آپ کے پورے ماضی سے۔"

exponovels

وہ عدن کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی اور خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ اسے بہت سچا اور اچھا ہمسفر مل رہا تھا۔

خدا نے اس کے لئے خوشیوں کے دروازے پھر سے کھول دیے تھے۔ نازش کی آنکھوں سے خوشی کے موتی ٹپکنے لگے۔

''ارے عدن تم یہاں۔ ہماری ہونے والی بھابھی سے کیا مذاکرات ہو رہے ہیں'' منزہ اور حماد کے ساتھ بھی اندر آئے تھے

عشنا جو دروازے میں کھڑی دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی اندر چلی آئی۔

''میں .....وہ.....تم سے مطلب۔ کسی کے پرسنلز میں نہیں بولا کرتے۔'' عدنان نے منزہ کی جانب دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''ہوں! بچو! اب تجھے میں بتاؤں گا۔ گن گن کے بدلے لوں گا تیری شادی میں، تو نے میری ساتھ بھی ایسے ہی کیا تھا نا۔'' حماد اس کیطرف دیکھتے ہوا بولا۔

''تم لوگ اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ کل ہی آتے آرام سے منگنی میں ایسے ہی اتنا لمبا سفر تھا اور.....''

انیلا پھپھو اندر آتے ہوئے بیٹے کے سر پر چپت لگا گئیں۔ دہان نے عشنا کے گرد بازو کا گہرا حصار باندھا تھا۔ نازش نے مسکرا کر سر جھکا لیا اور سب ہی عید کے پرمسرت موقع کے لئے بہت ساری دعائیں کر گئے۔

''تم میرے گگن کا چاند ہو۔ میں نے ہمیشہ سے ہی تمہیں اپنے ہمراہ دیکھنے اور چلنے کی خواہش کی ہے اس بار عید کی رونقیں تمہارے دم سے اور بھی دوبالا ہو گئی ہیں۔'' عشنا نے مسکراتے ہوئے دہان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

چاند رات کے لئے چوڑیاں بھی تو پہنی تھیں اور لاہور کے انارکلی بازار کی تو رونقوں کی بات ہی الگ تھی۔

سبھی گاڑی کی جانب بڑھے۔ عید کی خوشیوں میں چاند رات ہی تو سب سے اہم تھی۔

گگن پر ٹھہرا چاند۔ دھرتی والوں کو خوشیاں دے کر بہت خوش تھا۔ اس کا نازک سا وجود کسی کے لئے زندگی کا پیغام تھا تو کسی کے لئے کل کائنات۔

♥ ♥ ♥

یہ برستی آنکھیں یہ ترستی آنکھیں

یہ برستی آنکھیں ترستی آنکھیں
تمہارے ہی سپنوں کو ہر لمحے
تراشتی ہوئیں
تمہارے آنے کی منتظر رہتی آنکھیں
کبھی آ کر دیکھو تو
ان ہی راہ گزر پر یہ ٹھہری آنکھیں
تمہارے عکس جاں کو کس طرح سے
پس منظر پر سجا کر رکھتی ہیں یہ
جیسے بیتے لمحے سنبھال رکھتی ہیں
یہ برستی آنکھیں اب تک کیوں ہیں
میری جان ترستی آنکھیں
تمہاری آنکھیں
بے موسموں بے جان منظر پر ٹھہری آنکھیں
کیوں کہ کیا ان آنکھوں کی تپش پر
کیا تم لوٹ آؤ گے ایام گردش پر
یہ برستی ہوئی بے بس بے نوا آنکھیں
میرے ہمدم یہ میری آنکھیں
تمہارے آنے کی راہ تکتی ہیں یہ
کیوں یہ آنکھیں بہتی رہتی ہیں

ex-ponovels

دیکھو تو ان آنکھوں میں
اب بھی وہی حدت شدت پوشیدہ ہے
جو میرے اور تمہارے ملن کی اک کڑی تھی
جب میری آنکھیں
تمہاری آنکھوں میں الجھی ہوئی تھیں
میرے ہمدم میرے ہم نوا!
ان برستی آنکھوں سے پانی
چھین لو
ان ترستی آنکھوں کی ویرانی چھین لو
یہ برستی آنکھیں اب نہ رکھنا
میری جان ترستی آنکھیں
یہ برستی آنکھیں
یہ ترستی آنکھیں!!

☆.....☆.....☆

وہ کتنی دیر سے سمندر کے دلنشیں اور پر کیف نظاروں میں کھوئی ہوئی تھی۔ سمندر میں بنتی بگڑتی لہریں اس کے وجود میں ہونے والی ہلچل کی واضح ترجمان تھیں

یوں لگ رہا تھا کہ وقت دھیرے دھیرے تھمنے لگا ہو اور ٹھنڈی فضاؤں پر سر دھیرے دھیرے سے بدل رہا ہو۔

محبت کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ کوئی خاص سلسلہ نہیں ہوتا۔ ابتداء کی کوئی بھی کسی طور سے پلاننگ نہیں ہوتی۔ حدود و قیود اور پابندیوں کا پتہ نہیں ہوتا۔

یونہی بے ہنگم سے جذبات کے تحت وہ سوچتی چلی جارہی تھی۔ کتنے ہی پل بیت گئے مگر وجود میں ذرا سی جنبش بھی نہ ہو پائی تھی۔

محبت کو چاہتوں کے بند جزیروں میں مقید ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ چاہت سے تو محبت کی محض ابتداء ہوتی ہے۔ جس کی قید ناممکن ہے اور مشکل بھی۔ یہ ابتداء ہے انسانیت کی اور مقصد ہے تخلیق عشق! اسے کب اور کس وقت ہونا ہے یہ کوئی بھی طے نہیں کر سکتا۔

اس کے وجود کا ارتقاء تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ محبت اگر وجود کائنات کا مقصد ہے تو ہمیشہ رہے گا۔ پھر یہ کس طرح سے کسی بھی روپ میں موجود کیوں نہ ہو۔ اس کا وجود کسی لمحے بھی تخلیق میں آسکتا ہے۔ یہ تو محبت خود طے کرتی اسے کس سے کس طرح سے ہونا ہے۔ انسان تو بے بس ہے۔

دھیرے دھیرے جذبات انجانے رخ پر بہتے چلے جارہے تھے۔ تو اشکوں کو انوکھی سی طغیانی مل گئی تھی۔

وہ اشک جو کب سے بہنے کو بے قرار تھے۔ بہتے چلے گئے اور وجود کی تھکان میں اضافے کا باعث بنے تھے۔

برستی ہوئی آنکھوں کا نیا سیلاب امڈنے لگا تھا۔ تو دل و روح میں اضطراب جا گزیں ہوتا چلا گیا۔ دایاں ہاتھ رخسار پر دھرے وہ آنسوؤں کو بہتے محسوس کرنے لگی تھی۔ پھر آنسوؤں کو محسوس کرنے کے بعد وہ خود پر حیران ہی تو رہ گئی کہ وہ کیا سے کیا بن چلی تھی۔ اس جگہ پر آ کر رکنا تھا۔ کب پتہ تھا اسے۔ ایک نظر گردو پیش کے تنہا منظر پر ڈالی۔ وہ کب سے تنہا بیٹھی تھی۔ پاس ہر چیز ہی تنہا اور خاموش تھی۔ جیسے اس کے ساتھ ساتھ ماتم کر رہی ہوں۔ محبت کے وجود میں آنے کا ماتم!

محبت نہیں ہونی چاہیے ورنہ اپنا وجود کھو جاتا ہے۔ کچھ بھی اپنا نہیں رہتا۔ نہ ہی جذبات احساسات اور نہ ہی وجود۔ اپنی پہچان کھو جاتی ہے اور پھر طغیانیوں، بے بسیوں کا سفر مقدر ٹھہرتا ہے۔ تنہائی کے بادل، بے چینی کے گہرے آبشار، محبت کا سسکتا وجود گم ہوتا محسوس ہوتا ہے محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔''

وہ یکدم سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر سسکنے لگی۔ یہاں تک کہ بے خودی کی فضا اس کے گرد ڈیرہ جمانے لگی اور پھر رات کی سرخی پھیلنے کا احساس بھی نہ ہو سکا تھا۔ ماضی کی کئی یادیں دھیرے دھیرے دماغ میں سرسراتی محسوس ہوئیں۔

☆.....☆.....☆

''مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا ہے'' حالانکہ طلحہ بھائی سے اس نے شاپنگ کی فرمائش خود کی تھی وہ تھوڑا سا لیٹ ہوئے تو اریج نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔

exponovels

''آئی ایم سوری گڑیا! ٹریفک میں بری طرح سے پھنس کر رہ گیا تھا۔ او کے چلو، سوری کرتا ہوں۔'' وہ اسے منانے والے انداز میں گویا ہوئے مگر اریج ان کے گڑیا کہنے پر بری طرح مچل کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے ابھی تک بچی سمجھتے تھے اور بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے۔

''ڈونٹ کال می گڑیا آئی ایم ناٹ اے بے بی ناؤ'' دل کی بات بمشکل ہی سہی زبان پر آ ضرور رکی تھی۔ انہوں نے اس کے اس انداز پر بغور دیکھا۔ غصے میں وہ اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ سرخ و سپید رنگت، متناسب سا سراپا اور فیئنگ والا خوبصورت سا سوٹ، ساتھ ہی اسٹائلش بالوں کی کٹنگ اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہے تھے۔ مگر اریج آج بھی ان کے لئے وہی چھوٹی سی پیاری اور معصوم لڑکی تھی۔ جو وہ بچپن سے دیکھتے آرہے تھے۔ مگر انہوں نے یکدم سے بدلتی اریج کو محسوس ضرور کیا تھا۔ پھر اپنا خام خیال سمجھ کر سارے خیالات جھٹک دیئے۔

''تم آج بھی میرے لیے وہی چھوٹی اور پیاری سی کزن ہو۔ جو طلحہ بھائی کی رٹ لگائے ہوئے مجھ سے چاکلیٹ کی فرمائش کرتی تھیں''

انہوں نے سر جھکائے ہوئے کھڑی اریج کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ انہیں کیا کہتی کہ وہ انہیں بھائی نہیں سمجھتی اپنا مان، اپنی زندگی، اپنا بھروسہ سبھی کچھ ان کے نام کر چکی ہے وہ کیسے کہتی کہ آپ جس لڑکی کو بہت چھوٹا سمجھ کر اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں وہ کتنی بڑی ہو چکی ہے۔

ویسے بھی یہ عمر دھیرے دھیرے جو انسان کو میچورٹی کی طرف لے جاتی ہے ایک لڑکی خصوصاً تجربات کے مراحل سے گزر کر بہت کچھ سیکھتی چلی جاتی ہے۔ اسے بھی غصہ اس بات پر آتا تھا کہ طلحہ بھائی اسے خصوصی پروٹوکول صرف اور صرف اس لیے دیتے تھے کہ وہ آج بھی اس میں بچپن کے روپ کی جھلک دیکھتے تھے۔

ارے طلحہ! آگئے آپ اریج کب سے آپ کا ویٹ کر رہی تھی۔ خوب لڑائی ہوئی ہوگی نا۔'' روشین نے جیسے ۔ لاؤنج میں قدم رکھا دونوں کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔ طلحہ چپ چاپ ناراض سی کھڑی ۔ لڑکی کی جانب دیکھتے رہے۔

''اسے آج بہت ۔ کیوں آرہا ہے مجھ پر، تم کچھ جانتی ہو روشین۔''

طلحہ نے اس کے کان ۔ قریب آہستہ سے کہا اور اریج تیزی سے مڑتے ہوئے

سیڑھیاں عبور کرتی چلی گئی۔

دونوں ہی اپنی جگہ پر ساکت کھڑے رہ گئے۔ بات کوئی اتنی بڑی تو نہ تھی کہ اسے اس قدر بڑھا چڑھا کر ناراضگی کا مظاہرہ کیا جاتا۔ آج پہلی بار طلحہ کو اس کی یہ بات بری طرح سے کھلی تھی۔ مانا کہ وہ اس سے بہت پیار کرتا تھا۔ چھوٹی بہن سمجھ کر ہر خواہش پوری کرتا تھا مگر اس قدر بدتمیزی کی توقع ہرگز نہ تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے مجھے اسے منانا چاہیے؟ اب روشین کی جانب متوجہ ہو کر استفسار کیا۔

''ایز یو وش! ویسے وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔ سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر آپ کی طرف سے لاپروائی برداشت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ہوں!'' دھیرے سے سر جھکاتے ہوئے ''ہوں'' کہا اور اس ہوں میں بھی بہت سے خیالات پوشیدہ تھے۔

''خالہ کہاں ہیں روشی؟''

''مما، پاپا کے ساتھ پارٹی میں گئی ہیں۔ آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیے نا۔ میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔''

طلحہ جو اس وقت آفس سے سیدھا ہی یہاں آئے تھے۔ تھکان کی وجہ سے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی مگر موڈ آف ہو جانے کی وجہ سے بیٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا۔

''میں چلتا ہوں روشی! مما ویٹ کر رہی ہوں گی پھر آؤں گا۔'' وہ کہتے ہوئے گاڑی کی چابی اور موبائل وغیرہ میز پر سے اٹھاتے باہر کی طرف بڑھے۔

اریج نے ایسا کیوں بی ہیو کیا؟''

ایک ہی سوال دماغ کو کچوکے لگائے دے رہا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مڑ کر گیٹ کی جانب دیکھا اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆.....☆.....☆

مما! میں یہ پرپل کلر کی ساڑھی پہن لوں؟'' بیڈ پر طرح طرح کے ڈریسز بکھرے ہوئے تھے جو کہ مسز کمال اریج اور روشین کے لیے لے کر آئی تھیں۔ ان میں سے پرپل کلر کی ساڑھی جو کہ بے حد نفیس تھی اسے بے حد پسند آئی۔

exponovels

یہ سب تیاریاں طلحہ کی بہن ماریہ کی شادی کے لیے ہو رہی تھیں۔ اس کا کل شاپنگ کرنے کا مقصد بھی کوئی اسپیشل ڈریس خریدنا تھا جو کہ پورا نہ ہو سکا اسکے بعد طلحہ اوراس کے درمیان بات چیت نہ ہو سکی۔

اندر ہی اندر بے چینیوں کا گہرا سمندر موجزن تھا۔ کئی خیالات جذبات و احساسات روح میں اتراتر کے بے کلیوں کو دعوت دے رہے تھے۔

''تم ساڑھی پہنو گی مہندی کے فنکشن میں، بیٹا! تمہیں کوئی تجربہ بھی نہیں ہے۔ کین یو مینج ؟'' مما نے اس کے قریب آتے ہوئے پیار سے کہا۔

''جی مما! آئی کین مینج'' وہ سر کو پھر سے اٹھا نہیں سکی تھی۔

کیا کہتی وہ تو اس شخص کا دل جیتنا چاہتی تھی۔ وہ تو بس یہ چاہتی تھی کہ طلحہ داؤد اسے سراہے، اس کی تعریف کرے۔ وہ اس کے جذبات وہ احساسات کی آبیاری کرے مگر یہ کس حد تک ممکن تھا اسے اس بات کی بھی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ تو بس انجان رستوں کی مسافر تھی۔

اسے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان راہوں میں کانٹے کس قدر ہیں۔ کس حد تک اسے چلنا ہے۔ کس حد تک کانٹوں سے بدن کو زخمی ہونا ہے۔ محبت کا ہونا تو طے تھا مگر ان رستوں سے الفت کے آگے کی حدیں اسے کب معلوم تھیں

مما نے اسے ساڑھی پہننے کی پرمیشن دے دی تو خوشی روح وبدن میں سرائیت کرتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار اس شخص کیلئے تیار ہو رہی تھی۔

''وہ اسے سراہے گا۔

وہ اسے دیکھے گا تو شاید نگاہیں ساکت بھی ہو جائیں۔ یہ وجود یہ سراپا سبھی کچھ اسی کا تو تھا۔ وہ ذرا کی دیر التفات محبت تو کرتا پھر.....!

اوہ ..... وہ کن سوچوں کی ہمسفر ہوئی تھی۔ روشین نے اس کے چہرے پر بکھرے دھنک رنگ بغور دیکھے تھے۔ وہ چاہ کر بھی ان دھنگ رنگوں کی چاشنی کا پتا نہ لگا سکی تھی۔

سامنے ارتیج کمال کھڑی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن مگر وہ اب چھوٹی کب رہی تھی۔

یہ وقت بے وقت کی مسکراہٹیں۔ یہ لمحے لمحے میں کھو جانا۔ یہ جنوں خیزی ہنسی جو وہ اپنے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے وا کرتی تھی

''ارتیج! ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ تیار نہیں ہونا'' روشین نے ساڑھی کے رنگ میں کھوئی ارتیج کو کہا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھنے لگی۔ روشین نے اس کی کیفیت کو محض ارتیج کی معصومیت اور شوق ہی سمجھا تھا۔

سر جھٹک کر مما کی جانب متوجہ ہوئی جو کہ الماری میں سوٹ ہینگ کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

مہندی کا فنکشن ''ریاض ہاؤس'' میں ہی ارتیج کیا گیا تھا۔

کمال صاحب تو بزنس کی ڈھیروں ڈھیر مصروفیت کی وجہ سے نہ آسکے تھے مگر ارتیج، روشین اور مسز کمال وقت سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے پل بھر کو قدم ڈگمگانے ضرور لگے تھے۔ مگر وہ یکدم سے سنبھلی تھی۔ لوگوں کی بے انتہا گیدرنگ اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ چل نہیں پائے گی۔ قدم ساکت ہو جائیں گے اور وہ.....وہ.....یہیں پر کھڑی رہ جائے گی۔

طلحہ سے ناراضگی بدستور قائم ودائم تھی۔ وہ نازک سا سراپا بے حد دلکش انداز لیے دھیرے دھیرے چلتا ہوا آخر کار گیٹ سے اندر داخل ہو ہی گیا۔ آنٹی انہیں دیکھتے ہی ان کی جانب لپکی تھیں۔ مما اور روشین سے ملنے کے بعد وہ اسے ملنے کے لیے بڑھیں۔ تو بے ساختہ مسکرا اٹھی تھیں۔

''طاہرہ! ہماری ارتیج تو بہت بڑی اور پیاری ہو گئی ہے۔ میری جان آج سب سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہے۔''

آنٹی نے اس کے گال پر بوسہ دیتے خود سے لگا کر ڈھیروں پیار کر ڈالا تھا۔

وہ خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ شرم سے پلکیں جو جھکی تو اٹھ نہ سکیں

''طلحہ بھائی کہاں ہیں آنٹی! نظر نہیں آرہے'' روشین نے ذرا کی ذرا ان میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ پھر آنٹی انہیں لے کر اس جانب چلی آئیں جہاں ماریہ کو مہندی لگانے کا انتظام ہونا تھا۔

''طلحہ کے بزنس پارٹنرز آئے ہوئے ہیں۔ ان کی مسز اور فیملی تو ان کو کمپنی دینے میں مگن ہے تم آؤ نا ماریہ کب سے تم لوگوں کا پوچھ رہی ہے۔ میں ذرا طاہرہ کے ساتھ گپ شپ لگالوں''

exponovels

آنٹی مما کا ہاتھ تھامتے ہوئے خواتین کی گیدرنگ کی جانب بڑھ گئیں اور وہ چپ چاپ روشین کے ساتھ ماریہ کی جانب چلی آئی جو کہ ابٹن کے پیلے سوٹ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ان سے ملنے لگی۔

"بہت جلدی آ گئے آپ دونوں، ابھی بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔" ماریہ نے پیار بھرا شکوہ کیا۔ "تم اب ہماری نہیں ان کی فکر کرو، وہ نظر آ جائیں تو ہمیں بھی بھول جاؤ گی۔" روشین نے مسکرا کر دوبدو جواب دیا۔

"جی نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو اپنے ہوں گے نا، تم لوگ تو کبھی کبھی ملا کرو گے۔" ماریہ اداسی سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"اچھا، اچھا بس، رہنے دو۔ تم سسرال تو پہنچو، روز تمہیں تنگ کرنے آ جایا کریں گے۔ مینج کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

ان کی گفتگو میں اریج محض چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ وہ ابھی تک نظر نہیں آئے تھے جن کی خاطر اریج نے اس قدر اہتمام کر رکھا تھا۔

"وہ سامنے آئے تو زمین و آسمان سا کیوں تھم جانے لگتا ہے۔

اس سے ملاقات کیسے ہوگی؟

ہوگی بھی یا نہیں...... اگر ہوئی تو وہی رسمی سالمحہ عام سی گفتگو وہ اس کی کیفیت جان کیوں نہیں لیتے۔"

وہ اس قدر سوچوں میں گم تھی کہ وہ شخص چلتا ہوا بہت قریب بیٹھ گیا۔ تو بھی اسے خبر نہ ہوئی۔

"ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟" قریب ہی وہ شیریں لہجہ گونجا تو حواس جاں معطر ہوتے چلے گئے۔ وہ چونک کر سر اٹھائے طلحہ کی جانب دیکھنے لگی بے اختیاری میں سر نفی میں ہلتا چلا گیا۔

"دیکھا روشی! میں نے کہا تھا نا میری گڑیا مجھ سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتی۔ چلو اریج میں تمہیں اپنے گیسٹ سے ملواتا ہوں۔"

وہی عام سا اور سادہ سا لہجہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا مگر اب جب اس کی اٹھنے کی باری تھی تو لمحے یکدم سے سکوت سے آشنا ہوتے چلے گئے۔ وہ اس

کے ساتھ چلنے کی خواہاں تھی تو چلنے کا وقت بھی آ گیا مگر قدم تھے کہ آگے بڑھ نہ پائے تھے۔

"اٹھو ریج!" دیر نہیں کرو مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں"

طلحہ کا مسکراتا لہجہ اس کے اندر ہلچل سا مچاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ خود ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانے کی سعی کر رہا تھا۔

مگر اتنا بھی برداشت نہ ہو سکا۔

"میں خود اٹھ جاؤں گی۔ ڈونٹ وری" ہلکا سا کہہ کر ساڑھی کا پلو سائیڈ پر سے پکڑتے ہوئے وہ اس کے شانہ بشانہ کھڑی ہوئی تھی۔

بس ایک ہی نگاہ دشماں اس پر پڑی تھی۔ طلحہ نے اسے یوں سج دھج کے ساتھ پہلی بار تو نہیں دیکھا تھا۔ مگر آج کوئی تو خاص لمحہ تھا کہ وہ ساکت نگاہوں سے دیکھتا چلا گیا۔ شاید وہ اس کے اس انداز پر جو کہ گریز پا لیے ہوئے تھا، سے حیران ہوا تھا۔ وہ جو ہر ایک کی نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ کسی نگاہ کی آرزو نہ کی تھی۔ محض طلحہ کے۔

اس نے دیکھا بھی تو عام سے انداز سے۔

مگر آج یکدم اچانک سے ہی ہر انداز بدلہ تھا۔ اس کے وجود میں وہ یکدم سے ہی کھوتا چلا گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے اپنی سوچوں سے فرار چاہتے ہوئے وہ مڑا اور آگے کی جانب بڑھ گیا۔ اریج سے سب کو ملواتے ہوئے بھی حواس عجب ہی لے پر چل نکلے تھے۔ یہ کیفیت بے چینی کی تھی بے قراری کی کیفیت!

اس نے اریج کمال کی شکوہ کناں نگاہوں کی زبان پڑھ ڈالی تھی۔ وہ ان نظروں کی بے تابیوں کو کیسے جان پایا تھا

نہیں وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس نے تو کبھی ایسا کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

پھر...... پھر کیوں...... اریج اس کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ کیوں اس سے توقعات وابستہ کرتی چلی گئی۔ وہ تو اسے ہمیشہ بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا

اب بھی تو انداز وہی تھا مگر نگاہوں کی زبان کیسے پڑھ ڈالی؟

آنٹی نے اریج اور طلحہ کو ساتھ ساتھ آتا دیکھ کر چپکے سے کوئی دعا کر ڈالی تھی۔

اریج پر بناؤ سنگار اور ساڑھی بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ کٹنگ کیے ہوئے بال پشت

exponovels

پر نکھرے تھے

''اریج بیٹا! چلو میرے ساتھ کچن میں طلحہ کے گیسٹ کیلئے کچھ چائے وائے کا انتظام کرلیں۔'' وہ اسے ساتھ لیے کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ جب کہ طلحہ اپنے دوستوں کی جانب۔

کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا یہ بے چینی کیوں ہونے لگی تھی۔ اسے خود سے شرم محسوس ہو رہی تھی جس لڑکی کو وہ اپنی بہن سے بڑھ کر چاہتا تھا۔ اس کے بارے میں ایسا سوچنا، بلا شبہ وہ گناہ ہی تصور کرسکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ آنٹی کے ساتھ کچن میں آنے کے بعد ان کی ہیلپ کروانے لگی۔ بال جو پشت پر بکھرے تھے پہلے سے ہی سمیٹ لیے وہ موسم چونکہ سردیوں کا تھا سو کچن میں کام کرنے سے کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔

ویسے بھی اسے اس جگہ آنٹی کے ساتھ کام کرتے ہوئے عجب سی سرشاری ہو رہی تھی۔ آنٹی اسے تاکید کرتے ہوئے باہر کے انتظامات سنبھالنے چلی گئیں۔ پھر اکلوتی بیٹی کی شادی تھی۔ کسی قسم کی کمی کا رسک وہ نہیں لے سکتی تھی۔

آپ ایک بار نگاہ غلط ڈال کر دیکھیے تو طلحہ! محض ایک بار۔ اس پاگل لڑکی کے جذبات سے آشنا تو ہوتے۔ یہ تو محسوس کرتے کہ دن رات میں کس آگ میں جھلس رہی ہوں چلو اگر محبت ہو ہی گئی تھی تو کچھ ایسا کرتے کہ مجھے قرار آجاتا۔ ٹھکرا ہی دیتے کہ سسکنے لگتی۔ خود سے پیار کرنے سے روک ہی دیتے طلحہ۔ میں آپ کی طرف بڑھ نہ پاتی۔ یہ کیا آپ کو تو ان طغیانیوں کا علم ہی نہیں۔ میری محبت سے واقفیت ہی نہیں۔

بے اختیار ہی چائے تھرمس میں ڈالتے ہوئے اشکوں کا گہرا سیلاب امڈ آیا تھا۔

وہ اسی بے خودی میں اپنا کام مکمل کر کے مڑی تو دروازے میں کھڑے طلحہ ریاض کو دیکھ کر ساکن رہ گئی۔

دل کی دھڑکنیں عجب ہی تان پر دھڑکنا شروع ہوئی تھیں

وہ اس طرح سے پیچھے آن کھڑے ہوئے کہ پتا بھی نہ چل سکا۔ اور پھر طلحہ اسے روتا دیکھ کر کچھ نہ سمجھ پایا۔ کچھ کہنے کو، کچھ پتا ہونا بھی ضروری تھا وہ کیا کہتا اسے پتا ہی کیا تھا۔

مگر یہ طغیانیوں، یہ بے چینیاں وہ کئی دنوں سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا

تھا کہ اریج کو کسی بھی طرح کا پوز یٹو رزلٹ دے۔

''ارے تم نے ابھی تک چائے نہیں بنائی اور تمہیں چائے بنانے کا کس نے کہہ دیا؟ یہ نازک سے ہاتھ کام کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ چلو تم کچن سے، مما خود ہی دیکھ لیں گی۔'' طلحہ کے انداز سے ذرا بھی پتہ نہ چل سکا کہ وہ اس کے اندر کی کیفیت جان چکا ہے۔

''میں نے بنالی ہے طلحہ! آپ یہ دیکھیں''

اس نے بے خودی میں مڑتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ بھائی لگانے کی زحمت سے بھی محروم رہی۔ تو طلحہ نے اسے چونک کر یکدم سے دیکھا۔

وہ جو طلحہ بھائی کہتے نہ تھکتی۔ آج اس دوراہے پر آن کھڑی تھی۔ اس قدر ہمت اس کے وجود میں آگئی تھی۔ کہ بھائی کا لفظ لگانا ضروری نہ سمجھا تھا۔

''او کے بنالی ہے تو میں جلال سے کہہ کر سرو کرواتا ہوں۔ تم تو نکلو یہاں سے اپنی ساری تیاری کا بیڑا ہی غرق کرلیا۔''

وہ ہاتھ پکڑ کر اسے لے کر کچن سے باہر نکل آیا تھا۔ اور پھر خود وہاں کھڑا ہونے کے بجائے ہجوم میں ہی کہیں گم ہوگیا۔ جب کہ اریج اس کے حصار کی سرمست سی کیفیت میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ بائیں ہاتھ پر اس کا ہاتھ ابھی ہی تو ٹھہرا تھا۔

''تم اس طرح سے کیوں کھڑی ہو۔ چلو بیٹا باہر لان میں چلو۔ میں مہمانوں کو چائے شروع کرواتی ہوں اور ہاں میرے روم میں جا کر فریش ہو جاؤ۔'' آنٹی اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گئیں

وہ بالکل بے جان مورتی کی مانند آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔

یہ کس طرح کا دور آن کھڑا ہے.....

کس طرح کی ہوائیں چلنے لگی تھیں.....

بس اس کی یادیں.....

اسی کی سوچیں.....

بے خودی بے خودی تھی.....

تشنگی کا گہرا سمندر.....

اسے کچھ خبر نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ آنٹی کے روم کا دروازہ جھٹکے سے کھولے دہلیز

exponovels

پر کھڑی تھی اور اگلے ہی لمحے دروازہ لاک کر کے وہ تیزی سے بیڈ پر گری تھی۔ اور کچھ ہی دیر میں آنسو بہا دیئے تھے۔

جی چاہا کہ اپنے حلیے کا ستیاناس کر دے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر سارا زیور تیزی سے اتارا تھا۔ پھر چوڑیاں کنگن کے بعد ہونٹوں پر سجی لپ اسٹک بھی کھرچ ڈالی۔ بالوں کا بھی الگ برا حال کر دیا تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس ہی روتے روتے بیٹھتی چلی گئی۔ جب اس شخص نے دیکھ کر سراہا تک نہیں تو اس روپ کا کیا فائدہ؟

''محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ہاں طلحہ محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ یہ لڑکی خود کو بے مول کر بیٹھی ہے پاگل ہو چکی ہے کچھ سجھائی نہیں دیتا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بے خودی ہی بے خودی کیوں؟ تشنگی، یاس، پیاس......؟''

وہ گود میں سر دیئے بے طرح سے سسک پڑی۔

''کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اریج کمال، کیوں کس لیے؟''

قریب ہی سے آواز آئی تو وہ ایک جھٹکے سے سر اٹھائے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ اس طرح سے روم میں موجود ہوں گے۔ یہ سوچا تک نہ تھا وہ یقیناً واش روم کی جانب سے باہر آئے تھے اور اسے اس حلیے میں دیکھ کر کیا سوچتے ہوں گے۔

''میں پیاسی ہوں طلحہ! بے مول ہو چکی ہوں میں مر رہی ہوں۔ آپ کے لیے آپ کی محبتوں کے حصول کے لیے۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ میں تڑپ رہی ہوں طلحہ۔''

وہ یکدم سے جھکی تھی اور اگلے ہی لمحے دو مضبوط بازو اس کے لیے وا ہو چلے تھے۔

دو مضبوط بازوؤں نے اسے اپنے حصار میں لے کر سہارا دیا تھا۔

حالانکہ دل و روح یکدم سے گھستی آندھیوں سے پریشان ہوا تھا۔ بے تاب ہو اٹھا تھا۔ وہ اس پاگل لڑکی کی بے تابیوں پر بہت حیران تھا۔ وہ اس کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ آئی تھی پتا بھی نہ چل سکا۔ وہ اس بکھرے ہوئے وجود کو سنبھالتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ خود بھی اس وجود سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے طلحہ کو جیسے ویران کیا تھا۔

اریج بالکل اس پوزیشن میں نہ تھی کہ کوئی اسے دیکھ سکتا۔

''اریج! اٹھو اریج ہوش میں آؤ'' طلحہ نے اس کے گال تھپتھپائے تھے۔ وہ آج محض اس کی وجہ سے بہت مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔

کیا کرنا چاہیے اسے حقیقتاً اس لمحے اپنی اور اریج کی ریپوٹیشن کی فکر تھی۔

دروازے پر ہنوز دستک ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ تنگ آ کر اسے جھنجھوڑے گیا مگر وہ خود سے ہی بیگانہ نہ جانے کن سوچوں میں کھو چکی تھی۔

آخر وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا اور لاک کھول کر سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے طلحہ بھائی! آپ...... وہ میں اریج کو تلاش کر رہی تھی۔ نہ جانے کب کہاں رہ گئی ہے۔ آپ نے تو کہیں نہیں دیکھا؟''

طلحہ اس طرح سے دروازے پر جم کر کھڑا تھا کہ روشین کمرے کے اندر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''نہیں میں نے نہیں دیکھا'' اس وقت مصلحتاً جھوٹ بولنا پڑا

''او کے، وہاں باہر ماریہ کو مہندی لگ رہی ہے۔ سسرال والے بھی آ چکے ہیں۔ اریج کو بہت شوق تھا دولہا بھائی کو دیکھنے کا، او کے میں اسے دیکھتی ہوں۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی باہر دروازے سے ہٹ گئی۔

طلحہ کا غصہ اس وقت ساتویں آسمان کو چھونے کو بے قرار تھا۔ وہ دروازہ لاک کر کے جھٹکے سے مڑا۔ اسے بازو سے پکڑ کر سامنے آن کھڑا کیا۔

''کیوں اریج کمال کیوں کر رہی ہو یہ سب ہوش میں آؤ۔ اس سے پہلے کہ میں ہوش کھو دوں۔'' وہ اس کی بات پر سر اٹھائے دیکھتی چلی گئی۔ آنکھیں غصے سے خون برسا رہی تھیں۔ قہر و غضب کی یہ کیفیت بلاشبہ عجب تر تھی۔

طلحہ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھے اور اسے پانچ منٹ تک نیچے آنے کے لیے کہا۔ وہ جیسے ہوش کی دنیا میں پھر سے لوٹ آئی تھی اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ محض پانچ منٹ کے اندر اندر پھر سے اپنا حلیہ ٹھیک کر کے نیچے چلی آئی۔ اب تو نگاہیں شرم سے جھکی جا رہی تھیں۔ نہ تو اسے روشین کے بولنے کا خیال رہا محض بودی سی دلیل دے سکی کہ واش روم میں تھی۔

''آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔ جب سے فنکشن

exponovels

میں آئی ہو چپ چاپ ہو۔ کیوں بولو؟

روشین نے گھر کا تو آنٹی قریب آ کر بولیں

''ارے ارتج! نے چائے تو کمال کی بنائی تھی۔ سبھی کو پسند آئی۔ مجھے تو لگتا ہے اپنی ارتج کو کسی کی نظر لگ گئی ہے تبھی تو اُترا اُترا سا چہرہ ہے'' آنٹی نے اسے خود سے لگا کر کہا۔ وہ محض مسکرا ہی سکی۔

جیسے تیسے مہندی کے فنکشن پر وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے بیٹھی رہی۔

پاپا اور انکل بھی لاسٹ میں فنکشن میں چلے آئے، گیدرنگ کی وجہ سے اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی مگر طلحہ نہ تو اس کے سامنے آیا تھا نہ ہی اس نے آنے کی کوشش کی تھی وہ بھی شرمساری اپنے جذبات کے یوں وا ہونے پر پریشان بیٹھی رہی مگر دل سے ایک بوجھ ضرور ہٹا تھا۔ کہ طلحہ اس کے جذبات سے آشنا ہو چکے ہیں

لیکن اب وہ زندگی میں کبھی بھی طلحہ کا سامنا کیسے کرے گی

یہ سوچ سوچ کر پاگل ہوتی چلی جا رہی تھی

☆.....☆.....☆

آئی دل ناٹ گو۔''

''کیا کہا؟ تم ماریہ کی شادی میں نہیں جاؤ گی۔ بٹ وائے؟ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ تمہارے آنٹی اور انکل کیا سوچیں گے۔'' مما نے اس کی بات پر کافی گھر کا

''مما! میں وہاں نہیں جانے والی۔ مجھے بوریت ہوتی ہے گیدرنگ میں۔ ویسے بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے'' کہہ کر کمبل منہ تک اوڑھ لیا اور طاہرہ بیگم اسکی ضد کے آگے مجبور ہو کر واپس مڑ گئیں

مجھے پیار کرو جاناں

میری مانگ بھرو جاناں

میں تو لمحوں لمحوں کی

مسافتوں میں

تھکن زدہ تراوٹوں میں

کھوئی ہوئی رہتی ہوں

بے بسی میری ہمسفر ہے

بے چینی بھی ہمقدم ہے

تم کوئی جام بھرو جاناں

مجھے پیار کرو جاناں

کچھ دیر پاس رکو نا

برکھارت میں بھیگو تو

مجھے چاہتیں دان کرو

پل پل آہٹیں شمار کرو

میری محبتوں کو امر کرو جاناں

میری مانگ بھرو جاناں

مجھے پیار کرو جاناں

تم تو ساحلوں کی مدہم سی

سرگوشی ہو

میں بہتا رخ کا پانی ہوں

کبھی میرے سنگ بھی چلو نا

میری مانگ کبھی تو بھرو نا

رات کی گہری خاموشی میں

آہٹ بن کر آنا تم

بیتے ہوئے پلوں سے کچھ

سرگوشیاں چرانا تم

میری انگ انگ میں بسو نا

مجھے پیار کرو جاناں

میری مانگ بھرو جاناں

میں کب سے ہوں منتظر جاں

کسی شام کو یہاں رکو ناں

exponovels

میری چاہتوں کو امر کرو ناں

مجھے پیار کرو جاناں

میری مانگ بھرو جاناں!

لیٹے لیٹے کتنے ہی پل گزر گئے۔ وہ محبتوں کی پرسکون وادیوں میں جاٹھہری تھی۔ جہاں پھولوں کی خوشبو تھی۔ کلیوں کی مہک ساون رت پر بہتی برکھا، بھیگی بھیگی سی پھوار کا موسم، کانٹوں سے بہت دور۔

یہ محبت کی وہ تخیلاتی دنیا تھی۔ جسے وہ ہر لمحے تراشتی رہتی تھی۔ جس کی وہ ہر لمحے منتظر رہتی تھی۔ جب کوئی محبت کرتا ہے تو یہ نہیں سوچتا وہ کون ہے، کیا ہے؟ وہ تو بس محبت کے تخیل کی رُخ پر بہتا چلا جاتا ہے۔ اسے محبت مہکاتی چلی جاتی ہے اور وہ شخص خود کو محبت کے سپرد کیے بے خودی کا ہمسفر ہو جاتا ہے۔ وہ بھی تو کوئی عام اور ناپختہ سوچ کی لڑکی نہیں تھی۔ مگر وہ میچورٹی کی تمام ان حدوں کو چھو کر بھی نہیں گذرا تھی۔ جن پر سے طلحہ ریاض گزار تھا وہ خود کب جانتی تھی کہ لمحوں میں کچھ لمحے اسے بے وقعت کر دینے کو بھی ہوں گے۔ پھر اب جب طلحہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکے تھے۔ اسے اپنے وجود پر بے حد غصہ آرہا تھا بس نہ چلتا کہ خود کو ختم کر دیتی۔

اپنی ہی سوچوں میں گم اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ سب لوگ جا چکے ہیں۔ بس گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ہی سن پائی تھی۔

''کیوں کیا اس نے خود کو بے مول۔ طلحہ کی نظر میں اس کی کیا امیج بنی ہوئی ہو گی۔ کیا اہمیت رہی ہوگی؟ وہ اس سے کس قدر نفرت کرنے لگیں گے......

بس یہی سوچ سوچ کر دماغ خراب ہوئے چلا جا رہا تھا۔ تنگ آ کر وہ کمبل کو جھٹک کر اٹھی اور واش روم سے فریش ہونے کے بعد ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی۔ ٹی وی آن کرتے ہی اپنی پسندیدہ مووی دیکھتے ہوئے وہ اپنی سوچوں کو جھٹکنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

''مہراں بی بی'' وہ ملازمہ کو آواز دے کر پھر سے ٹی وی میں مگن ہو گئی۔ ملازمہ کے آنے پر اسے کچھ کھانے کے لئے لانے کو کہا۔'' مجھے بھوک لگی ہے مہراں بی بی! آپ یوں کیوں کھڑی ہیں۔ جو کچھ بھی ہو لے آئیں۔''

''وہ بی بی جی! میں نے تو آج کھانا نہیں بنایا۔''

''واٹ دماغ خراب ہے آپ کا، مما کو پتا نہیں تھا۔ میں گھر پہ ہوں اور وہ خود جا رہی تھیں۔ تو آپ کو کہہ کر تو جاتیں۔'' وہ حقیقتاً بھوک سے بلبلا اٹھی۔

''کسی کو میری فکر نہیں۔ سبھی چلے گئے چھوڑ کر، اب مجھے بھوکا ہی رہنا ہو گا۔'' آنسو جیسے بات بات پر نکلنے کے عادی ہو گئے تھے۔ وہ صوفے پر کشن کے سہارے لیٹی مووی دیکھنے میں مگن تھی۔ جب ڈور بیل بہت تیزی سے بجی۔

ملازمہ نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آنے والی ہستی کو دیکھنے کی قطعاً شوقین نہ تھی۔ سو لیٹے ہوئے اپنے کام میں ہنوز مگن رہی۔

''تم ایسا کیوں کر رہی ہو ارتج؟'' طلحہ کی آواز پر وہ یکدم سے سیدھی ہوئی۔

اس پل وہ آسمانی کلفدار سوٹ کے ساتھ پشاوری چپل پہنے بہت ہی ہینڈسم اور اسمارٹ لگ رہے تھے۔ نگاہیں ان کے خوب صورت سراپے سے الجھی تو ہٹ نہ سکیں مگر پھر اسے ان نگاہوں کو سمیٹنا پڑا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' وہ قریب پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ انداز تھوڑا سخت تھا۔

''میں...... میں نے کیا کیا ہے؟''

''جب میں......''

''یہی تو مسئلہ ہے تمہارا کچھ نہ کرتے ہوئے بھی بہت کچھ کر جاتی ہو۔ خیر تم اب ماسٹرز کمپلیٹ کر چکی ہو آگے کیا کرنے کے ارادے ہیں؟'' یہ کوئی وقت تھا ان باتوں کا مگر طلحہ صاحب کو کون روکے۔

''مجھے کچھ نہیں کرنا۔''

''مگر میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ کرو'' انداز کافی پر وقار اور ذومعنی تھا۔ وہ ٹھٹھک کر دیکھنے لگی

''میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا ٹیلنٹ اور اپنی ذہانت، فضول کاموں میں ضائع مت کرو۔ پاپا کے ساتھ ان کا بزنس سنبھالو۔ یہ ان کی خواہش ہے۔''

''اور آپ کی خواہش؟'' وہ نہ پوچھ سکی کہ'' اے اچھے اور خوبصورت انسان مجھے لے کر تم کیا سوچتے ہو تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو تم میرے بارے میں کیا رائے رکھتے

ہو؟'' وہ سر جھکائے ان کی بات سن رہی تھی۔

''دیکھو ارتج! ابھی تم بہت چھوٹی ہو بلکہ مجھ سے پورے آٹھ سال چھوٹی ہو۔ یہ فرق ہمیشہ سامنے رکھا کرو۔ واضح رہے کہ تمہاری سوچیں، تمہاری فیلنگز مجھے کچھ بھی غلط کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔'' لگتا تھا آج وہ صاف صاف اور واضح بات کرنے کے موڈ میں تھے۔

''آپ میرے اموشنز اور میری فیلنگز کی توہین کر رہے ہیں طلحہ صاحب یو آر انسلٹنگ می۔'' وہ بمشکل کہہ سکی۔

''واٹ نان سینس، طلحہ کے ساتھ بھائی لگایا کرو تم مجھ سے کل بھی چھوٹی تھیں اور آج بھی چھوٹی ہی رہو گی ان سب بکواس سے کچھ نہیں ہونے والا۔ او کے، ناؤ گیٹ اپ۔ اٹھو اور چلو میرے ساتھ سب تمہارا ویٹ کر رہے ہیں''

''نہیں مجھے آپ کے گھر نہیں جانا، نہیں جانا وہاں جہاں آپ.....''

''شٹ اپ ارتج! کیا ہوگیا ہے تمہیں تم ہمارے رشتے پر یہ وہمہ کیوں لگانے چلی ہو۔ تم کل بھی جتنی عزیز تھیں آج بھی اتنی ہی عزیز ہو مگر وہ رشتہ قطعاً نہیں، یاد رکھنا'' وہ مشتعل ہو کر اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''کیوں..... کیوں آپ مجھ سے وہ رشتہ نہیں بنا سکتے، کیا وجہ ہے طلحہ! آپ مجھے بتایئے میں کیوں آپ کی بیوی نہیں بن سکتی۔ مجھے آپ کی بیوی بننا ہے۔ ہاں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں میں۔ دین وائے یو کانٹ انڈر اسٹینڈ؟'' طلحہ کا ہاتھ بے اختیار ہی اٹھا تھا اور وہ تھپڑ اس قدر زور کا تھا کہ ارتج اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ صوفے پر گری تھی۔

وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتے ہوئے چلے گئے اور وہ بری طرح سے رو دی۔ وہ آہستہ آہستہ اس سے دور جا رہے تھے۔ اسے روتا چھوڑ کر مگر وہ کچھ بھی تو نہ کرسکی۔ کچھ بھی تو نہ کہہ سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ محبت ہے ہمدم
گہری محبت
یہاں رشتوں کا ایک نیا
سلسلہ چلتا ہے

پیار کو نیا راستہ ملتا ہے
یہاں عمر کی قید کیسی
یہاں لمحوں کی خبر کیونکر
یہ محبت ہے ہمدم
جو دلوں کو معطر رکھتی ہے
تشکر کے پل تسخیر کرتی ہے
دو دلوں کو قریب لا کر
انہیں آب و گیر کرتی ہے
تم کیا سمجھو گے؟
یہاں پر میں اور تم کون ہیں؟
یہاں تو بس روحوں کی حکمرانی ہے
پیار کی بہتی ہوئی کہانی ہے
یہ محبت ہے ہمدم
گہری محبت
بے انتہاؤں کے بناء
حدوں سے ہٹ کر
پابندیوں سے پرے!
یہ محبت ہے ہمقدم گہری محبت!

☆.....☆.....☆

ماریہ کی شادی کا سلسلہ ختم ہوا تو پاپا نے اسے خود بزنس جوائن کرنے کو کہا تھا۔ وہ یوں بھی گھر رہ رہ کر بور ہوگئی تھی مگر وہ بابا کے ساتھ آفس کیسے جائے۔ ابھی تو وہ بزنس کی الف ب سے بھی واقف نہیں تھی۔

اس نے یہ عذر بابا کے سامنے پیش کیا کہ وہ کچھ کورس وغیرہ کر لے فراغت میں کرنے کو اور بھی بہت کچھ تھا۔ تبھی انکل ریاض نے پاپا کو مشورہ دیا کہ وہ اگر بزنس سیکھنا چاہتی ہے تو طلحہ سے بہتر اسے کوئی بھی اچھی طرح سے گائیڈ نہیں کرسکتا۔

exponovels

طلحہ کا نام بابا کی زبان پر آتا دیکھ کر وہ پل بھر کے لیے مضطرب سی ہو گئی۔

''نہیں وہ اس شخص کے سامنے قطعاً نہیں جائے گی جس نے اسے پل بھر میں بے مول کر کے رکھ دیا۔''

یہی سوچتے سوچتے وہ تنہا گاڑی لے کر ساحل کے قریب آن بیٹھی تھی۔ جہاں وہ خود سے بے نیاز سوچتی چلی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ محبت کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ قطعاً نہیں۔

یہ بے مول کر دیتی ہے بے بس کر دیتی ہے رلاتے رلاتے وہ کسی خاص فیصلے پر پہنچی تھی۔

محبت میں صبر نہ ہو تو بے قراری اور بے چینی بڑھنے لگتی ہے۔ دکھ و یاس کی عجب سی کیفیت روح و بدن کے ہر ہر در و بام پر الجھنے لگتی ہے۔ محبت میں صبر آنا یقیناً بہت ہی خوبصورت فعل ہے۔ بے اعتباری کا دور دور سے گزر نہ ہو۔ اگر محبت ہے تو بس چپ چاپ محبوب کو چاہا جائے محبت کی پرستش کیے جاؤ۔ کیونکہ یہ امر ربی ہے۔ یہ فیصلہ تو اس نے کرنا ہے کہ کس کو کس کی اور کس قدر محبت دان کرنی ہے۔ پھر..... پھر انسان کون ہوتا ہے فیصلہ کرنے والا وہ بے اختیار ہے۔ تو اختیار کا موسم کیسے آئے۔ اگر محبت نے اس کی روح و بدن کے انگ انگ میں اترنا ہی ہے تو وہ اسے رو کے کیسے! اگر محبت کو ہونا ہی ہے تو محبت ہو کر رہتی ہے۔ جیسے کہ ارتج کمال کو ہوئی تھی اور اس قدر شدت سے ہوئی تھی کہ سارے فلسفے، سارے نظریۓ محبت کے جذبے کے آگے ہیچ ہو گئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ بے اختیار ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں کچھ بھی تو پتا نہیں۔ یہاں تک کہ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ تو سب سے پہلے اس کی پسند نہ پسند کا خیال آرہا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہوئے وہ مکمل طور پر اپنی ذات سے ہٹ کر گم ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

یوں کرو، میرے قریب آؤ
میں تمہیں چھو کر دیکھوں تو
تمہارے نقوش میں کھو جاؤں
چلو کچھ دیر پاس بیٹھو
میں تمہیں حال دل سناؤں

پیار کی وادی میں یوں گم ہو جاؤں
کہ تمہیں اپنا بھی
نہ ہوش رہے
ہر لمحے کی ساعت خاموش رہے
یوں کرو کچھ پل میرے نام کر دو
کچھ وقت سیراب کر دو
میں اس وقت کو آہٹوں میں سجا لوں
اور دھنک رنگوں میں
تمہارے لمس کو پلکوں پر بسا لوں
یوں کرو نا میرے ساتھ چلے چلو
مجھ پر پیار کی بارش کر دو
یوں کرو نا
کہ مجھے مجھ سے چرا لو
اور اپنا بنا لو!

لبوں پر دھیما سا تبسم بکھرا تھا۔

دھیرے دھیرے مسکراہٹیں ایک انوکھے جذبے سے سرشار ہو کر اس کے چہرے پر بکھرتی چلی گئی تھیں۔ وہ محبت کو پانے چلی تھی یا کھونے، یہ نہیں جانتی تھی، بس ایک قدم تھا جو وہ اٹھا رہی تھی۔ جیسے کاوشوں کا سمندر پار کرنا چاہ رہی ہو۔ جیسے دل و روح میں طوفان بھرنا چاہ رہی ہو۔ بس بے چینی نہیں تھی۔ خوشی تھی۔ اطمینان تھا اور سکون تھا۔

''محبت مل جائے تو کیا ہوگا؟'' چہرے پر الگ سا شوخ تبسم بکھرنے لگا۔

یہ سوال کافی قابل غور تھا کہ محبت مل جائے تو کیا ہوگا۔

''تمہیں پا لینا کیسا ہوگا طلحہ! تمہاری محبتوں کو برستا دیکھ کر کیسا لگے گا۔ وہ وقت کب آئے گا طلحہ جب میں محبت کو امر ہوتا دیکھوں گی۔'' پھر اگلے ہی لمحے سر کو جھٹکتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

طلحہ اپنے روم میں بیٹھے ہوئے فائلوں میں مکمل طور پر بزی تھے۔ جب وہ ہمت

epanovels

کر کے دروازہ ناک کر گئی۔

''کم آن'' کی آواز بہت ہی آہستہ سے سنائی دی تھی۔

ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا اور چلتی ہوئی سامنے آن کی۔ طلحہ نے کافی مصروف انداز میں اس کی جانب دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ کام میں مگن ہو گیا۔ وہ بالکل حکم کے مطابق چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

اسے بیٹھے بیٹھے تقریباً پندرہ منٹ ہو گئے تھے مگر طلحہ کام میں اس قدر بزی تھے کہ اس کا بیٹھنا نہ بیٹھنا جیسے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا تھا یا وہ اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہے تھے وہ چپ چاپ اس کی جانب دیکھنے لگی کہ جو سوٹڈ بوٹڈ اپنی ذات سے بھی بے خبر فائلوں میں محو تھے۔

''تمہیں کیا معلوم اے اچھے انسان! تم میرے لیے کیا ہو۔ تم جو تنہا تنہا رہتے ہو میں تمہیں مکمل کرنے کی آرزو کرتی ہوں۔ تمہیں مکمل کرنا چاہتی ہوں'' دل ہی دل میں انوکھی سی خواہش جاگی۔ وہ ابھی مزید اس کی جانب دیکھتی رہتی مگر طلحہ نے یکدم سے سر اٹھا کر اس کی محویت کو بے طرح سے گم کیا تھا۔ وہ تیزی سے نگاہیں جھکا گئی۔

''جی مس ارتیج! کیسے آنا ہوا؟'' اس کا لہجہ اور انداز اسے کھولائے دینے کے لیے کافی تھا۔

''کیا مطلب آپ کا کیسے آنا ہوا؟''

انکل نے آپ سے بات نہیں کی۔ آپ مجھے بزنس کے رولز اینڈ ریگولیشن سکھائیں گے اس لیے میں یہاں آئی ہوں۔

وہ طلحہ کے سامنے بولنے کی جرات کبھی نہ کرتی مگر اسے حقیقتاً یہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ جانتی تھی وہ اسے اگنور کرنے کی ہر حد پار کرنے کے مجاز ہیں

''کہاں تک چلو گی۔ کب تک اس طرح سے بہانے تلاش کر کے میرے قریب آنے کی کوشش کرو گی کب تک؟''

''جب تک آپ مل نہیں جاتے''

اس کے اس طرح سے جواب دینے پر طلحہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر اپنی سیٹ سے اٹھتا ہوا وہ قریب ہی آن رکا۔

''جانتی ہو مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جب تم مجھے اس انداز سے سوچتی ہو۔ اس

انداز سے دیکھتی ہو۔ بچپن سے لے کر اب تک تمہارے منہ سے بھائی سنا ہے میں نے۔ تمہیں یہ سب زیب نہیں دیتا ارتیج! مجھے ہرٹ مت کیا کرو'' وہ جیسے بہت ہی شکستہ لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔

''آپ بھی مجھے ہرٹ نہ کیا کریں طلحہ! میں آپ کی لاپروائی سے بے توجہی سے بہت ہرٹ ہوتی ہوں میرے اموشنز کو بے مول مت کیا کریں۔'' وہ ابھی تک بدستور اسی بات پر اڑی تھی۔

''یہ جذبات و احساسات کسی اور کے لیے بچا رکھو۔ مجھ سے ایسی نہ تو کوئی توقع رکھنا نہ ہی میں تمہارے ان احساسات کی آبیاری کروں گا۔ انڈر اسٹینڈ'' ہاتھ میز کی پشت مارتے ہوئے وہ بہت تیزی سے بولا۔

''کب تک طلحہ! کب تک آپ مجھے اگنور کریں گے؟ آخر تو آپ کو میری طرف لوٹنا ہو گا اور اس مقصد کے لیے کچھ بھی کروں گی۔ کچھ بھی۔'' وہ نازک سی لڑکی اور یہ جذبہ یہ احساس پل بھر کے لیے تو طلحہ بے سدھ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ محبت نے اسے اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ وہ اس طرح بہادری سے اپنی محبت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں واضح چمک تھی جیسے وہ کچھ بھی کر دینے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ جیسے اس کو پا لینے کی خاطر کچھ بھی کر دینے پر قادر تھی۔ وہ پھر سے دوبارہ اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئے اور فون اٹھا کر سیکرٹری کو اندر بلایا تھا۔

''جمنہ! آپ انہیں اس آفس میں کام کرنے کے لیے گائیڈنس دیں۔ ہر طرح سے رولز اینڈ ریگولیشن سکھائیں۔ آج سے یہ اسی آفس میں کام کریں گی۔'' وہ انہیں حکم دے کر خود پھر سے کاغذوں میں مگن ہو گئے اور اس پل ایک عجب سی مسکراہٹ ارتیج کمال کے لبوں پر بکھری تھی۔ تب وہ چلتے ہوئے سیکرٹری کے ساتھ باہر کی جانب بڑھی۔ اسے طلحہ کے آفس آتے ہوئے مہینے سے اوپر ہونے والا تھا۔ اسی ایک ماہ میں اس نے بزنس کے متعلق کافی کچھ سیکھ لیا تھا مگر طلحہ اور اس کے درمیان بات چیت تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی وہ خود بھی اسے بہت مصروف رکھتا تھا۔ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سیکھ سکے۔ پاپا اور انکل بھی اس کی کارکردگی سے واقف تھے اور کافی خوش تھے۔

اسی دوران طلحہ کے قریب دوست ضرغام کے لیے طلحہ نے ارتیج کے گھر والوں

exponovels

کے سامنے پرپوزل رکھا۔

وہ خود بھی اریج کو دیکھ چکا تھا۔ درحقیقت اریج ضرغام کو بہت پسند آئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اریج کو ضرغام جیسے پیار کرنے والے شخص کی ہی ضرورت ہے۔ اس بات سے مبرا کہ اریج کا ری ایکشن کیا ہوگا۔ اس نے ضرغام کے پیرنٹس کو اریج کے گھر جانے کے لیے کہا۔

طاہرہ بیگم اور کمال کو پہلی ہی نظر میں ضرغام بہت پسند آیا۔ باقی گھر والوں سے تو محض ابھی ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔ مگر وہ نہ تو اریج سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ نہ ہی اریج کی رائے اور پسند کے بغیر وہ فیصلہ کرنے کا سوچ سکتے تھے۔

''ضرغام آفندی کو جانتی ہو؟''

رات میں جب روشنی، اریج کے لیے روم میں دودھ لے کر گئی تو دودھ سائیڈ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے پاس فضول وقت نہیں ہے کسی کو جاننے کیلئے۔'' وہ کمپیوٹر کے بٹن تیزی سے پش کرتے ہوئے شاید کوئی اسائنمنٹ بنا رہی تھی۔

''اس کا پرپوزل آیا ہے تمہارے لیے''

یہ خبر بلاشبہ کسی بھی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ بے قراری سے کھڑی ہو کر سامنے آن موجود ہوئی تھی۔

''واٹ ربش وں، یہ کیا بکواس ہے۔ میں اس شخص سے شادی کیسے کر سکتی ہوں؟'' پل بھر کو روح بدن سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''کیوں تم اس شخص سے شادی کیوں نہیں کر سکتیں۔ بہت اچھا ہے وہ نائس ہے سب سے بڑھ کر طلحہ بھائی کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہے۔ انفیکٹ طلحہ بھائی ہی نے تمہارے لیے انہیں سلیکٹ کیا ہے''

تلووں سے لگی سر پر بجھی والے محاورے کے تحت وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

عجیب سی کیفیت در آئی۔ روشین اس کے کمرے کی حالت درست کرنے میں مگن تھی۔ اسی لیے اس کی بگڑتی حالت پر توجہ نہ دے سکی تھی۔

''طلحہ بھائی! تمہارے لیے کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کریں گے تم جانتی ہو تم انہیں

کتنی عزیز ہو'' وہ اس کی باتیں سنتی ہوئی بالکل ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ طلحہ یہ سب کیوں کر رہے تھے۔ اب تو وہ اس سے کسی طرح سے بات بھی کوئی نہ کرتی تھی۔ سامنا بھی ہوتا تو کترا کر قریب سے گزر جاتی تھی پھر اس شخص کو کیا ضرورت تھی اس طرح سے کسی اجنبی کا پرپوزل اس کے لیے بھیجنے کی۔ اسے حقیقتاً طلحہ کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا تھا۔ اگر محبت نہیں دے سکتے تھے تو اس کی محبت کی توہین تو نہ کرتے۔

''تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' اس کی اندرونی حالت سے بے خبر روشین نے اس سے دریافت کیا۔

''مجھے پوری امید ہے کہ تم ضرغام کے ساتھ بہت خوش رہوگی۔ بہت سکھی رہو گی۔ اس کے دائیں گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''روشی! مجھے یہ شادی نہیں کرنی پلیز پلیز تم مما پاپا سے کہو مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔ اگر طلحہ نہیں تو کوئی بھی نہیں''

اریج نے روشین کو دم بہ سدھ کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اس کی جانب حیرانی سے دیکھتی چلی گئی۔

''میں طلحہ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔ روشی پلیز! تم مما سے کہو یہ پرپوزل مجھے قبول نہیں'' وہ اس کے کندھے پر سر ٹکا کر رونے لگی۔ تو روشی کو ایسے لگا جیسے وہ مزید کھڑی نہیں رہ پائے گی۔ اگر اریج کے اندر ایسی کوئی فیلنگز تھیں تو اسے بتاتی تو سہی، شیئر تو کرتی مگر اس نے شیئر کرنے کی زحمت تک نہ گوارا کی تو آج اتنا زبردست پرپوزل مما پاپا لوگ یونہی کیسے ٹھکرا دیتے۔

''تم بھی تو ہو روشی! تم جب ضرغام کے بارے میں اتنا کچھ جانتی ہو تو تم کیوں نہیں ان سے شادی کر لیتیں۔ تمہیں بھی تو زندگی گزارنی ہے وہ اگر اچھا شخص ہے تو تمہیں بھی تو خوش رکھ سکتا ہے'' روشی اس کی جانب بس حیرانی سے دیکھتی رہ گئی۔

''بولو روشی! مما پاپا سے کہوگی نا؟''

وہ کھوئی کھوئی سی روشنی کو دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگی مگر وہ اسے کیا بتاتی یہاں تو قسمت کی کایا ہی پلٹنے چلی تھی۔

طلحہ بھائی نے روشی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وجہ یہ تھی کہ روشی اس

expnovels

کی ہم عمر تھی اور میچور تھی۔ طلحہ کو جذباتیت اور جنونیت سے سخت چڑ تھی۔ اسی لیے انہوں نے ارتیج کی نسبت روشی کو سلیکٹ کیا تھا کیونکہ آنٹی کئی دنوں سے ان کے پیچھے لگی ہوئی تھیں کہ اب انہیں شادی کر ہی لینی چاہیے۔ وہ تھے کہ ماننے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ تب انہوں نے روشی سے مشورہ کیا۔

وہ کیا کہتی۔ نہ تو اس کے دل میں طلحہ کے لیے کوئی خاص جذبات تھے نہ ہی کوئی خاص الفت۔ ہاں اگر وہ اور مما پاپا لوگ چاہ رہے تھے تو اسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بزرگوں کی میٹنگ میں تقریباً دونوں ہی پرپوزل کو اپنی اپنی جگہ پر سلیکٹ کر لیا گیا تھا۔ بس ارتیج سے پوچھ کر کنفرمیشن کرنی باقی تھی۔

روشی اثبات میں سر ہلا کر اسے تسلی دلا گئی تھی مگر وہ کس قدر بے بس تھی۔ یہ ارتیج نہیں جانتی تھی

موسم کی تراوٹیں بدلی تھیں۔ چاندنی راتوں کی دلکشی کا ہالہ ہر سو بکھرتا جا رہا تھا۔

سردیوں کی خنک راتیں، بے چینی اور بے قراری کس قدر بڑھا دیتی تھیں۔

وہ چھت پر کھڑی چاند کے اس پرنور ہالے کو بغور دیکھے چلی جا رہی تھی بے خودی اور بے بسی تھی بے اختیاری کا موسم، اپنا بھی کچھ پتا نہیں تھا جیسے

کچھ ہیں دوریاں
کچھ ہیں فاصلے
کچھ دل بھی تھوڑا اُداس اُداس
کچھ ویران ویراں سے ہیں راستے
کچھ ہم کو اپنی خبر نہیں
کچھ تم سے بھی نہیں ہیں رابطے

طلحہ کے بارے میں سوچ کر ہی چہرے پر پُر حدت لمس بکھرتا چلا گیا۔ وہ دور ہو کر بھی کس قدر پاس رہتے تھے مگر انہیں اس دیوانگی کی پروا تھی ہی کب۔

فکر ہوتی تو کیسے۔ وہ تو اپنے بزنس میں بہت بزی تھے۔ انہیں تو اپنی پرسنل لائف کے لیے وقت نہ ملتا تھا تو اسے وقت کیسے دیتے۔

''تم نے ضرغام کے ساتھ شادی سے انکار کیوں کیا؟'' وہ چاند کو دیکھنے میں بے

طرح سے محو تھی۔ جب اسے طلحہ کی آواز نزدیک ہی سے سنائی دی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اچانک آ کر اسے کسی قدر خوش کر دیتے تھے۔ مگر ان کا سوال قطعاً پسند نہ آیا۔

''میں نے سنا ہے کہ جس سے محبت کی جائے شادی بھی اسی سے ہونی چاہیے۔ زندگی خوشگوار اور پرسکون گزرتی ہے۔''

کمال کا ضبط تھا۔ اور انداز میں ہنوز بے مہری برقرار تھی۔

طلحہ اس کے سامنے آن رکے اور اس قدر قریب تھے کہ وہ ان کی موجودگی سہہ نہیں پائی تھی۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ نہیں کرنی مجھے تم جیسی امپچور اور پاگل لڑکی سے شادی، سنا تم نے۔ اور کیا تم نہیں جانتی کہ میرے ساتھ میری ہی طرح کی گرل ایڈجسٹ کر سکتی ہے۔ تم میں کہاں ہے کوئی خصوصیت، کون سی خوبی ہے میری بیوی بننے لائق''

''مجھ سے بڑھ کر کوئی آپ کو اس طرح سے نہیں چاہے گا طلحہ! آزما کر تو دیکھ لیں۔''

''کوئی اس طرح سے بے مول ہو کر بھی ثابت قدم نہیں رہے گا۔''

''مجھے نہیں چاہیے، تمہاری محبتیں یہ سب چاہتیں اور محبتیں اس شخص کیلئے رکھو جو ان کی قدر کر سکے۔'' عجب بے رخی سے جواب دیا۔

''کبھی تو طلحہ! کبھی تو مجھے سمجھ بھی پائیں گے آپ۔ میں آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے بہت دور جانے کے لیے تیار ہوں مگر پلیز یہ بے رخی، یہ بے اعتنائی مت برتا کریں۔ میری محبتوں اور چاہتوں کو بے مول مت کیا کریں۔ پلیز طلحہ''

طلحہ کو اس طرح دیکھتے ہوئے کس قدر وقت پیش آئی تھی۔ بس وہی سمجھ سکا تھا۔

وہ سمجھتا تھا کہ یہ سب جو ارتیج کر رہی ہے محض وقتی جذباتیت ہے محض پاگل پن مگر وہ حقیقتاً اسکی محبتوں اور حوصلے کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

میرے اجنبی میرے آشنا
تجھے حرف حرف میں وعا لکھوں
کوئی ایسا وصل نصیب کر
تجھے چاند، تارے ہوا لکھوں
اگر نہ بن سکوں کبھی تیرا

exponovels

تو حیات کو میں فنا لکھوں
اگر نہ ڈر ہو کفر کا مجھے
تو میں تجھے اپنا خدا لکھوں
یہ زندگی قدم قدم پر تیری یاد سے جواں رہے
میرے اجنبی میرے آشنا
میں تجھے کبھی نہ جدا لکھوں

ارتیج نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کوئی بیاری سی خواہش کی تھی

اب وہ جو فیصلہ کرنے جا رہی تھی اس پر عمل کرنا قطعاً آسان نہیں تھا مگر اس کے علاوہ اب کوئی اور حل بھی نہیں تھا۔ جیسے تیسے کہہ کر اس نے فی الحال اپنے پروپوزل کی بات کو کلوز کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ابھی بزنس کو تھوڑا ٹائم دینا چاہتی تھی۔

''اگر تم اس کام کو التوا میں نہ ڈالتیں تو طلحہ اور روشی کے ساتھ ساتھ تمہاری اور ضرغام کی بھی بات پکی ہو جاتی''

وہ مما کی بات پر حیرانی سے انہیں تکتی رہی۔ نگاہ سامنے کھانا کھاتی ہوئی روشین کی جانب اٹھی تھی۔

وہ بھی جیسے اس سے نگاہیں چرانے لگی پھر مما اور پاپا نے اسے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔ نہ جانے ضرغام نے کیا گھول کر پلایا تھا۔ کہ سبھی اس کے گن گاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ اپنے زخمی دل کو سنبھالنے کی سعی کرتی ہوئی چپ چاپ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ کوئی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لے کسی کو اپنی مرضی سے اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک نصیب میں لکھا نہ ہو۔ جب تک قسمت کا فیصلہ اس کے حق میں نہ ہو۔

وہ کب تک اپنی محبت کا پرچار کرتی۔ کب تک اس شخص کے سامنے اپنی محبت کا سوال کرتی۔ وہ تو سراپا محبت تھی اسے چاہے جا رہی تھی۔ جو اپنا تھا نہیں اس بات سے بے نیاز مگر اب یکدم سے نہ جانے کیوں جذبات کی کایا پلٹنے لگی تھی۔

اپنی من مانی اور ضد کرنے سے اسے کیا ملا تھا۔ اور اب کیا ملنے والا تھا؟ یہ بات سمجھ سے باہر تھی۔

پھر وہ جیسے خود کو سنبھالنے کی سعی کرتی چلی گئی۔ اس نے مشیت الٰہی جان کر کسی

بھی فیصلے پر نہ تو اعتراض کیا نہ ہی سوچا حتیٰ کہ مما پاپا سے بھی یہ کہہ دیا کہ وہ وہی کریں جو ان کا دل چاہتا ہے۔ انہیں تو گویا خوشیوں کا خزانہ مل گیا تھا۔

وہ ارتیج کی رضامندی جان کر چپ چاپ اپنے فیصلے پر سوچ بچار کرنے میں لگ گئے تھے۔

اسے ایسا لگا تھا کہ جینے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہا ہے۔ پھر جس طرح سے بھی جیا جاتا فرق تو نہیں پڑتا تھا۔ وہ کئی دنوں سے آفس بھی نہیں گئی۔ اپنے روم میں لیٹی انجانی سوچوں میں مگن رہتی۔ کسی بھی بات کا جیسے ہوش نہیں تھا مگر مما پاپا کے سامنے کمال ضبط سے خود کو کمپوز کر رکھا تھا۔

اس دن بھی موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ کالی گھٹائیں آندھی اور بارش کا پتا دے رہی تھیں ارتیج لان میں بیٹھی چائے پینے کے ساتھ ساتھ آفس کی فائلز دیکھنے میں مگن تھی۔ بابا نے ان دنوں اس کے ذمے بہت اہم کام لگایا تھا۔

تمام اکاؤنٹس اسے ہی چیک کرنے تھے۔ اسی لیے اس کے بارے میں انفارمیشن اکٹھی کر رہی تھی۔ اسی اثناء میں کھلے گیٹ سے گاڑی اندر داخل ہوئی گاڑی میں بیٹھے شخص پر نظر پڑتے ہی روح تک سیراب ہوتی چلی گئی تھی۔ کتنے دن گزر چکے تھے اس شخص کو دیکھے ہوئے اس سے بات کیے ہوئے خود کو مارتو وہ چکی تھی مگر سامنے دیکھ کر ایک لگن سی بڑھی تھی۔ پھر اگلے ہی پل خود کو کمپوز کرتی اس سے یوں بے نیاز ہو گئی جیسے اس شخص کے آنے جانے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ اس سے دور دور تک کا کوئی رشتہ نہ ہو۔

اس کا خیال تھا طلحہ وہاں رکے گا نہیں مگر جب وہ چلتے ہوئے سامنے والی چیئر گھسیٹ کر بڑے آرام سے براجمان ہوئے تو اندر ہی اندر اشتعال سا بڑھنے لگا۔

''تم آفس کیوں نہیں آ رہیں، یونو میں کام کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کرتا۔ نہ ہی بناء لیو کسی کو بناء بتائے چھٹی کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ کیا وجہ ہے تمہاری غیر حاضری کی؟''

اس پل وہ کیپل براؤن کلر کی قمیض شلوار پہنے ہوئے تھے۔ دایاں ہاتھ اپنے پرانے سٹائل اور عادت کی بنا سے ٹھوڑی پر پھیرا تھا۔ وہ اپنی عادت کی وجہ سے کس قدر اچھے لگتے تھے۔ یہ ارتیج سے بہتر کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

exponovels

اب وہ جب اس شخص سے دور جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کسی اور کے سپرد ہونے جا رہی تھی۔ تو پھر ایک بار وہ آزمائش میں ڈالنے چلے آئے تھے۔ وہ مزید کھوئی رہتی جب انہوں نے پھر کہا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے جواب دو۔''

''آپ جو پوچھ رہے ہیں اس کا جواب جانتے ہیں پھر ویسے بھی میں ریزائن کر رہی ہوں۔ اب مجھے جاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ پاپا کا آفس ہوتے ہوئے مجھے کسی اور کے آفس میں کام نہیں کرنا، اسی لیے میں اب آفس نہیں جاؤں گی۔''

طلحہ نے ورطہ حیرت میں ڈوبی کیفیت سے اسے دیکھا۔ کتنی بدلی بدلی لگ رہی تھی وہ۔ کچھ دنوں پہلے اس کے سامنے کھڑی اپنی محبت کا اعلان کر رہی تھی اور محبت کی جیت پر دلائل دے رہی تھی۔ اس سے اس کی محبت مانگ رہی تھی اور آج...... آج کی اریج، کوئی اور راستہ اختیار کرنے چلی تھی۔ کسی اور رستے کی مسافر ہونے جا رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ اسے دیکھے گئے مگر پھر چہرے پر زہرخندی مسکراہٹ ٹھہری تھی۔

''تم نے ہر بات کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔ تم اسی لیے شاید اس بات سے ناواقف ہو کہ میرے آفس میں جاب کرنے کی شرط یہ تھی کہ تم دو سال سے پہلے جاب نہیں چھوڑ سکتیں۔ اس لیے یہ بچپنا چھوڑو اور سیدھی طرح سے صبح آفس آؤ۔''

وہ ہاتھ اٹھا کر بہت سخت الفاظ بھی نرمی سے کہہ گئے تھے۔ مگر اریج کو کوئی فرق نہ پڑا تھا، تبھی بولی۔

''دو سال تو بہت دور کی بات ہے میں دو منٹ وہاں کام کرنے کی روادار نہیں ہوں۔ ویسے بھی اب میری شادی ہونے والی ہے۔ ضرغام کو میرا جاب کرنا پسند نہیں۔''

کیا کمال کا تیر چلایا تھا اور یہ الفاظ جان بوجھ کر کہے تھے۔ اس کا ردعمل جاننے کے لیے نہیں بلکہ اپنی زندگی میں ضرغام کی ویلیو کا اندازہ لگوانے کے لیے حالانکہ ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔

اس کی اور ضرغام کی رسمی اور عام سی گفتگو کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ طلحہ کے اندر نہ جانے کیوں عجب ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اس نے جس لہجے میں بات کی طلحہ کو چونکانے کے لیے کافی تھا۔

''ایسا تم سے ضرغام نے کہا ہے؟'' بے خودی میں وہ سوال طلحہ کے منہ سے نکلا۔

''نہیں مگر میں انہیں بہت حد تک سمجھ بھی گئی ہوں۔ اور جان بھی گئی ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں کروں گی۔''

''ضرغام مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مجھے بھی چاہیے کہ میں ان کی محبت کا احترام کروں۔''

یہ کہہ کر وہ مزید وہاں رکنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ فائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے تیزی سے اندر کی جانب بڑھی مگر وہ جاتے جاتے طلحہ ریاض کو کوشش و پیچ میں تنہا چھوڑ گئی تھی۔

وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر خالہ سے ملنے کی غرض سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

مما کے بہت کہنے پر وہ ضرغام کے ساتھ شاپنگ کرنے چلی آئی تھی۔

دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ ضرغام کی والدہ نے اریج کے لیے ہر طرح سے شاپنگ کی تھی۔ حتیٰ کہ شادی کا سوٹ بھی ڈیزائن کرنے کو دے رکھا تھا۔

روز بروز بڑھتی ہوئی تیاریوں نے اسے بہت الجھا رکھا تھا۔ غصہ اس بات کا تھا کہ اس کی بات بھی پکی ہو گئی۔ اور اسے پتا بھی نہ چلا۔ اب اگر شادی ہونے جا رہی تھی تو کم از کم اسے انوالو تو کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ اپنی چیزوں کے معاملے میں بہت چوزی تھی۔ سلیکشن بھی کمال کا کرتی تھی۔ وہ تو طلحہ کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اس میں صبر کتنا ہے۔ وہ اسے محض ایک عام اور امیچور سی لڑکی سمجھ کر اگنور کر رہا تھا۔ اس کی محبت کو محض بچپنا اور بے وقوفی کا نام دے کر مسترد کر رہا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات کو کچھ تو سراہتا۔ کم از کم اسے آرام سے سمجھا ہی دیتا۔

ضرغام کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس کی کیا کیفیت تھی وہ ہی سمجھ سکتی تھی۔

ضرغام بلا شبہ ایک ڈیسنٹ اور نائس شخص تھا۔ کوئی لڑکی بھی ضرغام کے ساتھ پر فخر کر سکتی تھی مگر وہ کم از کم ایسا نہیں سوچ سکتی تھی حالانکہ ضرغام اس کے ساتھ شاپنگ پر جاتے ہوئے بہت خوش تھا ان دنوں وہ اس سے تھوڑی بات کر لیتی، مما پاپا کی خاطر۔ اس کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں تو کر لیتی۔ مگر وہ دل کہاں سے لاتی۔ وہ جذبات و

exponovels

احساسات کہاں لاتی جو طلحہ کے نام کر چکی تھی۔ جس کی محبت کو پوجتی رہی تھی۔

''آپ خوش تو ہیں نا ارتیج؟''

اس نے اچانک ہی ارتیج سے سوال کیا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر چہرہ پرے کرتے ہوئے بولی۔

''اس سے کیا ہوتا ہے؟'' بے اختیار ہی زبان سے پھسلا تو ضرغام یکدم چونک سا گیا۔

''کوئی شخص آپ کے ساتھ شادی کرنے جا رہا ہے۔ اس پل وہ آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا ہے۔ آپ کے ہر حکم پر جی کرنے کو تیار ہے اور کیا چاہیے آپ کو۔''

''ضرغام! شادی کرنے کے لیے اور کیا ضروری ہوتا ہے؟'' آنکھوں سے آنسو ابلنے آنے کو بے قرار تھے مگر وہ ضبط کی اعلیٰ حدوں کو چھو کر گزر کر جاتے ہوئے انہیں پرے دھکیلنے کا کمال فن رکھتی تھی۔

''آپ کی وش، بہت اہم ہے اس رشتے کو جوڑنے کے لیے''

''نہیں ضرغام! وشز سے کچھ نہیں ہوتا اگر یہ رشتہ جڑ رہا ہے تو جڑنے دیں یہ مت سوچیں کہ میری وش ہے یا نہیں۔ پلیز''

وہ بڑے تفکر سے کہہ کر شیشے کے اس پار دیکھنے لگی۔ مگر ضرغام کے اندر بہت سے اضطراب و سوالات نے جنم لیا تھا۔ تو ارتیج کا اسے توجہ اور ٹائم نہ دینا کسی بھی وجہ کے بغیر نہیں تھا اور ارتیج کے خیالات جان کر وہ حقیقتاً پریشان ہوا تھا مگر اس بات سے ارتیج کو قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ضرغام نے اسے اپنی پسند کی شاپنگ کروائی اور وہ چپ چاپ اس کی خوشی کے آگے بت بنی اس کی دی ہوئی چیزیں لیتی رہی۔

گھر پہنچی تو کافی تھک چکی تھی۔ رات کا کھانا دونوں نے باہر ہی کھا لیا تھا اور کافی پینے کے بعد ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہوئی۔ اس سے ضرغام کا موڈ تو کافی فریش ہو گیا تھا مگر ارتیج مزید الجھتی چلی گئی۔

اسی لیے گھر آ کر کسی سے خاص بات چیت نہیں کی۔ روشین اس کی اور ضرغام کی شاپنگ کی ہوئی چیزیں دیکھ کر خوشی سے اچھل اٹھی کیونکہ وہ یہ سمجھ رہی تھی۔ ارتیج اب ضرغام

کے ساتھ سیٹ ہو جائے گی اور اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اسی لیے وہ اس کی لائی ہوئی چیزوں پر ڈسکشن کر رہی تھی۔ جواب میں ارتیج بس سر ہلا رہی تھی۔ یا ہوں ہاں کر رہی تھی۔

ارتیج کو لگا کہ وہ ایسی دلدل میں پھنس چکی ہے جہاں سے اس کا نکلنا بہت مشکل تھا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا کوئی منزل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ عجیب سی بے خودی تھی۔ بے بسی و بے چینی کے پل تھے جو اسے پریشانی میں دھکیلتے چلے جا رہے تھے۔

روشین کے جانے کے بعد وہ تکیے میں سر دیے زار و قطار رو دی۔

تم کبھی جان پاؤ گے کیا؟''

اس بے قراری کی بیتی

ہوئی کیفیت کو

کیا تم سمجھ پاؤ گے؟

بے چینیوں کے ٹھہرے موسموں کو

تم ان بھیگتے جذبات و احساسات

کو محسوس کرو تو

ان میں کتنی تپش میرے سنگ سنگ

چلی ہے

ہر پل سانسیں جیسے الجھی ہوئی ہیں

قدم ڈگمگانے لگے ہیں

منزل گمی ہوئی ہے

تم کبھی جان پاؤ گے کیا؟''

روتے روتے وہ نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ کچھ پتا نہ چل سکا۔

☆.....☆.....☆

وہ منہ پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑی تھی۔ ابھی ابھی جو کچھ ہوا تھا۔ سب بے یقینی کی کیفیت سے مزین تھا۔ یہ کوئی خیال نہ تھا۔ سراب نہ تھا بلکہ حقیقت تھا۔

سامنے طلحہ اور روشین سر جھکائے بیٹھے تھے اور سائیڈ پر پاپا کھڑے ہوئے اسے

exponovels

زہر خند نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی ضرغام ان سے یہ کہہ کر جا چکا تھا کہ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو ضرغام بھی کسی طور یہ شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ وجہ معلوم کرنے پر روشین نے ساری بات پاپا کے گوش گزار کر دی۔

تو پاپا مشتعل ہو کر ارتج پر ہاتھ اُٹھا بیٹھے تھے۔ ارتج کی وجہ سے دونوں فیملیز میں دوریاں پیدا ہوئی تھیں۔ وہ یہ بات اگر پہلے پاپا کو کہتی تو وہ سوچ سکتے تھے اور پھر روشین نے اس موقع پر بات کر کے بلاشبہ غلط کیا تھا۔ اس بات کا افسوس طلحہ کو زیادہ تھا۔ ارتج چپ چاپ بہتے ہوئے آنسوؤں سمیت ان کی بات سن رہی تھی۔ جو کہہ رہے تھے ''کہ اپنی اولاد کو ڈھیل اور پیار و توجہ دے کر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' وہ محبت محبت کا پرچار کرتے ہوئے آج گنگ زبان سے کھڑی تھی۔

وہ طلحہ پر بھی ناراض تھے کہ اتنا کچھ ہو گیا۔ نوبت یہاں تک آن پہنچی تو اس نے ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

مما نے انہیں ریلیکس کرنے کو کہا تھا۔ ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ''یہ اتنی بڑی بات نہیں جتنا آپ بڑھا رہے ہیں۔ گھر کی بات ہے گھر میں ہی حل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔''

''تم نہیں سمجھ سکتیں طاہرہ بیگم! کیا کیا ہے اس نے باپ کا نام ڈبو دیا۔ کتنے مان سے وہ لوگ رشتہ پکا کر کے گئے تھے۔ اس بیٹی کے گن گاتے نہیں تھکتے تھے مگر یہ بیٹی سب کچھ خود ہی طے کرتی گئی۔ اور ضرغام سے بھی کہہ دیا کیا ضرورت تھی یہ سب بکواس کرنے کی؟'' وہ کسی طور پر ٹھنڈے نہیں ہو رہے تھے۔

ارتج روتے چہرے کے ساتھ سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے اپنے روم کی جانب بڑھ گئی۔ جب کہ طاہرہ بیگم انہیں غصہ نہ کرنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

روشین، ارتج کی پیروی میں اوپر کی جانب بڑھی۔ مبادا وہ غصے میں کچھ کر ہی نہ لے۔

روشین نے اس لمحے پاپا کو سب بتا کر بظاہر غلط کیا ہو گا مگر ایسا شاید ارتج کی بہتری کے لیے ہی ہوا تھا۔

''اب کیا کہتے ہو طلحہ! مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ وہ لوگ کیسے بے عزت کر کے چلے گئے۔ ضرغام نے الگ ارتج پر انگلی اٹھائی کہیں کا نہیں چھوڑا مجھے۔'' ان کی آواز میں پریشانی بہت واضح تھی۔

''کیا تم ارتج سے شادی کر سکتے ہو طلحہ؟''

انہوں نے بہت شکستہ لہجے میں کہا تھا اور طلحہ کو اپنا آپ بھی ان کی بات پر گم ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا، مگر وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کمال، طلحہ کی بات روشین سے طے ہوئی تھی۔'' طاہرہ بیگم نے کہا۔

''یہ بہت ضروری ہے طاہرہ بیگم! بیٹیوں کے جذبات اور احساسات بہت نازک ہوتے ہیں۔ وہ اس موڑ پر آ گئی ہے جہاں سے اسے واپس نہیں موڑا جا سکتا اور یہ میں نہیں کہہ رہا روشین خود کہہ گئی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ ارتج صرف طلحہ کے ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہے۔'' ان کی بات پر طلحہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

اب باقی کچھ بھی کہنے کے لیے بچا ہی کیا تھا۔

تو ارتج کمال کی محبت جیتنے جا رہی تھی۔ اس کی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ وہ طلحہ کو اپنے مقدر کا حصہ بنانے چلی تھی۔ وسیلہ کیسا بھی بنا تھا۔ وجہ جو بھی بنی تھی مگر اس نے طلحہ کو مسخر کر ہی لیا تھا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے جتنی بھی تگ و دو کی تھی وہ سب بے مائع اور بے وقعت نہیں گئی تھی۔

اگر ضرغام اور اس کی فیملی خود رشتے کو توڑ گئے تھے تو یہ روشین ہی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔

اسی نے ضرغام سے ایسا سب کچھ کرنے کو کہا تھا۔ کیونکہ روشین جانتی تھی کہ ارتج صرف طلحہ کی ہے اور طلحہ کی ہو کر رہے گی۔ ارتج طلحہ کے بناء ادھوری ہے اگر کوئی اسے مکمل کر سکتا ہے تو وہ طلحہ ہی ہو گا۔

پھر بزرگوں کی میٹنگز بھی منعقد ہو چکی تھی۔ ارتج نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا تھا کس طرح وہ طلحہ تک رسائی حاصل کر پائی تھی۔

سہاگ کا سرخ جوڑا زیب تن کیے وہ طلحہ کے بیڈ روم میں بیٹھی تھی۔ بے یقینی کی کیفیت ہر طرح سے نمایاں تھی طلحہ کیسے مان گئے تھے؟'' کب اسے طلحہ کے نام کی مہندی لگی اور کب وہ رخصت ہو کر اس کے بیڈ روم تک لائی گئی تھی۔ کچھ بھی ہوش نہ رہا۔

کچھ بھی پتا نہ تھا اگر پتا تھا تو صرف اور صرف اس بات کا کہ وہ اس کی ہو چکی

exponovels

ہے اس کے ہاتھ پر طلحہ کے نام کی مہندی لگ چکی ہے۔

آہ محبت ملی بھی تو کس صورت، دل بے خبر کو یہ بھی نہ پتا چلا کہ وہ پیا دیس چلی آئی ہے مگر اس طرح سے آتے ہوئے وہ مما پاپا سے رو رو کر معافی مانگ رہی تھی۔

آنٹی جو اسے اپنی بہو بنا کر بے حد خوش تھیں اس کے شانہ بشانہ کھڑی تھیں۔ اس کا سہارا بنی ہوئی۔

پھر پاپا مزید ناراض کیسے رہتے۔ ناراض رہنے کو رہا بھی کیا تھا۔

روشین اس کی رخصتی پر بے حد روئی تھی مگر وہ آنسو اس بات کی خوشی کے بھی تھے کہ اسے اس کی محبت مل چکی ہے۔

اسی طرح سے بیٹھے بیٹھے وہ نیند کی پرسکوں وادیوں میں اترتی چلی گئی۔ اس بات سے بے نیاز کہ طلحہ کاری ایکشن کیا ہوگا؟ شاید آج کئی دنوں بعد وہ لاپرواہی کی نیند سو پائی تھی۔ چہرے پر ہنوز پہلے جیسی معصومیت عیاں تھی۔

کتنے ہی لمحے یونہی بیتتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ گھڑی نے رات کے دو بجا دیئے اسی اثناء میں طلحہ نے کمرے میں قدم رنج فرمائے۔ بے حد تھکان اور بے چینی الگ الگ سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ اپنے تئیں شرمندہ تھا کہ نہ چاہ کر بھی اریج کو اپنی زندگی کا حصہ بنا بیٹھے۔ اسے کس طرح سے ٹھکرایا۔ کس طرح سے بے عزت کیا۔ صرف اس لیے کہ وہ اپنا راستہ بدل لے کہ شاید وہ اسے خوشیاں نہ دے سکے۔ کس قدر ٹوٹ کر بچپن سے چاہتا آرہا تھا مگر وہ جب رشتہ بدل گئی تھی اسے کسی اور ہی نہج پر سوچنے لگی تھی تو اس سے رہا نہیں گیا کہ وہ اپنے اور اس کے رشتے کی یوں دھجیاں اڑائے۔ سبھی کو دونوں کے رشتے پر بے حد مان تھا مگر انکل نے جس طرح سے بی ہیو کیا انہیں بے حد افسوس تھا پھر بھی وہ روشین کے کہنے پر اس رشتے کے بارے میں مان گئے۔ باوجود طلحہ کے یہ کہنے کے کہ وہ خشک مزاج آدمی اسے خوش نہیں رکھ سکتا۔ وہ محبت کے جذبے سے باخبر تھا ہی کب!

شاید طلحہ نے کبھی کسی کو چاہا نہیں تھا۔ کسی سے ٹوٹ کر محبت نہیں کی تھی تبھی تو وہ اریج کے جذبات کو محض فضول واس سمجھ کر مسلسل اس لیے نظر انداز کرتا آرہا تھا تاکہ وہ اپنے لیے اچھا لائف پارٹنر چن لے مگر طلحہ نہیں جانتا تھا کہ اریج اس سے اس قدر ٹوٹ کر بھی محبت کر سکتی ہے کہ اس کے لیے حد سے بے عزت کرنے پر بھی وہ اپنی محبت میں کھڑی تھی۔ اسی

لیے تو اس کی بیوی کے روپ میں اس لمحے اس کے سامنے موجود تھی۔ کتنا خوش نصیب تھا وہ کہ اسے اتنی چاہنے والی لڑکی ملی تھی اس قدر محبت کرنے والی مگر دکھ اس بات کا تھا کہ وہ ان محبتوں کی قدر نہ کر سکا تھا۔ تو کس طرح اب وہ اریج کے سامنے جاتا۔

اب جب دونوں ازدواجی تعلق میں بندھ چکے تھے تو پھر بھی وہ اس کی جانب بڑھنے سے اس قدر ڈر کیوں رہا تھا۔ شاید کہ وہ محبت والفات کا عادی نہیں تھا۔ یا شاید وہ ان موسموں ان جذبات سے عاری تھا مگر نہیں وہ نازک سا سراپا جس کا سر سائیڈ پر ڈھلک گیا تھا۔ وہ سراپا تو قیامت خیز مجسمہ لگ رہا تھا۔

دل وروح میں ہلچل مچاتا ہوا۔ جذبات واحساسات کی آبیاری مانگتا ہوا۔

طلحہ بے چینی سے شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے واش روم کی جانب بڑھے۔ تاکہ گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد تھکان اتاری جا سکے۔ کچھ ہی منٹ بعد وہ چینج کر کے بال رگڑتا باہر کی جانب بڑھ آیا۔ وہ ہنوز سامنے خود سے لاتعلق تھی۔

طلحہ کا سونے کا فل موڈ تھا اور رات کا یہ پل تھکاوٹیں بڑھانے کو بے قرار تھا۔ جی چاہا کہ اس کے پاس جا کر کوئی پیاری سی شرارت کر دے۔ اسے خود میں سمیٹ کر اپنے موجود اندر جذبوں سے آشنا کر دے مگر ابھی ان سب باتوں کا وقت نہ تھا۔

ابھی تو ہجر وفراق کا موسم دونوں کے مابین مزید ٹھہرنا تھا۔ ملن کا موسم دور نہ تھا مگر وہ اسے بے حد خوب صورت طریقے سے منائے گا۔ تاکہ کوئی شکوہ نہ رہے کوئی گلہ نہ رہے۔

مسکراتے ہوئے لائٹ آف کر دی۔ سائیڈ پر پڑا کمبل اٹھایا اور اس کے گرد اوڑھا دیا اور خود سائیڈ پر جگہ بناتے ہوئے دوسرا کمبل اوڑھ لیا۔ نہ تو اسے صوفے پر سونے کی عادت تھی نہ ہی طلحہ کو یہ زحمت گوارہ تھی۔ کہ وہ ان تکالیف میں پڑتا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ پر براجمان ایک دوسرے سے بے خبر تھے اور یونہی رات دھیرے دھیرے گیت گاتے ہوئے سسکتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح نے اپنے ہونے کی اطلاع دی تو کھڑکی سے آتی ہوئی سورج کی شعاعوں نے اسے کروٹ لینے پر مجبور کر دیا۔

اسی اثناء میں اس کا سر طلحہ کے سینے سے ٹکرایا جو کہ بہت ہی قریب خود سے بے خبر

epanovels

تھا کچھ دیر وہ یونہی اس کے سینے میں سر دیئے بے نیازی سے لیٹی رہی مگر طلحہ کو اس کے لمس کی خبر ضرور ہوئی تھی۔

حواس یکدم سے بیدار ہوئے تو پتا چلا کہ اس کے گرد طلحہ کا احاطہ بہت وسیع ہے عجب خوبصورت لمحات تھے۔ بے گانہ ہو کر بھی یگانہ جیسے۔

جی چاہا اسی طرح وہ بازوؤں میں لپٹی رہے۔ اس کا لمس، حدت، بے خود کر دینے کو کافی تھے مگر وہ بے خود ہو کر بھی ہوش و حواس میں نہ تھا۔

یہی وہ معصوم سا چہرہ تھا جو دل کے ہر لمحے بے حد قریب رہتا تھا۔ جسے کھونے کا ڈر پل پل بے چین رکھتا تھا جس وجود کو اس نے انگلی پکڑے چلنا سکھایا تھا وہ وجود آج بہت ہی مختلف اور قریبی رشتے کی ڈور میں بندھا سانسوں سے بھی زیادہ قریب تھا۔

کتنے دکھ دیئے تھے اس وجود کو انجانے میں۔ لمحہ لمحہ تڑپایا تھا مگر اسے تڑپا کر وہ خود کب چین سے رہا تھا۔ خود کب سکون سے رہ پایا تھا۔

یونہی آنکھیں موندھے وہ اریج کو اپنے حصار میں لیے لیٹا رہا تھا۔

اریج کچھ لمحے بعد کسمائی تھی۔ اس کے سینے پر سے سر ہٹا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو اسے اتنے قریب پا کر رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں عجب لے پر دھڑکنا شروع ہوئی تھیں۔

پھر خیالوں کا وسیع در کھلتا چلا گیا۔

اسے جھٹ سے خود سے دور نہیں کیا۔ بلکہ بس آنکھیں کھولے طلحہ کی جانب دیکھتے چلی گئی۔

اگلے ہی لمحے طلحہ نے اس کی جانب دیکھا تو حصار یکدم سے ڈھیلا پڑا تھا۔ گرفت کی چولیں مدھم ہوتی چلی گئیں اور پھر وہ اسے اپنے وجود سے آزاد کیے تیزی سے کروٹ بدل کر رخ موڑ گیا۔ انداز جیسے اس سے کنارہ کش تھا یا پھر اپنے جذبات کو چھپانا تھا۔

وہ آہستہ سے اٹھتی ہوئی بیڈ سے نیچے اتر گئی۔ اتنا بھاری لباس پہن کر سوئی تھی مگر نیند نے ذرا بھی احساس نہ ہونے دیا۔

فوراً سے پیشتر اس نے ڈریسنگ روم کا رخ کیا تھا وہ اس وزنی لباس میں مزید نہیں رہ سکتی تھی۔

طلحہ کا ابھی مزید کچھ دیر سونے کا ارادہ تھا مگر دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔

سامنے مما کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر طلحہ کی ساری تھکان اڑن چھو ہو گئی تھی۔ وہ اریج اور اس کے لیے کپڑے لے کر آئی تھیں۔ ساتھ میں دونوں کو جلد ہی تیار ہونے کا کہہ رہی تھیں۔ ویسے بھی صبح کے گیارہ تو بج ہی چکے تھے ان کے کہنے کے مطابق خالہ لوگ اریج کے لیے ناشتہ لے کر آ رہے تھے یہ ان کی بہت خاص رسم تھی۔

وہ ان کے جانے کے بعد پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

اریج کچھ ہی دیر میں فریش ہو کر باہر نکلی تھی لمبے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اسے ڈریسنگ روم میں جو ڈھیلا ڈھالا سا سوٹ ملا وہ وہی پہن چکی تھی۔ بہت ہمت کر کے وہ روم میں چلی آئی تھی۔

طلحہ کے موجود ہوتے ہوئے اس کمرے میں رکنا کس قدر مشکل تھا اس کے لیے، یہ وہی سمجھ سکتی تھی۔

''مما! تمہارے لیے یہ سوٹ دے کر گئی ہیں۔ تمہیں یہی پہننا ہو گا۔''

اسے آتا دیکھ کر وہ بیڈ سے اٹھ کر واش روم کی جانب بڑھتا ہوا اچانک رک کر گویا ہوا۔ چہرے پر کمال سنجیدگی رقم تھی اور اریج بھی اس کی طرف دیکھنے سے قاصر سر جھکائے ہوئے سامنے موجود تھی۔ طلحہ کے واش روم میں گھستے ہی اس نے اندر دبا ہوا سانس بحال کیا تھا اور چپ چاپ ہیئر ڈرائیر نکالے بالوں کو ڈرائے کرنے لگی۔

ڈریسنگ روم کی سہولت سے ایک بار پھر فائدہ اٹھاتے ہوئے آنٹی کا دیا ہوا خوبصورت سا میرون کلر کا کامدار سوٹ زیب تن کیا۔ پھر بالوں کی چوٹی بنائی اور ہلکا پھلکا سا میک اپ کر کے اپنی تیاری کو اوکے کر دیا۔

کیونکہ وہ جانتی تھی روشین کے آتے ہی اسے ہیوی میک اپ کرنا ہو گا۔ وہ جیولری پہنائے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔ یہ سب کرنا اس کے لیے اس لیے مشکل تھا کہ اب وہ طلحہ کا کوئی بھی کمنٹس سننے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

جب تک طلحہ چینج کر کے آیا وہ صوفے پر بیٹھی میگزین میں مکمل طور پر غرق تھی۔ محض ایک نظر اریج کے وجود پر ڈالتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنانے لگا۔

exponovels

ارتیج کی نگاہیں بے اختیار ہی اٹھی تھیں۔ طلحہ نے خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکا تو پورا کمرہ مہک گیا اور وہ اس سحر زدہ سے ماحول میں بے ہوش ہونے لگی۔ نگاہیں بدستور طلحہ کے گرد طواف کر رہی تھیں۔ طلحہ نے اس کی اس قدر محویت دیکھی تو چہرے پر یکایک سے مسکان آن ٹھہری تھی۔ اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ارتیج کی نگاہیں مزید نہ اٹھ سکی تھیں۔

ابھی وہ سر جھکائے دوبارہ میگزین میں محو ہوئی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی وہ کھولنے کے لیے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ طلحہ اس سے پہلے آگے بڑھا تھا۔ روشین مسکراتے ہوئے اندر بڑھ آئی۔ طلحہ کو سلام کرنے کے بعد وہ ارتیج کے گلے لگ گئی۔

''بس اتنی مختصر سی تیاری..... تم اب شادی شدہ ہو چکی ہو۔ اب سے تمہیں بہت ویل ڈریسڈ اور میک اپ میں رہنا ہوگا۔''

روشین کے کہنے پر وہ چونک کر طلحہ کو دیکھے گئی۔ شادی شدہ ہو کر بھی وہ شادی شدہ کب تھی۔ جس شخص کو چاہا تھا اپنا سب کچھ مانا تھا اور پھر وہ اس کی نسبت اس کے ہمراہ بھی چلی آئی تھی مگر اس نے کب اسے دل سے قبول کیا تھا۔

طلحہ وہاں مزید نہیں ٹھہرا تھا کیونکہ اب روشین کا ارادہ اسے مزید تیار کرنے کا تھا۔

کچھ ہی دیر میں اس نے ارتیج کو بالکل دلہن کی مانند سجا دیا تھا۔

نیچے سبھی گیسٹ موجود تھے۔ اگر ارتیج سمپل سی جاتی تو آنٹی کے سسرال والوں کو ذرا اچھا نہ لگتا۔ دوسروں کے لیے ہی صحیح اب ارتیج چپ چاپ تیار ضرور ہوئی تھی۔

پھر روشین اسے لے کر نیچے چلی آئی۔ نگاہیں تھیں کہ زمین سے لگنے کے بعد پھر سے اٹھ نہ پا رہی تھیں

طلحہ سامنے ہی کزن کے ساتھ باتیں کرنے میں محو تھے۔

اس وقت لاؤنج میں بہت سے لوگ براجمان تھے ارتیج کے مما پاپا کے علاوہ طلحہ کی فیملی پھر آنٹی کے سسرال والوں میں ان کی ساس اور آنٹی کی نند اور بچے وغیرہ

ان کا آج کل میں واپس جانے کا پروگرام تھا مگر کل کا شاندار ولیمہ اٹینڈ کرنے کے بعد۔

اسے آتا دیکھ کر آنٹی آگے بڑھ آئی تھیں اور ارتیج کو طلحہ کے ساتھ ہی صوفے پر

جگہ دی تھی۔ پتا نہیں یہ کیسی رسم تھی۔ طلحہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ماشاء اللہ! بہت خوبصورت جوڑی ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔''

طلحہ کی دادی ماں نے دونوں کی ڈھیر ساری بلائیں لیں۔ خاندان میں وہی بزرگ خاتون تھیں۔ پھر انہوں نے ارتیج کے ہاتھ پر سرخ نوٹ رکھ دیئے اور سر پر بوسہ دیا۔

مما پاپا سے ملنے کے بعد ناشتے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بہت ہی مشکل وقت تھا اس کے لیے ساتھ میں بیٹھا شخص جو اس کا ہو چکا تھا مگر اس سے اس طرح سے بیگانہ بیٹھا تھا جیسے اس سے کوئی بھی رشتہ نہ ہو۔ طلحہ اس کے اندر ہونے والی اضطرابی کیفیت کو سمجھ رہا تھا جو بظاہر ناشتہ کرنے میں مگن تھی۔

سبھی خوش تھے۔ مگر ارتیج کے چہرے پر سنجیدگی واضح رقم تھی۔ جیسے اسے کوئی خوشی نہ ہوئی ہو۔ وہ کیا بتاتی طلحہ کو اس کی لاتعلقی کس قدر ہرٹ کرتی ہے اسے۔

خدا خدا کر کے ولیمے کا دن بھی خیر و عافیت سے گزر گیا تھا۔ پی سی ہوٹل میں ولیمے کا شاندار اہتمام تھا سب کے لئے بہت ہی شاندار اور خوبصورت وقت تھا جو کہ دونوں کے حوالے سے مقید کر لیا گیا تھا۔

پھر دھیرے دھیرے ہر کوئی اپنی لائف میں مگن ہو گیا اور طلحہ نے باقاعدگی سے آفس جانا شروع کر دیا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بیگانہ اپنی اپنی زندگی میں محو تھے۔ وہ ارتیج جو طلحہ کی خواہش میں اس مقام تک آن پہنچی تھی۔

اب اس سے کسی بھی طرح کا شکوہ نہیں کرتی تھی۔ اسے یہ نہیں کہتی تھی کہ اسے اس کی محبت چاہیے وہ اب اسکی بیوی ہے تو اسے وہ مقام اور توجہ چاہیے۔ سچ یہ تھا کہ اس کے جذبات و احساسات نے یکدم سرد مہری کی دقیق چادر اوڑھ لی تھی۔

وہ آنٹی کے ساتھ یا تو کام کرنے میں مگن ہوتی یا پھر باتیں کرنے میں اس کے آنے سے آنٹی کی تو زندگی جیسے مہک اٹھی تھی وہ اور انکل اسکی بلائیں لیتے نہ تھکتے۔

ارتیج کا زیادہ وقت آنٹی کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔

مگر وہ اس کے اور طلحہ کے مابین اس دیوار کو محسوس نہ کر پائی تھیں۔ کیونکہ طلحہ صبح ناشتہ کر کے نکلتے تو رات گئے دیر تک ہی واپس آتے۔ وہ اکثر سو چکی ہوتی تھی۔

طلحہ خود اس زندگی سے فیڈ اپ ہو چکا تھا۔ اسے غصہ اس بات پر آتا تھا کہ ارتیج

eponovels

اس کا ہر کام چپ چاپ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی مگر اس سے کبھی بھی کوئی فرمائش نہیں کرتی تھی۔ نہ ہی اس کو رات کو دیر سے آنے پر ٹوکا۔ اسے خوشی ہونے کے بجائے جھلاہٹ سی ہونے لگی تھی۔

انجانے میں وہ خواہش کرنے لگا تھا کہ طلحہ رات کو دیر سے گھر آئے تو وہ اس سے لڑے۔ اس کو اپنی اہمیت اور مقام کا احساس دلائے۔ اس سے روٹھ جائے تو طلحہ کو اسے منانا پڑے۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔

وہ جو اپنے سارے منجمد احساسات و جذبات کو دل کے دریچوں میں بند کر چکی تھی محض کٹھ پتلی کی مانند بی ہیو کرتی تھی۔ نماز پڑھ کر لمبی لمبی دعائیں اس کی سلامتی کی مانگتی تھی۔ مگر بذات خود اسے کبھی یہ نہیں کہا کہ اس کے پاس اریج کے لیے وقت کیوں نہیں۔ وہ تو بس چپ چاپ اسے رب سے مانگتی چلی جاتی تھی۔

خود شکوہ نہیں کیا مگر اس کی محبت کی آرزو ضرور کرتی تھی۔ اس کی لمبی لمبی دعائیں ہی تھیں جو شاید رنگ لائی تھیں کہ طلحہ کو اس بات کا احساس ہو چلا تھا کہ وہ اریج کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔ اس کا قصور کیا تھا۔ یہی کہ اس نے طلحہ سے بے حد محبت کی اور اسے پالیا۔

☆......☆......☆

اس رات آندھی اور بارش نے اچانک ہی بہت تیز رخ اختیار کر لیا تھا کہ طلحہ کو ڈرائیونگ کرنا بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ کراچی شہر کا ٹریفک اور رات کا وقت۔ مگر طلحہ نے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے بہت نارمل انداز میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال رکھی تھی۔

پورے دن کی تھکان سے پور پور دکھ رہا تھا۔ ایسے میں یہ موسم اور گھر پر وہ جائے نماز پر بیٹھی مسلسل درود پاک پڑھتے ہوئے اس کی خیریت سے لوٹ آنے کی دعائیں مانگنے میں مصروف تھی۔ آج کل ویسے بھی کراچی کے حالات خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ آئے دن ہنگامے اور دھماکے۔

وہ ٹریفک میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اور یہاں اریج کے اندر عجب سی ہلچل ہوتی چلی گئی۔

''کیا فرق پڑتا طلحہ! اگر آپ مجھے دل سے قبول کر کے میرے ساتھ پر تھوڑا خوش ہی ہو جاتے۔ مجھے محبت کی بھیک نہیں چاہیے مگر جب بیوی بنایا تھا تو باقی فرض بھی نبھاتے۔''

دعائیں مانگتے ہوئے آنکھوں سے اشک جاری تھے

روتے روتے آنسو بھی خشک ہو چلے۔ وہ تسبیح پڑھنے میں اس قدر محو تھی کہ اندر آتے ہوئے طلحہ کا وجود بھی نہ دیکھ سکی۔ وہ اسے اس طرح سے جائے نماز پر بیٹھا دیکھ کر بے یقینی کی سی کیفیت میں گھرا ہوا تھا

اس بات سے واقف تو تھا کہ وہ اس کیلئے دعائیں کرتی ہے اس کی خیریت و عافیت کے لیے دعائیں مانگنا اریج کو کس قدر اچھا لگتا تھا۔

بریف کیس سائیڈ پر رکھے وہ چینج کرنے کی غرض سے سامنے سے گزرا تو اریج یکدم سے جھکا ہوا چہرہ اٹھایا تھا۔

طلحہ آ چکے تھے بالکل خیریت و عافیت سے۔ انہیں ٹھیک ٹھاک سامنے دیکھ کر بے اختیار لب سے ''اللہ تیرا شکر ہے'' نکلا تھا۔

مگر یہ کیا طلحہ اس کے سامنے سے بے نیازی سے گزرتا واش روم کی جانب بڑھا کیونکہ وہ بارش میں اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔

اریج نے جائے نماز لپیٹی اور اس کے لیے چائے بنانے کے لیے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ حالانکہ طلحہ نے اس سے فرمائش نہیں کی تھی مگر وہ جانتی تھی اس سردی میں طلحہ کو چائے کی کتنی ضرورت ہوگی۔

☆ ایک پل کے لیے احساس بن کر آ جاتے ہو
دوسرے ہی پل خواب کی طرح اڑ جاتے ہو
جانتے بھی ہو کہ ڈر لگتا ہے تنہائیوں سے
پھر بھی تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہو

وہ چائے لے کر روم میں آئی تو طلحہ ہیٹر کے آگے بیٹھے ہاتھ سینک رہے تھے۔

چائے سائیڈ پر رکھ کر مڑی تو طلحہ نے اسے پکار لیا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اریج!''

آہ کتنے دنوں بعد وہ یوں مخاطب تھے جی چاہا سارا کچھ قدموں میں نچھاور کر دے۔

طلحہ بیڈ پر بیٹھ گئے اور وہ صوفے پر ٹک گئی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔

exponovels

''مجھے لگتا ہے کہ اب وہ وقت آچکا ہے کہ میں تمہاری ساری غلط فہمیاں دور کروں۔ ساری خفگیاں مٹا دوں۔ آئی ایم سوری اریج! میں تمہاری محبت کی قدر نہیں کر سکا'' طلحہ نے گھما پھرا کر بات شروع کی تو اس کی سانسیں یکدم سے تیز ہوتی چلی گئیں۔

''میں نے تمہاری محبت اور چاہت کو ہمیشہ ٹھکرایا اریج! کیونکہ میں اس سب کو محض بچپنا سمجھتا تھا۔ میرے نزدیک لڑکیوں کو اعتراف محبت نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر کوئی ان کو اعتراف محبت پر اپنی محبت دان نہیں کر سکتا'' اس نے آہستہ اور مدھم آواز میں کہا تو اریج نے چونک کر طلحہ کی جانب دیکھا

''محبت..... چاہت..... مجھے ان سب کے لیے وقت ہی نہیں ملا اریج! میں تو ایک پریکٹیکل اور سیدھی سادھی زندگی گزارنے والا عام سا شخص تھا۔ تمہاری محبت نے مجھے سرتا پا بدل کر رکھ دیا ہے۔ میں ان سب کو خرافت سمجھتا آیا ہوں کیونکہ میرے نزدیک محبت محض اپنی ذاتی چیزوں سے کی جائے جس کے اپنے ہونے کا یقین ہو تو زیادہ بہتر رہتا ہے۔ ورنہ ساری عمر پیاس، تشنگی اور رسوائی ہاتھ آتی ہے۔

پھر محبت کرنے کے بعد ایسا سمجھنا کہ وہ شخص ہمیں ہر صورت مل بھی جائے گا اسے پانے کے لیے ہر حد سے گزرنا بھی ضروری نہیں کیونکہ عملی زندگی میں سب باتیں محض افسانوی باتیں لگتی ہیں۔ حقیقت سے بہت دور۔

مجھے کسی صورت یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ تم میرے سامنے رو رو کر اپنے جذبات کو بے مول کرتیں۔ تمہاری عزت نفس مجروح ہوئی تو تکلیف ہمیشہ مجھے ہوئی اریج اور میں آج اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہوں کہ میں تم سے کل بھی بے حد محبت کرتا تھا اور آج اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں'' وہ بہت رسان سے ہر موقف کو اریج پر واضح کر گئے تھے۔

''تم خود ہی سوچو اریج! محبت کرنے کے بعد اس کا ڈھنڈورا پیٹنا کتنا اکورڈ سا لگتا ہے اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا شاید وہ ان جذبات و احساسات سے کھیلتا ضرور۔ مرد کے لیے یہ سب تو بہت ہی نیا اور اچھا ہوتا ہے مگر پھر جب عورت کو بے مول ہونا پڑے تو اس سے اس بات سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا اریج اور ہر شخص لفظوں کی آبیاری کرنا نہیں جانتا۔ ہر شخص محبت کے احترام اور پاسداری کا موقف سنبھالے رکھنے کا طرفدار نہیں ہو سکتا

طلحہ کی باتیں جیسے رگ و پے میں اترتی جا رہی تھیں ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے وہ

exponovels

اس کی بے وقوفیاں اس کی شدتیں اگر بے مول ہو جاتیں تو۔ پھر کچھ لمحے تک دونوں کے مابین گہری خاموشی چھائی رہی۔

''میں ضرغام کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے کہنے پر اپنا پرپوزل واپس لے لیا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری اس قدر چاہتیں بے مول ہو جائیں۔ میں واقعی میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے اس قدر چاہنے والی لڑکی ملی۔ جو ہر پل میرے لیے دعائیں کرتی ہے'' اب طلحہ کا موڈ تھوڑا فریش ہو چلا تھا۔

''یونہی دور بیٹھی سکتی رہو گی یا پاس بھی آؤ گی۔'' بے اختیار ہی طلحہ کے منہ سے پھسلا تو اریج کی آنکھوں سے اشکوں کا ایک سیلاب سا چل نکلا تھا۔

وہ اٹھ کر اریج کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور اسے خود سے لگا کر سہارا دیا تھا۔

کتنے دنوں سے وہ ضبط کی انتہائیوں کو چھو کر گزر رہی تھی۔ اب وہ اس کندھے کا سہارا حاصل کر پائی تھی۔ اپنے گرد وہ مضبوط حصار اسے اس بات کا احساس دلا رہا تھا کہ طلحہ اب اس کے ہیں اور وہ اسے دل سے قبول کر چکے ہیں۔

''اریج! تمہارے آنسو مجھے آج بھی اتنی ہی تکلیف دیتے ہیں جتنے پہلے دیتے تھے۔'' اپنے ساتھ لگائے وہ اسے چپ کروانے میں مگن تھا۔

''تم نے کبھی ایسی شادی دیکھی ہے کہ جس پر دونوں میاں بیوی بنا ہنی مون کے ہی اپنی زندگی گزار رہے ہوں'' وہ یکدم سے دور ہٹی

''نہیں نا اور تم نے کبھی اس قدر پاگل لڑکی دیکھی ہے جو اپنی محبت اور چاہت کو پا کر بھی اس سے بہت دور رہتی ہے ویسے تمہارے صبر و ہمت کی داد ضرور دوں گا'' اب وہ مسکراتے ہوئے اسے مسلسل چھیڑے جا رہے تھے

''طلحہ! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں''

''تم مجھ سے یوں دور دور رہو گی تو اور کر بھی کیا سکتا ہوں''

''جی۔'' وہ حیران ہی تو تھی اس کی باتوں پر۔

''او کے! یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے ناراض تو نہیں۔ تمہارے دل میں کوئی رنج تو نہیں'' طلحہ نے اسے پیار سے خود سے قریب کرتے ہوئے پوچھا تو جواب نفی میں ملا۔

''اچھا تو پھر پیار کرنے کی اجازت تو دے دو گی نا۔'' وہ تیزی سے نفی میں سر ہلا

گئی۔ تو طلحہ ہنسنے لگے۔

''میں تم سے اجازت مانگوں تب نا، مجھے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

طلحہ نے یہ بات کہہ کر بلا شبہ بہت معتبر کر دیا تھا۔ وہ اس شخص کے حصار میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کر رہی تھی۔ خدا تعالیٰ کا جس قدر شکر کرتی کم تھا۔

اسے نہ صرف طلحہ کی محبت ملی تھی بلکہ وہ احترام بھی ملا تھا جس کی ہر لڑکی تمنائی ہوتی ہے مگر طلحہ کی باتیں ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان باتوں کے معنی کیا تھے وہ پہلے اگر سمجھ پاتی تو شاید ان کے درمیان وہ سخت گیر لمحے نہ آتے۔

خیر یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا کیونکہ طلحہ نے اس کی برستی آنکھوں میں خوشبوؤں کے خواب بھر دیئے تھے۔ اسے اپنے پیار اور توجہ سے مکمل کر دیا تھا پھر طلحہ کے سنگ وہ خوشبوؤں بھرا سفر کرنے چلی تھی۔ جہاں محبت کی حسین وادیوں میں پیار ہی پیار تھا اس کے لیے!!

ہواؤں کی تحریر کس نے پڑھی ہے

دھنک رنگ آنکھوں میں سمٹ آنے کو بے قرار تھے۔ خوشبوؤں کے آتے جھونکے دل و جان کو معطر کر دینے کے لیے کافی تھے کیسی یہ انجانی سی ہوا چلی تھی بدن میں کہ سنسناہٹ سے پورا وجود بے قرار ہونے لگا۔ کتنے دنوں بعد کھل کر رونے کو جی چاہا تھا۔ کتنے ماہ گزر گئے تھے 3 ماہ ...... آہ! یہ تین ماہ گزر بھی گئے۔ ان لمحوں کو ذرا تو ترس آتا کہ کوئی تو سچائے کا در کھلتا۔ کوئی زخم جگر تو بھر پاتا۔ مگر زخم کیسے بھرتا۔ اس نے زخم کو بھرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

تنہائی عذاب ہوتی ہے۔ خوابوں کو چھین لینے والی حقیقت کا تلخ راستہ سونپ دینے والی......!

تنہائی ہم سفر نہ ہو تو کیا......؟

کوئی چارہ گری ہوتی تو یہ انجانے گھاؤ بھی دھیرے دھیرے مندمل ہونے لگتے مگر نہیں! ان گھاؤ کو تو شوق تھا۔ حادثات کے روپ میں سامنے آ کھڑے ہونے کا......! وہ زخم مگر یونہی اچانک ملے تھے تبھی تو درد ہی درد تھا۔ ارد گرد محض بکھری ہوئی آہیں تھیں۔

لاشیں تھیں امیدوں کی!

ٹوٹی ہوئی سانسیں تھیں!

مگر حقیقت ایسی ہی تو! پھر ہم کیا ہیں؟ حقیقت سے اس قدر دور!

جھنجھلاتے ہوئے میز پر سے کتاب اٹھائی۔ جو اس نے کچھ دنوں پہلے ہی خریدی تھی یہ ادب کا خوبصورت سا مجموعہ اس کی تنہائی دور کرنے کا بہترین ساتھی تھا۔

پروین شاکر کو پڑھتے ہوئے اس کی پلکیں پھر سے بھیگتی چلی گئیں گویا کہ اس کتاب میں کچھ ایسا ہی ہوا ہو۔ کوئی چارہ گری کی ہو۔!

''وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھوں گی کیسے مناؤں گی

exponovels

اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

اپنی بھیگی پلکوں کو صاف کرنے کی زحمت بھی نہ کی کہ یہ آنسو بھی تو اس کے ہم نوا تھے بہترین دوست تھے۔

جیتے ہوئے پل گزارنے سے انکار کر دیں تو زندگی ساکت نہیں ہوتی بس ٹھہر ٹھہر کر چلتی ہے پھر زیست میں اذیت ہی اذیت ہوتی ہے اگر سب سے پیارے رشتے ہم سے چھن لئے جائیں تو ہم بالکل خالی برتن کی مانند ہو جاتے ہیں وہ بھی تو خالی برتن ہی تھی کس قدر پیارے رشتے اس سے جدا ہوئے تھے ایک پل چند سیکنڈ میں! وہ بکھری ہوئی لاشیں وہ بکھرے ہوئے کفن انساں ہائے ...... وہ آہٹیں انجانی تھیں کہنے کو لفظ نہ تھے دل بے قراں میں بس اذیت اور رقت جاں ہی تھی۔ کوئی ایسے بھی روٹھ کر جاتا ہے۔ آٹھ اکتوبر یہ دن کس قدر اذیت وحشت ناک تھا۔ کاش یہ دن ہی نہ آیا ہوتا یہ دن ہی تو تھا جو اس سے اس کے سب سے پیارے رشتے چھین کر لے گیا۔ وہ ان کے پاس ہوتی تو کیا بچا لیتی۔ وہ کون تھی ان کی زندگی کا فیصلہ کرنے والی۔ مما پاپا اور بھائی، جو جان قربان کر دینے والا تھا اور والدین ان کے لئے تو الفاظ ہی نہیں ملا کرتے کیا ان رشتوں سے بڑھ کر کوئی اور مقدس رشتے ہو سکتے ہیں پل بھر کے لئے سب چھوڑ چھاڑ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی میشیت ایز دی۔!

جہاں اس کی مرضی آجائے۔ وہاں پر سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہوتا ہے پھر اس کی مرضی اس قدر پُر اذیت کیوں ہوتی ہے؟ وہ آزمائش بھی کرتا ہے تو اس طرح سے!

وقت اور حالات کے تابع ہو جانا ہی اس کی رضا میں شامل ہو جاتا تو وہ بھی اب عزوجل کی مشیت میں شامل ہو گئی تھی پر دل ناتواں...... اسے کون سمجھائے۔

''میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں
حادثہ کیا تھا جسے دل نے بھلایا بھی نہیں
جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی
تم چلے ہو تو کوئی روکنے والا نہیں''

حسن کی تصویر پر لب رکھتے ہوئے وہ بہتے ہوئے آنسو نہ روک سکی۔ وہ جو اس سے کہتا تھا۔

''آپی! میں پائلٹ بنوں گا۔ ورلڈ ریکارڈ قائم کر دوں گا خوب تیز ایئر شپ

اڑاؤں گا۔ اور جب تھک جاؤں گا تو اسے پہاڑ میں دے ماروں گا۔'' وہ ایف ایس سی میں ہی تو آیا تھا ابھی! مگر قسمت میں کہاں تھا اس کا پائلٹ بننا۔ مگر وہ تو شہید ہوا تھا اور شہید مرا نہیں کرتے۔ اسے خوشی ہونی چاہیے کہ بھی زندہ تھے انہیں جنت میں وہ مقام ملا ہو گا۔ جو شہیدوں کو ملتا ہے حسن کی باتوں نے اسے رنجیدہ کر دیا۔ وہ تھا ہی اتنا خوبرو جوان! کہ دنیا اسے دیکھتے ہی رشک کرتی تھی۔

''بہت یاد آئے ہو حسن! سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے میں تنہا ہوں مما میں اکیلی ہوں'' اس کے کندھے پر دھرے ہوئے ہاتھ کا لمس چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹانے پر مجبور کر گیا۔

''تم تنہا نہیں ہو فی البدیع تم تنہا کیسے ہو سکتی ہو۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ تمہارا رب تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تم تنہا نہیں ہو۔'' وہ آنکھیں اسے ہمت دینے کے لئے کافی تھیں مگر ہمت بھی اب تو روٹھ کر کہیں دور جا چھپی تھی۔

مورے جان کو قریب ہی کھڑا دیکھ کر وہ بغور انہیں تکنے لگی۔ آنکھوں میں خفگی کے بہت گہرے سائے تھے وہ انہیں کیوں بھول گئی تھی۔ پاپا مما اور بھائی کے بعد انہی کا وجود تو تھا۔

مورے جان کی یہ تسلی کافی نہیں تھی تو کیا ہوا ان کا وجود گہرے سائے کی طرح گھنا اور متفق تھا وہی تو تھے جنہوں نے ہر کڑے وقت میں اسے سہارا دیا تھا۔

''میری بچی! اتنی کمزور کیسے پڑ گی آج۔ جو دوسروں کو ہمت دیتی ہے وہ آج کیسے ہمت ہار گئی۔'' اس بوڑھے وجود پر نقاہت کا عنصر ضرور تھا۔ مگر آواز کس قدر با حوصلہ تھی۔

''آپ مجھے مضبوط کیوں سمجھتے ہیں مورے جان! میں تو بہت کمزور ہوں مجھے ہمیشہ کیوں اس بات کا احساس دلانے کی کوششیں کرتے ہیں کہ میں انسان نہیں فرشتہ ہوں۔ میرے سینے میں دل ہے نا۔ یہ دل درد سے مزین ہے۔ آپ مجھے سمجھ کیوں نہیں پا رہے ہیں'' ان کے سامنے کھڑی تر آنکھوں سے قدرے درشتگی سے بولی۔

''میں زندہ ہوں کیوں؟ آپ یہ نہیں جانتے میرا زندہ ہونا نہ ہونا برابر ہے کیوں مورے جان میں کہاں سے لاؤں ہمتوں کے بادل کہ وہ مجھ پر برسیں کر کچھ اور کرم کریں۔ میں مضبوط نہیں ہوں'' اور اگلے ہی لمحے مورے جان نے اپنی اس باہمت نواسی کو ٹوٹتا پھوٹتا دیکھ کر سینے سے لگا لیا۔ وہ آج بھی وہی فی البدیع لگ رہی تھی ضدی سی۔

''بس کرو بچے! اتنی بڑی ہو کر بھی روتی ہو اب تو میں بھی تمہاری طرح ہی رونا شروع کر دوں گا۔'' انہوں نے اسے دھیرے سے گھرکتے لہجے میں کہا۔ جب وہ رو رو کر

exponovels

تھک چکی تو جیسے ڈھیروں سکون رگ و پے میں اتر گیا تھا تشنگی کا دیرپا احساس کم ہوتا محسوس ہوا" مجھے تمہارے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے پینی ہے چلو جلدی سے کچن میں جاؤ اور چائے بناؤ۔ آنسو رگڑ کر پونچھ ڈالے۔ اور ان کی شفقت بھری مسکان پر وہ سر ہلاتی کچن کی جانب بڑھی جبکہ انہوں نے صوفے پر افسردہ انداز میں بیٹھتے ہوئے نیوز پیپر اٹھا لیا۔

آٹھ اکتوبر کے بدترین سانحے کو گزرے 2 سال ہو چکے تھے وہ سانحہ جو کہ غریب بستیوں اور مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے طوفان قیامت لے کر آیا تھا۔ وہ مناظر کیسے بھلائے جا سکتے تھے۔ وہ بکھرے ہوئے لاشے جنہیں کفن تک میسر نہ تھا اور زمین میں جگہ کم پڑ گئی تھی چیخ و پکار آہ و فغاں! بے قراں و بے ساماں وجود یہ سب بھلانے والے مناظر تو نہ تھے اس دھرتی کو نہ جانے کس کی نظر لگی تھی وہ خوبصورت سے دلکش مناظر جنہیں دیکھ کر نگاہ یسر نہ ہوا کرتی تھی۔ جنہیں دیکھنے کے بعد کچھ بھی دیکھنے کی حسرت نہ رہتی اس پاک دھرتی نے یہ کیسا ماتم کناں لباس اوڑھ لیا۔ بے سروسامانی کی حالت تھی۔ کیا نظارہ تھا۔

ایسے میں کیا ہوا تھا؟ مسلمانوں نے ایک دوسرے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ امداد دی تھی سامان کفن پہنچایا گیا۔ بس سوچیں محدود کرنی پڑتی ہیں کہ یہ سوچیں بہ اذیت ناک تھیں مورے جان کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

آج اگر وہ زندہ تھے تو صرف اور صرف فی البدیع کے لئے ورنہ ہمت تو نہ تھی خواہش تو نہ تھی جینے کی۔ یہ کیسا المیہ تھا کیسا فیصلہ تھا قدرت کا۔

"میں اس ملک و قوم کے لیے جیوں گی مورے جان مجھے دھرتی پر ہوتے ظلم برداشت نہیں ہوتے۔" اس سانحے کے بعد فی البدیع روتے ہوئے کہتی۔ پھر وہ ڈاکٹر بنی تھی اس سانحے نے یہ کیسی ہمت دے دی تھی کہ اس نے اپنا ڈاکٹری کا خواب ادھورا نہ چھوڑا بلکہ یہ خواہش اور بھی زیادہ پختہ ہو گئی تھی۔ اب تو یہی زندگی کا اصل مقصد تھا۔ اس نے بکھرے ہوئے زخمی لوگوں کو بے سہارا جو دیکھا تھا ڈاکٹرز تک میسر نہ آئے تھے فی الوقت! ی احساس بھی تو اس کو گزارا کہ ہماری اس پاک دھرتی پر کس قدر کمی ہے ڈاکٹرز کی وہ سوچتی تھی پھر تو ہر لمحہ جیسے اسی سوچ میں گزرا کہ اب سب کچھ وہی کرنا ہے۔ جو اس دھرتی کی ڈیمانڈ ہے۔

آج کل وہ نیورو سرجن (اسپیشلسٹ) ڈپلومہ کر رہی تھی اسی دوران ریسرچ اور ٹریننگ کا کام بھی ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تو اسلام آباد سے دور کسی کوچے میں چلی جاتی مگر

کیسے۔ گلگت میں بے طرح سے یادیں بکھری تھیں مہندم خاکوں سے وطن کی مٹی کے ماتم کی خوشبو آتی تھی۔

ان دنوں جو 18 اکتوبر کو زلزلے کے شدید قسم کے جھٹکوں سے زمین ہل گئی۔ تو قدرت کے اس فیصلے پر بہت سے وجود عمارت ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے تھے۔

تو وہ مورے جان کے ساتھ کراچی میں تھی وہ وہیں پر تھے اپنے کام میں مصروف اور فی البدیع ان سے بہت زیادہ اٹیچ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس رہنے اکثر وہ بیشتر جایا کرتی تھی اب بھی میڈیکل لائن جو اس نے بہت بددلی سے جوائن کی تھی وہ مورے جان کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں کرتی وہ اسے ہر طرح سے حوصلہ دیتے تھے ہر طرح سے اسے سپورٹ کرتے۔ مورے جان وہ شخص تھے جنہوں نے اپنی بیشتر زندگی تعلیم دینے میں گزاری اور وہ دینی و دنیاوی تعلیم پڑھ کر ہر طرح کے حالات سے آگہی رکھتے تھے اس قدر علم کی بہتات تھی ان کے پاس اکثر لوگ ان کے پاس اپنے مسائل کے حل کے لئے آیا کرتے تھے۔

"میں آپ جیسی بننا چاہتی ہوں مورے جان!" وہ بہت فخر سے ان کی طرف دیکھ کر کہتی۔ تو راکنگ چیئر پر کتاب پڑھتے ہوئے مورے جان اسے دیکھ کر مسکرا دیتے۔

"مجھے زندگی کا اصل مقصد تلاشنا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا مورے جان کے آپ مجھے کوئی طریقہ بتا دیں میں اس دنیا کو مسخر کر لوں اس میں چھپے راز کو تلاش کر لوں" اور وہ راز تو فی البدیع نے اس طرح سے پایا تھا کہ خود کو تلاشنا بھی بہت مشکل لگا تھا۔ کوئی پوچھے تو ان نوجوانوں سے جو اس وطن کی دھرتی کی حفاظت کس طرح سینہ سپر کر کے کرتے ہیں۔ پھر ان ماؤں کے لخت جگر کے حوصلہ حب الوطنی کے جذبے کو سلام پیش کرنے کو جی چاہتا تھا مگر۔ ان نوجوانوں کے بہتے ہوئے خون کی کیا قیمت لگاتے ہیں ہم؟ اپنی دھرتی کی مقدس خاک کو اپنے ہی ہاتھوں سے آلودہ کر دیتے ہیں ح اپنے گندے عزائم کرائمز کی شکل میں دھرتی کو بکھیرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ شاید یہی اس دھرتی کی محبت کا صلہ ہے جس سرزمین پاکستان نے ہمیں جو کچھ دیا۔ بدلے میں اہم اپنی جان کو دھرتی کی عزت سے زیادہ مقدم سمجھ کر سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ سوچوں کے اسی دلدل سے نکل کر وہ خود کو اس سرزمین کے لئے وقف کرنے کا عزم رکھے ہوئے تھی۔

"کام میرے بدن میں بہتے ہوئے خون کا ایک قطرہ اس پاک سرزمین کی ٹھنڈی ٹھنڈی فضاؤں کو شادابی دینے کے لیے وقف ہو۔" فی البدیع کی یہ سوچ تھی۔ جو اس

exponovels

کے جینے کا بیا خاص بن چکی تھی۔

☆......☆......☆

آج حمیرا کا فون آیا تو اسی نے اٹینڈ کیا۔ سنڈے کی وجہ سے وہ ہاسپٹل نہیں گئی تھی گھر میں بیٹھی میگزینز پڑھتے ہوئے وقت کو گزارا تھا۔ پھر مورے جان سنڈے کے روز اپنے پسندیدہ مشغلے راوانہ ہو جایا کرتے تھے قریبی گاؤں میں ان کے بے حد اچھے جاننے والے تھے مورے جان وہاں جا کر کھیتوں میں بیٹھے ان سے باتیں کرتے وہ لوگ بہت خواہاں رہتے مورے جان ملنے کے لئے پھر وہ کچھ اشیاء غریب بچوں میں تقسیم کرتے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو گود میں بٹھا کر کھلاتے غرض پورا دن انہی لوگوں کیلئے وقف تھا۔ وہ اس طرح سے ان لوگوں میں تعلیمی شعور بیدار کرنے لگے تھے ان کی محبت کا ایسا اثر چڑھا تھا کہ سب لوگ اپنی دینی مسائل ڈسکس کرتے اگر دیکھا جاتا تو وہ تبلیغ کا ایک اہم کام بہت بہتر طریقے سے سرانجام دے رہے تھے۔

گیریزین پارک میں آئے دونوں کو آدھے گھنٹے سے اوپر ہونے والا تھا۔ حمیرا کی سنگت کافی خوش کن تھی تبھی تو سارے دکھ پل بھر کے لیے بھولتے محسوس ہوتے ویسے بھی وہ رب تعالیٰ صبر عطا کرتا ہے۔ کیونکہ وہی تو ہے مالک خالق!

ہم سے بہتر ہمیں سمجھنے والا جاننے والا! مسکراتی ہوئی شام کے گزرنے کا احساس بڑا خوش کن تھا شام تو تاریکی کا عنصر ہوتی ہے اسے ڈھلنا تو پڑتا ہے

''تمہیں پتا ہے فی البدیع! جب سے میں نے آفس جوائن کیا ہے۔ باس صاحب کے تو ڈھنگ ہی نرالے لگنے لگے ہیں۔ کیا چیز ہیں وہ......؟ مائی گاڈ مجھے دیکھتے ہیں تو ماتھے پر ایسے بل چڑھاتے ہیں جیسے میں نے اس کا قرضہ لیا ہو۔

میں بھی خوب سیدھا کر کے رکھتی ہوں'' حمیرا نے حالات حاضرہ کی رپورٹ گوش گزار کر دی۔ تو فی البدیع مسکرانے لگی وہ سنگل بینچ پر فی البدیع کے ساتھ بیٹھی چپس کے ساتھ کوک پیتے باتوں میں مگن تھی۔

''میں اتنا تنگ کر کے رکھتی ہوں کہ مجھے ڈانٹنے کی فرصت نہیں ملتی۔''

''زندگی کو ایسے جو چاہیے حالات کو اپنی مٹھی قید میں کرنا کس نے سیکھا ہے کوئی کر بھی کیسے سکتا ہے حالات کو بلکہ بس خود کو حالات کے تابع کرنا آنا چاہیے'' حمیرا مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر اس پر بہت گہری بات باور کر گئی تھی وہ سر جھکائے بس یونہی بیٹھی رہی۔

''پتا ہے ایک دن کیا ہوا۔ مجھے اپنے کیبن میں بلا کر کہنے لگے مس حمیرا! مجھے آپ سے شکایت ہے تم سوچ سکتی ہو۔ باس کی اس بات پر ورکرز پر کیا گزرتی ہے میں ڈرنے کی بجائے مسکرانے لگی۔ تو وہ حیرانی سے میری طرف دیکھ کر کہنے لگے میں نے آپ سے ایسا کیا کہہ دیا تو میں نے جھٹ سے کہا آپ کو مجھ سے اب شکایت ہے خوشی ہوئی یہ جان کر ورنہ میں تو سمجھتی تھی آپ کو مجھ سے اول روز سے شکایت ہے بلکہ تکلیف ہے'' اپنی بات بڑی دیدہ دلیری سے کرتے ہوئے وہ قہقہہ لگاتے ہنسنے لگی تو فی البدیع کہتے ہوئے رہ نہ سکی تھی۔

''تم تھکتی نہیں ہو ہنستے ہوئے؟'' یکدم ہی فی البدیع نے اسے کہا۔ تو وہ بغور دیکھتے ہوئے بولی

''تم تھک جاتی ہو؟ فی البدیع نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''مگر تم کیسے تھکتی ہو۔ تم تو کبھی ہنسی بھی نہیں ہو۔ جب ہنسو گی تو پتا چلے گا کہ ہنستے ہوئے کئی تھکتا نہیں ہے ویسے کنجوسی کی بھی حد ہوتی ہے۔ کیا خیال ہے محترمہ؟''

''شٹ اپ، فی البدیع نے کوک ختم کرتے ہوئے سائیڈ پر خالی بوتل دھری اور اپنے گرد اوڑھی چادر سمیٹتی کھڑی ہوگئی۔

''تم سے کسی نے نہیں کہا کہ تمہیں شٹ اپ کے علاوہ اور بھی انگلش لینگویج سیکھنی چاہیے ایک ہی لفظ کو بار بار بولنے سے لفظ کو گھن لگ جاتا ہے۔'' حمیرا نے ازلی ڈھٹائی سے شان ادا سے اسے کہا فی البدیع کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چلنے لگی۔ یونہی ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ بھٹکی تھی۔ سامنے موجود انجانے منظر پر ٹھہر گئی اپنی ہی ذات میں مگن کوئی نازک سی لڑکی بینچ پر بیٹھی کتاب لئے ہوئے تھی۔ وہ تنہا نہیں تھی آہ...... وہیل چیئر پر بیٹھا کوئی شخص قریب ہی تھا وہ شاید مسکراتے ہوئے اسے کچھ سنا کر خوش کرنا چاہتی تھی۔ دائیں سائیڈ پر سے سر کو وہیل چیئر کے بازو پر ٹکاتے ہوئے وہ شخص نارمل قطعاً نہیں لگ رہا تھا۔ حمیرا نے یکدم ہی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

''ڈاکٹر صاحب جانتی ہوں آپ بہت رحم دل ہیں اب رونا مت شروع کر دیجیے گا آپ سے کوئی بعید نہیں دوسروں کا غم بھی اپنے اندر محسوس کرنے لگتی ہیں'' وہ ٹھہری تو حمیرا نے اسے چھیڑتے ہوئے مذاق سے کہا۔

وہ ادھورا ہو کر کس قدر بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ کیا ہوا ہو گا اس کے ساتھ۔'' منہ سے یکدم ہی یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔

exponovels

"اس کے ساتھ جو بھی ہوا ہے فی البدیع! یہ اس کا اپنا معاملہ ہے تم ڈاکٹر ہو ٹھیک ہے۔ نیورو سرجن بن رہی ہو۔ سب پر احسان ہے مگر تم نے اس پورے پاکستان کے بیمار لوگوں کا ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا۔ حمیرا نے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے اور تلخی سے کہتی ساتھ چل پڑی کیونکہ وہ جانتی تھی فی البدیع اگلا قدم ہمدردانہ کچھ بھی اٹھا سکتی ہے

"ایسے مت کہا کرو حمیرا! بعض باتیں مذاق میں بھی اچھی نہیں لگتیں۔ فی البدیع اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہاری آج تک سمجھ نہیں آئی فی البدیع! کیا تم مجھ پر مکمل طور پر عیاں ہو سکتی ہو اپنے دل کے چیمبرز کھول سکتی ہو پلیز"

ساتھ چلتی ہوئی فی البدیع نے خفگی سے اسے دیکھا۔

یونہی واک کرتے ہوئے حمیرا نے چاکلیٹس اور چیونگم لینے کی فرمائش کی پھر خود ہی سامنے موجود کنٹین سے جا کر کچھ خریدنے لگی۔ وہ وہیں کھڑی تھی اس سامنے والی پہاڑی سے کچھ دور! مڑ کر بے اختیار ہی اس اجنبی منظر کی جانب دیکھا تھا۔ سبھی مکمل لگ رہے تھے۔ خوش تھے بس وہ وہیل چیئر پر بیٹھا شخص چپ سادھے ہوئے تھا وہ لڑکی اسے خوش کرنے کی حتی المقدور کوششیں کر رہی تھی۔

ایسے بھی تو جیا جاتا ہے وہ کیوں قدرت سے شکوہ کناں تھی۔ امید کیوں چھوڑے بیٹھی تھی۔ قدم خود بخود ہی اس پہاڑی کی جانب بڑھے اور سر جھکائے وہ اوپر چڑھنے کی سعی کر رہی تھی مگر اچانک ہی وہیل چیئر پر بیٹھے شخص نے آگے کی طرف جانے کی کوشش کی۔ اور وہیل چیئر اگلے ہی پل لڑکھڑاتے ہوئے پہاڑی سے نیچے جانے لگی۔

"او مائی گاڈ......! وہ بدحواس ہو کر اس پر بیٹھے شخص کو دیکھے گئی۔ وہ لڑکی بالکل انجان تھی۔ پہاڑی سے اس طرف نیچے پتھر پڑے ہوئے تھے اس کا زخمی ہونا لازمی تھا۔ مگر فی البدیع نے تقریباً بھاگتے ہوئے وہیل چیئر کو روکا تھا اور اس پر بیٹھے ہوئے شخص کو یکدم ہی کھینچ کر زمین پر بٹھانے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ اس مقصد میں بمشکل ہی کامیاب ہو سکی تھی وہیل چیئر بری طرح سے نیچے گرتی ہوئی پتھروں سے ٹکرا کر سائیڈ پر گری تھی۔ جبکہ فی البدیع قریب پڑے شخص کو تھامے گرنے سے روک گئی تھی۔

لمبے چوڑے وجود کا اس طرح سے بے بس ہو کر زمین بوس ہونا اسکی پلکیں بھگو گیا۔ حمیرا نے حیرانی سے اسے یہ سب کرتے دیکھ کر اس تک پہنچنے میں دیر نہ لگائی۔ جو اس

کے سینے پر ہاتھ دھرے بکھری سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی جب کہ اس شخص سر ٹانگوں پر دھرا تھا اور اسطرح سے اسے پکڑ رکھا تھا جیسے ذرا بھی دیر کی تو وہ اپنا توازن کھو کر خود بھی لڑھکتی چلی جائے گی۔ حمیرا بھاگتی ہوئی اس تک پہنچی تو اس کی مدد کر کے بمشکل ہی اس شخص کر سر سائیڈ پر کیا ہاتھ وہیل چیئر سے ٹکرا کر زخمی ہوا تھا۔

حمیرا نے سب چھوڑ چھاڑ کر اس کا ہاتھ دیکھا تو خون کے دھار نے اس سے بے چین کر دیا۔

"او تھینکس......آپ نے میرے بھائی کو بچا لیا۔ میں آپ کا یہ احسان ساری عمر نہیں بھول پاؤں گی وہ پینچ والی لڑکی اسے زمین پر بیٹھا دیکھ کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"آپ کیسی بہن ہیں......اپنے بھائی کی ذرا پرواہ نہیں اگر کہیں گر کر زخمی ہو جائے تو پھر" حمیرا نے تندہی سے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حمیرا! ڈونٹ بی سلی! آپ انہیں دیکھیے پلیز" فی البدیع اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ لڑکی وہیل چیئر بمشکل ہی گھسیٹ کر سمپل راستے سے وہاں سے لائی تھی۔

تینوں ہی نے جیسے تیسے اس لمبے چوڑے وجود کو وہیل چیئر تک گھسیٹا تھا۔

"آپ کو ضرورت کیا تھی انہیں اتنی اونچی ہل پر لانے کی" فی البدیع کے لبوں نے بے اختیار ہی نکلا۔ اس لڑکی نے مسکرا کر دیکھ اور چیئر گھسیٹتے ہوئے وہ دونوں حیرانی سے منہ پر ہاتھ رکھے اس لڑکی کو جاتے دیکھتی رہیں۔

"یہ مسکرا کر کیوں گئی ہے حمیرا! میں سمجھ نہیں پائی۔" فی البدیع ابھی تک ورطہ حیرت میں ڈوبی کھڑی تھی۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے آؤ میرے ساتھ۔" وہ زبردستی اس کا ہاتھ تھامے گیٹ کی جانب بڑھی۔

اس سے زیادہ چونکا دینے والا منظر تو وہ تھا۔

وہ لڑکی ڈرائیور کو مسکراتے ہوئے وہیل چیئر اندر ڈگی میں رکھنے کا کہہ رہی تھی جبکہ وہیل چیئر والے حضرت ہشاش بشاش کھڑے موبائل پر باتیں بھگارنے میں لگے ہوئے تھے۔

"اوئی گاڈ! اتنا برا دھوکا چھوڑوں گی نہیں میں اس شخص کو فول بنا کر چلا گیا اچھا خاصا......" حمیرا نے حیرانی اور غصے سے کہا۔ ابھی وہ آگے کی جانب بڑھنے ہی والی تھی کہ فی

exponovels

البدیع نے اسے روک دیا۔

''پاگل مت بنو چھوڑو پرے ...'' وہ حمیرا کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر چپ چاپ گاڑی کی جانب بڑھیں اور جان بوجھ کر ان کی گاڑی کے آگے سے لاتعلق ہو کر گزریں شیراز مصطفیٰ نے موبائل آف کرتے ہوئے انہیں بغور دیکھا۔ چہرے پر بے اختیارہ مسکراہٹ آ گئی۔ اسی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر فرنٹ سیٹ پر برا جمان ہو گیا۔ ان کی گاڑی چلتے ہی حمیرا نے گاڑی ان کے پیچھے دوڑا دی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' فی البدیع نے حیرانی سے اسے انجانے رستوں پر جاتے دیکھ کر پوچھا۔

''اس شخص کا پیچھا کر رہی ہوں دیکھنا چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ بھی اپنی ضد میں پکی تھی۔

''ضروری تو نہیں حمیرا! ہم ان سے بدلہ لیں ہو سکتا ہے وہ شخص محض ایڈونچر کرنے کی غرض سے آیا ہو۔'' فی البدیع نے کب سکھا تھا کسی سے بدلہ لینا۔ وہ تو کسی کو دکھ دینے کے لفظوں سے ہی انجان تھی۔ مگر حمیرا نے ان کو ڈیفنس ایریا میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر دم لیا۔ جب تک وہ لوگ اسٹاپ نہیں ہوئے وہ پیچھا کرتی رہی۔

پھر جونہی گاڑی ''زیدی ہاؤس'' والے بنگلے پر پہنچی حمیرا نے گاڑی آگے نہ بڑھائی۔

انہیں گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی بہر کیف حمیرا مقصد میں کامیاب ہوئی تھی دونوں جونہی گیٹ سے اندر داخل ہوئیں مورے جان لان میں ٹہلتے نظر آئے۔

''تمہاری وجہ سے اتنی دیر ہو گئی اب ڈانٹ کے لئے تیار کر لو خود کو''۔ فی البدیع نے اسے چوکنا کیا۔

''ہاں تم ہاتھ پر مرہم لگا لینا مورے جان سے چھپا کر اور کم آن کچھ نہیں ہو گا'' .رنے کے باوجود ایسے اگنور کرے گی جیسے وہ انہیں چھ نہیں کہیں گے۔

''اسلام علیکم مورے جان! کیسے ہیں آپ؟'' گاڑی سے نکلتے ہی حمیرا اس کا تھ تھامے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی مورے جان کے قریب آن رکی انہیں جھٹ سے ملام کیا وہ ان کی جانب خفگی سے دیکھنے لگے مگر بولے کچھ نہیں۔

''میں جانتی تھی مورے جان! آپ واپس آ چکے ہوں گے اور تو اور ہمیں مس بھی کیا ہو گا۔ میں نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی جلدی آنے میں بس وہ پھر بھی دیر ہو گئی کیا ہے نہ وہ وہاں آج تو سنڈے تھا نا تو ہم ...'' ان کی مسکراتی نگاہیں حمیرا کو چپ ہونے پر مجبور

کر گئیں۔

''میں نے کوئی صفائی مانگی ! '' مورے جان کے اتنا کہنے پر دونوں کی جان میں جان آئی۔

''مگر آئندہ تم دونوں اتنی دیر نہیں کرو گی بچیاں دیر تک باہر نہیں رہا کرتیں''۔ وہ بہت شگفتگی سے اور سلجھے ہوئے طریقے سے اپنا موقف سمجھا گئے تھے ان کی یہی شفقت تو باعث رحمت تھی۔

زور زبردستی کہ بجائے بہت پیار اور محبت سے انہیں آئندہ کے لئے انہیں بریفنگ دی تھی۔

☆.....☆.....☆

مری اور گلگت میں سردی کا زور اچانک ہی بڑھا ہر سو خنکی پر پھیلائے آن موجود ہوئی تھی۔

غریب و بے بس لوگ ابھی بھی اس پژمردہ حالت میں تھے نہ تو انہیں گھر کے نام پر چھت میسر آئی تھی نہ ہی مکمل طور پر وہ خود کو سیٹلکر پائے تھے مگر ایسا نہ تھا کہ حکومت یا عوام ان کی مالی اعانت نہیں کر رہے تھے یا کہ انہیں کسی طرح کی کوریج نہ مل پائی تھی۔

جہاں ان کی امداد کے لئے عوام سرگرم عمل تھی وہیں آرمی اور حکومتی ادارے بہت تیزی سے ان لوگوں کی امداد کر رہے تھے۔

مگر چونکہ نقصان بہت برا تھا دھچکا بہت برا تھا سو بلاشبہ سنبھلنے میں وقت تو لگنا تھا۔

ایسے مواقع پر حب الوطنی اور جذبہ ایمانی کو ابھرنے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے بلاشبہ ایسا ہی ہو رہا تھا سب لوگوں سے امداد کی اپیل کی گئی تو کوئی ایسا شاید ہی ہو جو کہ مسلمانوں کے درد کو محسوس کر کے بھی مدد نہ کرے۔

غرضیکہ یہ کہنا قطعی غلط تھا کہ ایسے کڑے اور مشکل وقت میں ان بے سہار اور اجڑے ہوئے لوگوں کا کوئی نہ تھا۔ پورا وطن جیسے پل بھر کے لئے ساکت ہوا تو اسی تیزی سے آگے بڑھ کر مدد کی۔

ایک بار پھر سے زندگی جیسے جمود سے ہٹ کر چلی تھی ان زرد چہروں کو زندگی بخشنے کے لئے ڈاکٹز یکدم سے سرگرم عمل ہوئے اور ان کی ڈیوٹیز مارگلہ ٹاور کے سائیڈ کے نزدیک جھونپڑیوں میں مقیم لوگوں کو سردی سے محفوظ رکھنے میں لگا دی گئیں۔ کیونکہ سردی کی بناء پر ان

epono vels

میں مختلف قسم کی بیماریاں اور امراض جنم لے رہے تھے جس کی وجہ سے کئی زندگیاں داؤ پر لگی تھیں ادھر فی البدیع نے مورے جان سے اجازت لینی چاہی مگر وہ بھی کب آسانی سے مان کے دے رہے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ فی البدیع کسی بھی صورت وہاں جائے بغیر نہیں رہ سکتی مگر وہاں کے حالات اس قدر ناموافق تھے کہ ہر ڈاکٹر وہاں جا کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے سے قاصر تھا اور جہاں تک تعلق تھا فی البدیع کا ڈاکٹر ہونے کے علاوہ حب الوطنی کا جذبہ اسے کیسے وہاں جانے روکے رکھتا۔ اس کی دوست حمیرا الگ مورے جان کے ساتھ مل کر اسے جانے سے روک رہی تھی حال ہی میں حمیرا کے بابا کرنل منان کی ڈیوٹی گلگت سائیڈ پر لگی تھی جس کی وجہ سے حمیرا کی فیملی پھر سے کمبائن تھی ان لوگوں کے ساتھ مورے جان اور فی البدیع کا گہرا رشتہ پہلے سے ہی تھا جب حمیرا اور فی البدیع کلاس فیلوز رہی تھیں مگر اب یکدم حالات بہت بدل گئے یہ سب تو سچ تھا کہ جوں ہی ملک کے حالات تھوڑے سے ناموافق ہوتے وہیں دشمنوں کو سازشیں کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ پھر ویسی لڑائیاں اور دنگے فساد شروع ہوتے اور چاہتیں ختم ہو کر لڑائی جنم دیتیں۔

یہ کیا قانون تھا جانوں کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی کوئی اہمیت ہی نہ تھی تبھی تو آئے دن لوگ ختم ہو رہے تھے صفحہ ہستی سے جیسے اس شدید سانحے سے مٹے تھے ویسے ہی آئے دن ہنگاموں سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان اپنی جانیں گنوا دیتے جسے دہشت گردی سے منسوب کر دیا جاتا تھا۔

پاکستان میں آئے دن ہنگامے شروع ہوتے تھے اس کی وجہ کسے کہا جائے یہ بھی مشکل مرحلہ تھا۔

مگر مختلف فرقوں نے ایک دوسرے کو ختم کر کے نہ صرف مسلم امہ کے وقار کی دھجیاں اڑائی تھیں بلکہ ان مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا جو کہ امت مسلم کے لئے ایک اہم کڑی تھی جو کہ اسلام کے ہر ہر پہلو کو منتشر کرنے میں کارگر ثابت ہوتی تھی۔

کبھی کسی جماعت کے درمیان دہشت گردی کے نام پر خودکش حملہ کروا دیا جاتا تھا۔ تو کبھی کسی سازش کے تحت جماعت مسلم کو منتشر کر دیا جاتا رہا۔ ملک میں بڑھتے ہوئے فسادات اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ مسلم امہ کو اب متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ یہی تو وہ وجہ تھی جس کی بنیاد پر وہ آہستہ آہستہ صفحہ ہستی سے مٹتے جا رہے تھے کئی لوگوں کے گھر اجڑے تو کئی لوگوں کے سہاگ اور بھائی چلے گئے۔

اب یہ سوچنا تھا کہ ان مصائب کا خاتمہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ تب پاکستان میں آنے والے شدید زلزلے نے مسلمانوں کیساتھ ساتھ پوری دنیا کے اندر خوف و ہراس کی کیفیت کو اجاگر کر دیا تب لوگ پھر سے خدا تعالیٰ کی ذات کی جانب مڑے پھر سے لوگ فضل و کرم کے متمنی ہونے لگے اور گڑ گڑا کر گناہوں کی معافی مانگنے لگے وہ وقت بھی آ گیا۔ جب بہت سی دلیلوں کے بعد فی البدیع پھر سے ان غریب لوگوں کی مدد کرنے کیلئے جا رہی تھی خوشی کی بات جہاں یہ تھی کہ اسے اجازت ملی تھی ساتھ ہی یہ بھی تھی کہ انکل نے حمیرا کو بھی اس کے ساتھ جانیکی بخوشی اجازت دے کر اس کی بات کا مان رکھ لیا تھا وہ اس امید کے ساتھ ان لوگوں کی امداد کے لئے جا رہی تھی کہ پھر سے وادی آزاد کشمیر اور وادی گلگت میں خوشحالی کی فضا لوٹے گی پھر سے وہاں وہی حسین امیدیں جنم لیں گی وہاں امدادی کیمپ لگائے گئے تھے جہاں ڈاکٹرز اور باقی عملہ ٹھہرا ہوا تھا۔

بلاشبہ وہاں غضب کی سردی پڑی ہوئی تھی جنوری فروری کا موسم کس قدر خشک ہوتا یہ تو عام دنوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

”آپ جانتی ہیں فی البدیع! یہ ہم سب ڈاکٹرز کے لئے بہت کڑی آزمائش کا وقت ہے ایسا وقت جس نے ہر صورت بیت جانا ہے مگر کئی نقش پارہ جاتے ہیں آپ فرسٹ ٹائم اس طرح سے اپنی ڈیوٹی نبھانے آئی ہیں اور مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے مگر افسوس اس بات کا ہے یہاں پر ڈیوٹی نبھانے کے لئے ہر کوئی رسک نہیں لے سکا آئی ہوپ یو ول ڈو ویل اینڈ یو آر اونلی ون نیور و سرجن ان دس ایریا۔“ جہاں پر ڈاکٹر کو انسٹرکشن دی گئی تھیں وہیں پر فی البدیع کو اپنے سینئر ڈاکٹر ایوب کی باتیں سن کر کافی حوصلہ افزائی ملی بہت خوشی کے لمحات وہ تھے جب وہ غریب و بے بس لوگوں سے ان کے حال احوال دریافت کر رہی تھی اس دوران جو سب سے اہم مسئلہ تھا وہ ان حاملہ خواتین کا تھا جو کہ ان کڑے حالات میں بہت کرائسس سے گزر رہی تھیں اور ان حالات میں بلاشبہ انہیں بہت اچھی خوراک کے ساتھ ساتھ بہت اچھے ماحول کی بھی ضرورت تھی۔

اسی وجہ سے فی البدیع نے خصوصاً ڈاکٹرز سے ان حاملہ خواتین کی ہر طرح سے نگہداشت کرنے کی اپیل کی یہی نہیں وہ مسلسل ان کو چیک اپ کی ایڈوائس کرتی غرضیکہ وہ اپنی ذمہ داری صحیح طرح سے بخوبی انجام دے رہی تھی مگر یہ سب کرنا اتنا آسان قطعاً نہ تھا وہاں پاؤں دھرنا اور قدم جمانا بے حد مشقت طلب کام تھا اجڑے ہوئے گھر بے آسرا لوگوں

exponovels

کی آہ و فغاں وہ تو پھر بھی نرم دل تھی حمیرا ساتھ حوصلہ دینے نہ ہوتی تو شاید وہ اس طرح کی آگاہ و پکار سن نہ پاتی۔

ٹوٹے ہوئے عضو بدن۔

جہاں لوگ بری طرح سے زخمی ہو کر نیست و نابود ہوئے تھے وہاں زیادہ تر دماغی توازن پر اثر پڑا تھا اس حادثے میں خالصتاً لوگ ذہنی طور پر معذوریت کا شکار ہوئے تھے اب ان لوگوں کو پھر سے زندگی کی طرف لے کر آنا بہت لمبا پراسس تھا مگر ڈاکٹرز نے کسی طور ہمت نہ ہاری وہ اسی طرح اپنے کام میں جتے رہے جیسے وہ کسی آپریشن تھیٹر میں موجود پیشنٹ کی زندگی بچانے میں لگے ہوئے ہیں فی البدیع کی ڈیوٹی تقریباً پورے دن ہی کی تھی مگر رات کا اکثر حصہ آرام کے لئے مل جاتا آہستہ آہستہ زندگیاں جیسے معمول پر لوٹنے لگی تھی جہاں دعائیں تھیں وہیں پر دوائیوں کا گہرا عمل دخل تھا شاید یہ مسلم امہ کے لئے بے حد بڑی آزمائش تھی یہ کوئی عذاب نہ تھا کوئی تحریک تھی مسلمانوں کے ایمان کی پرکھنے کے لئے اور ہر کسی کی یہی دعا تھی کہ اس کڑے امتحان میں کامیابی ملے۔

''صبح کا منظر کس قدر دلکش ہوتا ہے نافی البدیع! جیسے آہستہ آہستہ سورج نکلنے لگتا ہے تو دھرتی پر زندگی دوڑنے لگتی ہے صبح صادق کے وقت نماز فجر سے فارغ ہو کر وہ بضد ہو کر خیمے سے باہر نکلی تھی حمیرا دھیرے دھیرے فی البدیع کا ہاتھ تھامے ان پہاڑوں کی وادیوں کے حسین منظر میں کھوئی ہوئی تھی بلاشبہ منظر صادق بے حد دلفریب تھا۔

دلکش سا نظارہ بہتے ہوئے سبزہ زار تھے پہاڑوں کی وادیاں او ان میں پیچ و خم جیسے رستے تھے۔

ان ہی رستوں کی اونچائی میں کھو جانے کو جی چاہتا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی مخمور ہوائیں رخ بدلے جیسے ساکت تھیں ان دنوں سورج چونکہ آب و تاب سے نکلتا تھا۔ اسی لیے سردی کا زور پہلے سے کم تھا برف باری کا سلسلہ شروع شروع میں بے حد مسائل کا باعث بنا تھا بارشیں اور ان کا جمع شدہ پانی ہر طرح سے مشکلوں کی وجہ بنا تھا۔ مگر پھر قدرت کو جیسے رحم آ گیا اس کی رحمت جوش میں آئی تو دن نکلنے لگا تھا کالی رات کے گھنے سائے چھپنے لگے تھے اب راتوں کو بند خیموں میں ڈر نہیں لگتا تھا بلکہ کالی رات میں چاندنی کا ہالہ خود سے بھی بے گانہ کئے دیتا تھا یہ اس ذات کا کرم نہیں تو کیا تھا رحمت نہیں تو کیا تھی۔ وہ تو مہربان ذات ہم پر سدا کرم کے سائے رکھتی تھی ہم ہی ان کے کرم کے ذخیروں سے لطف نہ لے سکے گرم

اونی کپڑوں پر گرم کوٹ پہنے شال کو اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹے دونوں ہی قدرت کے حسین نظاروں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ صبح صادق کا منظر کہیں کا بھی ہو بے خود و مست کیوں بنا دیتا تھا روح میں سرشاری کی سی کیفیت دوڑتی تو لبوں سے شکر کے الفاظ نکلتے چلے جاتے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا حمیرا! ہمیں ان مناظر کو ہمیشہ کے لیے اپنے اندر قید کر لینا چاہیے تاکہ ہم جب چاہیں انہیں محسوس کرتے ہوئے روح کے آنکھ سے دیکھ سکیں'' فی البدیع نے عجب سرشاری کی سی کیفیت دوڑتی تو لبوں سے شکر کے الفاظ نکلتے چلے جاتے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا حمیرا! ہمیں ان مناظر کو ہمیشہ کے لئے اپنے اندر قید کر لینا چاہیے تاکہ ہم جب چاہیں انہیں محسوس کرتے ہوئے روح کی آنکھ سے دیکھ سکیں۔'' فی البدیع نے عجب سرشاری کیفیت سے کہا تھا۔ تو حمیرا مسکرا دی۔

''ہاں کوئی حرج بھی نہیں یونہی اگر چند دن ہم سامنے کھڑے ان مناظر کو دیکھتے رہے ہم ان خوبصوت جلووں سے چاہ کر بھی دور نہیں کر سکیں گے۔'' اتنی خوبصورت وادی سے ہنسی یکدم کیسے دور جا چھپی تھی کیسی یہ درد کی ہوا چلی تھی کہ بستیاں ویران ہو گئیں۔ لبوں سے مسکراہٹیں نوچ لی گئیں اب تو منہ سے آہ و فغاں کے علاوہ کچھ نہ نکلتا تھا۔

''فی البدیع کیوں نہ آج اس وادی کی سیر ہو جائے بہت مزہ آئے گا یار میں فوٹو سیشن بھی کروں گی'' حمیرا کی انوکھی سی فرمائش پر فی البدیع چونک کر نفی میں سر ہلا گئی۔

''پٹو گی مجھ سے ابھی صبح ہو چکی ہے یہی منظر تو ہے مقید جاں کرنے کے لیے چلو'' حمیرا نے پٹ سے ہینڈی کیم اٹھایا اور اسے ساتھ لئے چل پڑی۔ اس وادی حسین میں عجب سی خاموشی پھیلی تھی۔ بکھرے ہوئے گھر ٹوٹ پھوٹ کے بعد عجب ماتم کناں سی کیفیت کی عکاسی کر رہے تھے۔

حمیرا نے ہر منظر کو اس کیمرے میں محفوظ کیا تھا۔ فی البدیع کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی وہ اس گوشے میں موجود اجڑے ہوئے منظر پر باقاعدہ تبصرہ کر رہی تھی۔ اس قدر خنکی بھرا موسم پورا وجود ٹھنڈک کے زور پر تھا۔ مگر حمیرا اور وہ شاید اس پل سردی کو محسوس نہ کر پائی تھیں کیونکہ اک درد بھری کیفیت سامنے تھی۔ اک عجب سی بے چینی نے اس پل احساسات و جذبات کا احاطہ کر لیا تھا۔ یہ درد اپنے اوپر بھی تو گزارا تھا۔ انہی وادیوں کی بیٹی تو وہ بھی رہی تھی اسلام آباد سے۔ کچھ ہی فاصلے پر یہ علاقہ اس طرح سے اجڑا کہ کسی طرح سے خوبصورتی کا نام و نشاں باقی نہ رہا تھا۔ وہاں پر اجڑی ہوئی بستیوں کے سینے پر جو ماتم

exponovels

کناں ناشکوہ تھا۔ وہ دل وروح کو ہلا دینے کیلئے کافی تھا مگر پھر بھی مسلمانوں میں صبر اور برداشت کی ایک کیفیت سی در آئی تھی۔ کوئی طاقت ایسی ودیعت ضرور ہوئی تھی کہ آہستہ آہستہ صبر آتا چلا گیا تھا مگر پھر بھی کسک سی وجود میں ضرور ٹھہری تھی۔ اک درد بن کر لبوں پر جارکی تھی۔ مگر وہ جانتیں تھیں کہ درد کا عرصہ دراز نہیں ہوتا دوسروں کا درد دیکھا تو اپنا درد بھی کم پڑتا محسوس ہوا تھا۔

''تم جانتی ہو فی البدیع ! اس وقت ہمارا یہاں ہونا اس ذات کی مرضی ہے ان وادیوں میں اس طرح سے رک رک کر چلنا اس کے موسم کو اس طرح سے محسوس کرتے ہوئے فضا کے دوش پر درد کی آہٹیں یہ سب ہمیں محسوس کرنا تھا فی البدیع یہ سب تو ہونا لکھا تھا تو کیسے اٹل فیصلہ رک جاتا۔ ویسے آئی پراوڈ آف یو، تم اس طرح سے یہاں آئی ہو اور سب کی جس طرح سے کیئر کر رہی ہو۔ اٹس ناٹ اونلی یور جاب اٹس یور لو فار ہیومن نیچر''۔ فی البدیع کے سامنے کھڑی وہ اس کی طرف دیکھ کر اس کے لئے الفاظ کہہ رہی تھی اور فی البدیع وہ محض تلخی سے مسکرا دی۔

''تھینکس ،تم نے مجھے یہ کہہ کر بہت عزت بخشی ۔ اب چلو یہیں فریز ہونے کا ارادہ ہے کیا؟'' حمیرا کی طرف اپنی خوبصورت سی مسکراہٹ اچھالتی، اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی۔ پھر دن چڑھے وہ لوگ اس جگہ کا ویزٹ کرتی رہیں حمیرا نے کئی مناظر کیمرے میں مقید کر لئے تاکہ واپس جا کر وہ اپنا کارنامہ سب کو دکھا سکے۔ یہ بات باقاعدہ اس نے الاعلان کہی تھی اور فی البدیع نے اس کی بات کو خاصا انجوائے بھی کیا۔

ان کا تین ہفتوں کا یہ ٹور خیرو عافیت سے گزر گیا تھا۔ اس دوران فی البدیع کے ساتھ ساتھ حمیرا نے اپنا رول بخوبی نبھایا تھا۔ اس کی تو یہ خواہش تھی کہ اس وادی پرسخن سے ابھی اتنی جلدی نہ لوٹا جائے وادی سخن کا نام بھی اسے حمیرا نے ہی دیا تھا۔ جس میں بستی ہوئی خشکی میں عجب سی شوخی تھی بے حد پرسوزی سرگوشی میں طلسم گماں سا ہوتا تھا۔

''تمہارے باس تمہیں یاد کر رہے ہوں گے'' فی البدیع نے پیکنگ کرتے ہوئے حمیرا کو یونہی چھیڑا اس نے گھور کر ہی دیکھنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ بولی تھی۔

''ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا میرے بغیر ہو کس سے الجھتے ہوں گے کس کو ڈانٹتے ہوں گے اس باس کو تو میں اب سیدھا کروں گی۔''

''وہ کیسے''

''جیسے کیا جاتا ہے۔'' حمیرا نے بھی اسی ٹون میں جواب دیا۔

''کیسے کیا جاتا ہے؟''

''تمہاری زبان کچھ زیادہ ہی نہیں چل رہی میں اسے اپنے طریقے سیدھا کر لوں گی۔ تم کیوں فکر کر رہی ہوں۔ اب تیاری کرو دیر ہو رہی ہے'' دونوں ہی مسکراتے ہوئے پیکنگ مکمل کرنے لگیں۔

''میں چاہتی ہوں شام میں جانے سے پہلے ایک بار اس جگہ کو تھرو آؤٹ پھر سے دیکھ لوں۔ ان وادیوں میں عجب سی کشش ہے حمیرا! جیسے یہ خاموش فضائیں رکی ہوئی زندگی کا پتا دے رہی ہوں۔ میں یہاں زندگی کو پھر سے دوڑتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جولٹا ہے اسے پھر سے جڑا ہوا بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں'' وہ جاتے ہوئے فی البدیع کی آنکھوں میں ان اشکوں کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ اک بے چینی سی جود جود میں در آئی تھی اسے محسوس کر سکتی تھی۔

''مجھے ان وادیوں سے محبت ہو گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں میں یہیں رہ جاؤں اور اپنی تمام عمران وادیوں میں گزاروں۔'' اسکی بھیگی آواز میں کہی گئی بات سن کر حمیرا نے زور دار قہقہہ لگایا تھا جو اسے ریلیکس کرنے کے لیے تھا۔

''مورے جان! ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔ اور بھئی ابھی تو میری شادی بھی ہونی ہے۔ تمہارے لئے ان حضرت جی کو بھی تلاش کرنا ہے۔ جو تمہیں سدھار سکے۔ ان وادیوں میں تم اب ہنی مون منانے ہی آنا'' فی البدیع نے اس کے مسکراتے چہرے کو کافی دیر اپنی نظروں کے حصار میں رکھا۔ ارادہ تو غصہ کرنے کا تھا مگر غصہ بھی نہ کر سکی کچھ کہہ بھی نہ سکی۔ شاید اس ذکر پر کترائی تھی۔ خود سے بھی اور حمیرا سے بھی۔

''میں سمجھتی تھی تم اسے بھول چکی ہوں گی مگر لگتا ہے ایسا نہیں ہو سکا وہ تمہیں بھول سکتا ہے تم اسے قطعاً نہیں بھلا سکتی ہے نا۔؟''

حمیرا نے اس سے اس طرح سے رخ موڑنے پر دیکھ کر پوچھا تو وہ لاپروائی سے اپنے گرد شال لپٹنے لگی۔

''آئی ڈونٹ نو۔ چلو دیر ہو رہی ہے''

''کب تک خود اس ذکر سے الجھاؤ گی۔ حقیقت پسند کیوں نہیں بن جاتی ہو۔''

''میں نہ تو الجھ رہی ہوں نہ ہی سلجھنا چاہتی ہوں کچھ چیپٹرز کلوز ہی رہنے چاہیے

exponovels

اچھا ہوتا ہے۔'' وہ باہر نکل کر آئی جہاں ڈائیورز کی جیپ تیار تھی حمیرا اسے اس طرح سے کہہ کر جاتا دیکھ کر بھی رکی نہیں۔

''میری بات سنو فی البدیع ! ہی از یور لو وائے یو ہیو فارگیٹ ہیم''۔

''شٹ اپ حمیرا! آئی سے شٹ اپ وہ میری محبت ہے میرا مان ہے میں نے اسے کب انکار کیا۔ مگر وہ میرے ذکر میں نہیں ہے میری یاد میں نہیں ہے۔ میں اسے بھولنا چاہتی ہوں تم اسے یاد کیوں دلا رہی ہو۔ کیوں حمیرا؟ آئی وانٹ ٹو فارگیٹ ہیم...... تم میرے درد کو کیوں ابھارنا چاہتی ہو۔ میری زندگی کا مقصد اب صرف اور صرف انسانیت کی خدمت ہے اور وہ انسانیت کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ تو میں کیا کروں اور پلیز مورے جان کے سامنے اس کا ذکر مت کرنا۔'' فی البدیع نے جیسے التجاء کی تھی روتے ہوئی ناک سرخ ہوگئی تھی۔ حمیرا نے خود کو پاتال میں گرتے محسوس کیا تھا۔ یہ کیسی محبت تھی......؟ جو ہونے سے انکاری تھی ہو کر بکھرنے کے خلاف تھی یا کر ہونے کے بعد معطر کی طرح رگ و پے میں اترتی نہیں تھی۔

ضبط لازم تھا۔ مگر درد کے بناء ضبط بھی اچھا نہیں لگتا وہ محبت میں پور پور ڈوب کر محبت کو اپنے اندر حلول نہ کرنے دینا چاہتی تھی اس کی وجہ کیا تھی......؟ حمیرا بخوبی جانتی تھی۔

''کہیں تمہیں اس بات کا ملال تو نہیں تم نے ایک اشتہاری مجرم سے محبت کی ہے یا وہ اب مجرم بن چکا ہے تو تم اپنی محبت سے دستبردار ہونا چاہتی ہو'' یہ جانے بناء کہ فی البدیع پر کیا گزرے گی اس نے یونہی کہہ دیا۔

''تم جو سمجھ لو جو کہہ لو''

''چھپایا جا نہیں سکتا دکھایا جا نہیں سکتا
محبت روگ کیسا ہے بتایا جا نہیں سکتا
یہ چاہت رات کو بچوں کی مانند جاگ جاتی ہے
اسے پھر یوں لوریاں دے کر سلایا جا نہیں سکتا''

اور یہ شعر اس نے کس قدر گہرے وثوق سے پڑھا فی البدیع چاہ کر بھی حمیرا کو اس کے ذکر سے باز نہ رکھ سکی تھی اور وہ بھی لگتا تھا کہ اس سے خوب حساب لینے کے موڈ میں ہے۔

''مجھے اور مت توڑو حمیرا! پلیز میں ٹوٹنا نہیں چاہتی اس شخص کا ذکر تو مجھے توڑ دیتا ہے میں ٹوٹ گئی ہوں تو جڑ نہیں پاؤں گی۔'' وہ حمیرا کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر

رو دی تھی۔ جبکہ حمیرا کا ایک ہاتھ اس کے وجود کے گرد حصار بنا گیا۔ اسے سہارے کی کس قدر ضرورت تھی جو دوسروں کا سہارا بننے کی کوششیں کر رہی تھی۔

''نہیں نہیں محبت انسان کو توڑتی نہیں ہے، مضبوط بناتی ہے تمہیں بھی اپنی محبت پر فخر ہونا چاہیے''

''او کے، سب ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ تمام ڈاکٹرز تیار ہیں چلو مگر آنسو پونچھو......''

حمیرا نے اسے خود سے لگاتے ہوئے پیار سے کہا تھا تو وہ بھی آہستہ سے سر جھکائے ہوئے آنسو پونچھنے لگی مگر دل و روح میں جو کیفیت در آئی تھی وہ چہرے بخوبی رقم ہوگئی تھی عجب سا اضطراب وجود میں در آیا تھا۔

محبت تو جینے کی وجہ ہوتی ہے جینا سکھاتی ہے لاکھ کٹھن منزلیں ہوں اندھیروں بھری مسافتوں میں بھی روشنی کی قندیل جلائے راستہ دکھاتی ہے چاہت کا سفر کس قدر فسوں اور پرسوز ہوتا ہے جب کسی کی چاہ میں ہم پھر سے اپنا آپ سنوارتے ہیں خود کو نئے سرے سے سنوارتے ہیں محبت کی پھوار میں بھیگتے اور اسی طرح سے بھیگتے ہوئے وصل کی تمنا کرتے ہیں محبت وصل ہے ملن ہے مگر محبت جدائی اور قربانی بھی دے تو وہ ختم نہیں ہوتی۔ نہ بھی ملے تو چاہت کا سفر نہیں رکتا امنگیں اور تراوٹیں رستہ نہیں بدلتیں۔ پہلے چاہت ہوتی ہے اور وہ چاہت ان سی جگا کر اپنا آپ منواتی ہے۔ اس طرح سے وجود میں محبت کا احساس اجاگر کرتی ہے کہ محبت کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ پہلے پہل اس انسان سے محبت ہوتی ہے پھر پوری انسانیت سے اور محبت کا اثر اس قدر زور و شور سے ہوا کرتا ہے کہ پل بھر میں کیفیات بدلتی ہیں احساسات بدلتے ہیں۔ ترجیحات زندگی بس محبت کے تابع ہو کر رہ جاتی ہے تب ایک انسان کی صحیح معنوں میں تخلیق ہوتی ہے جب کوئی مرد محبت کرتا ہے تو وہ اپنی محبت کو پہلی فرصت میں حاصل کرنے کا خواہاں رہتا ہے۔ اور جب ایک عورت محبت کرتی ہے تو اپنا تن من سب کچھ نچھاور کر دیتی ہے وہ اپنا رتبہ اپنی حیثیت سب کچھ اپنے محبوب کے قدموں میں نچھاور کر دینے کے خواہاں ہوتی ہے پھر چاہے محبت ملے یا نہ ملے، پوری زندگی اس محبوب کے نام کر دیتی ہے۔ اپنی ساری کیفیات اس طرح چھپا چھپا کر نہیں رکھتی عجب سا نکھار دے کر انہیں سنوارتی چلی جاتی ہے۔ پھر وہ بند کلی دھیرے دھیرے مرجھانے لگتی ہے ایک نئے احساس لذت سے دوچار ہو کر خوشبو بنتی ہے چاہت بن کر نکھر جاتی ہے مگر کچھ محبتیں بالکل خاموش ہوتی ہیں بے آب بنجر سی جسے اپنی بند کلی پر ایک ماتم کناں سا لبادہ اوڑھنا پڑتا ہے

exponovels

خوشبو نہ پھیل جائے اس ڈر سے دھیرے دھیرے مرجھانے لگتی ہیں اور آہستہ آہستہ مانند پڑتے پڑتے اپنا وجود کھوئی چلی جاتی ہیں۔

ہاں محبت بند کواڑوں میں ہے تو اپنا وجود کھو دیتی ہے رنگ آلود سا لبادہ اوڑھ کر بے بس مچل کر رہ جاتی ہے، در اصل محبت ہے تو اس کی خوشبو کو آہستہ آہستہ سے پھیلنا بھی چاہیے احساسات و جذبات کی ترجمانی میں بکھرنا بھی تو ان چھوا سا احساس بن کر وجود کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ محبت تو اپنا وجود بکھیرتی ہے دھیرے دھیرے سے سب پروا ہوتی چلی جاتی ہے آہستہ آہستہ سے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے کر امر کرتی جاتی ہے۔ پھر ہی محبت نکھرتی ہے۔ سنورتی ہے تخلیق کے مرحلوں سے گزر کر ایک نیا جنم لیتی ہے!!!

فی البدیع نے بھی اس رستے کا انجانے میں سفر شروع کر دیا تھا جو رستہ محبتوں سے لبریز تھا قدم قدم پر چاہت بکھری تھی۔

محبت کے درد سے آشنا ہو کر ابھی تو وہ خود کو اس لذت میں بھیگتے رکھنا چاہتی تھی ابھی تو وہ محبتوں کا سفر مزید کرنا چاہتی تھی مگر پھر محبت نے کروٹ بدلی۔ کدورتیں عجب سی موسموں کی لپیٹ میں آ کر سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ محبت نے نفرت کا لبادہ اوڑھا تھا اور آہستہ آہستہ نفرت بھی نہ رہی پھر دھیرے دھیرے احساس ہی ختم ہو گیا تھا۔ پیار کی ریتیں بدلتی چلی گئی نفرتوں کے سمندر بنتے چلے گئے محبتوں کی بارشیں لطف نہ دیتیں بس بے بسی تھی بے چینی تھی۔ دل و روح میں ایک سرد موسم آن ٹھہرا تھا۔ برستا ہوا جھم کا اداس موسم بے یاس موسم!

واپسی کا سفر کس قدر اداس تھا حالانکہ انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک کامیاب مشن سے واپس لوٹ رہی تھیں۔ ان کے زریعے سے کچھ امداد اس وادی کے بے بس لوگوں تک پہنچی ہے۔ شام کا سفر کس قدر حسین لگ رہا تھا تو بس اس نارنجی سے آسمان کی طرف نگاہیں کئے اداسی کو ختم کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

ننگلی دھیرے دھیرے بڑھتی چلی گئی ڈرائیور گاڑی اپنی خاص اسپیڈ پر دوڑ رہا تھا پیچھے ڈاکٹر کی جیپ بھی آ رہی تھی۔

''ویسے ہمیں رات کا سفر نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے تاریکی سے بہت ڈر لگتا ہے'' حمیرا نے شال کو مزید اپنے گرد تنی سے لپیٹتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا۔ ویسے بھی جن کا ہر سفر پرخار ہوا نہیں عادت ہو جاتی ہے تاریکیوں سے الجھنے کی اب تم میرے ساتھ ہو تو اس عادت سے پالا پڑے گا ہی''

فی البدیع نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے ریلیکس کرنے کی غرض سے کہا۔ انہیں سفر شروع کئے تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اور کچھ دیر پہلے کی گفتگو کا اثر دھیرے دھیرے ماند پڑ گیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ فی البدیع اب بہت مضبوط ہو گئی تھی یا کچھ خود کو کمپوز بھی کرتی تھی۔ مماء پاپا اور حسن کی ڈیتھ کو دو سال ہو گئے تھے مگر درد تو ابھی بھی اسی جگہ موجود تھا ذرا بھی ادھر سے ادھر نہ ہوا تھا۔ درد نے عجب سی ہمت دی تھی۔ پھر محبت کا ایک نیا در کھلا اور بند ہوا۔ وہ ٹوٹنے لگی تھی۔ بکھرنے لگی تھی پھر نہ تو ٹوٹی تھی نہ ہی بکھری تھی صبر آتے آتے ہی آیا تھا۔ محبت کرنے والے بہت بہادر ہوا کرتے ہیں۔ بہت باہمت ہر ہر طوفان کے آگے سینہ سپر ہو جانے والے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ طوفان کس سمت سے کس وقت آتا ہے محبت ہمت دیتی ہے حوصلہ بڑھاتی ہے پھر ہر درد دھیرے دھیرے منتا چلا جاتا ہے اور فی البدیع کے اندر درد نہیں تھا بس محبت نے کروٹ جو بدلی تو نفرت آن پہنچی وہ چاہ کر بھی اس نفرت کا سد باب نہیں کر سکی۔ وہ محبتوں کا بے انتہا سمندر تھا فی البدیع ایک ساحل کی مانند اس سمندر سے جڑی تھی۔ مگر ساحل وہیں کھڑا رہا۔ سمندر میں طوفان برپا ہوا تھا تو رستہ بدلتا چلا گیا۔ مگر سمندر کو تو وہیں آ کر رکنا تھا جہاں سے چلا تھا۔ مگر ساحل خاموش اور بے بسی کی تصویر بنا سمندر کو بے وفا سمجھ بیٹھا تھا۔ فی البدیع انجانے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی جب اچانک ہی گاڑی جھٹکا کھا کر رکی اور حمیرا کا ہاتھ اس کے کندھے پر ٹھہرا تو وہ خیالوں سے باہر آئی۔ سامنے کا منظر ہراساں کر دینے کیلئے کافی تھا ان کی جیپ یونہی نہیں رکی تھی بلکہ کچھ نقاب پوشوں کے بندوق لئے کھڑے ہونے کے باعث دھچکے سے رکی تھی۔

''اب کیا ہوگا؟'' حمیرا نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ مگر فی البدیع اپنی جگہ پر خاموش اور پرسکون بیٹھی رہی۔

''میرے پاس پرنگیشن پیپل ہے ڈونٹ وری'' وہ لوگ سر پر پہنچ چکے تھے ڈرائیور کو دھکا دے کر سائیڈ پر کیا اور دو لوگ ان دونوں کو گھیر کر کھڑے رہے۔

''کیا چاہیے تمہیں اس طرح سے راستہ روکنے کا مطلب!'' فی البدیع نے کمال ضبط سے استفسار کیا۔

''بڑی سمجھدار ہو لڑکی! تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے نکالو'' وہ شخص جس کے چہرے پر کپڑا لپٹا ہوا تھا قہقہہ لگا کر بولا۔ تو حمیرا اور فی البدیع نے ہاتھوں میں پہنی انگوٹھیاں اور لاکٹ جو کہ گلے میں ڈالا ہوا تھا اتار کر ان کو تھمانے لگیں تو فی البدیع نے تیزی سے

epondovels

پسٹل نکال کر فائر کیا۔ وہ شخص جو اس کی جانب کھڑا تھا تیزی سے زمین بوس ہوا جبکہ دوسرے دو شخصوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فائر کر دیا جو کہ فی البدیع کے ہاتھ کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ مگر حمیرا نے فی البدیع کے ہاتھ سے پسٹل چھین کر فوری اس شخص کی طرف فائر کیا۔ اور فی البدیع کو اگلے ہی لمحے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر دھکیلا کیونکہ تیسرا شخص جو کہ ان سے کچھ فاصلے پر تھا ان کی طرف متوجہ ہوا ہی چاہتا تھا۔

تمام سامان اس بیگ میں ہی تھا جو کہ حمیرا نے اپنی کمر پر باندھ لیا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس نے بھی فی البدیع کے ساتھ مل کر ایسے حالات کے لئے خصوصی ٹریننگ لی تھی پھر پاپا بھی تو آرمی میں تھے۔ اسی لیے ان کی بیٹی ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا تھا۔

''چلو یہاں سے بھاگو فی البدیع یہ پورا راستہ ہی خطرناک ہے'' فی البدیع ہاتھ میں ہوئے زخم پر کراہ ضرور رہی تھی مگر ہمت بہر کیف نہ چھوڑی۔ اور اسی ہمت کی بناء پر وہ حمیرا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر اس جنگل نما جھاڑیوں والی جگہ پر سے بھاگ رہی تھی دراصل ڈرائیور جو کہ سائیڈ پر بے حوش ہی پڑا تھا اسے اٹھانے کا وقت بھی نہ ملا۔ اور وہ دونوں سرمنہ جھاڑے بناء بے خود ہوکر بھاگتی چلی گئی تھیں۔ تقریباً دس منٹ بھاگنے کے بعد انہیں ایسا لگا کہ وہ ان جھاڑیوں میں محفوظ سایہ تلاش کرلیں گی۔ اور کم ازکم ان ڈاکوؤں سے تو چھٹکارا ملا تھا رات نے آہستہ آہستہ اپنے پر پھیلائے تو تاریکی کا احساس رگ وپے میں اترتا محسوس ہوا تھا۔ فی البدیع کے ہاتھ سے اب اتنی بلیڈنگ ہوچکی تھی کہ وہ اب مزید ہوش میں نہ رہ سکتی تھی۔

''فی البدیع'' حمیرا نے بیگ کھولا اور اس میں سے بینڈیج کا سامان تلاش کرنے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب خود پر قابو پانا بے حد مشکل لگتا تھا مگر حمیرا کے اندر نہ جانے ہمت کہاں سے در آئی تھی اس کے ہاتھ کی بینڈیج بہت مشکل ہو چکی تھی پورا بازو خون سے تر ہو چکا تھا۔ سیزر سے پورے بازو کا کپڑا کاٹنا پڑا۔ اتنی ٹھنڈ میں یہ اور مصیبت تھی کچھ ہی دیر میں بلیڈنگ رکی اس کا سرابھی تک حمیرا کی گود میں تھا اور حمیرا تو بس مسلسل روئے چلی جارہی تھی اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ کہ زندہ رہ پاتی۔

☆......☆......☆

''اے اللہ ہماری دکر۔ تیرے سواء کوئی نہیں مولا اپنا کرم فرما'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے۔ بے اختیار ہوکر رودی تھی مگر اسی طرح سے روتے روتے جی میں اچانک

کیا آیا کہ فی البدیع نے سرکو سائیڈ پر کرکے بیگ اس کے نیچے رکھ دیا۔ موبائل سائیڈ پاکٹ سے ملا تو امید کی کرن نظر آئی مگر بے بسی بے چینی اور بھی بڑھتی گئی کہ سگنلز نہیں تھے ارد گرد عجب سی خاموشی پھیلتی جارہی تھی۔ یہ علاقہ بہت ویراں تھا اور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا ایسے میں پریشان نہ ہوتے تو کیا کرتے۔

بہت عجیب سی شکل سامنے آن کھڑی ہوئی انہیں اس پل ایسا لگا تھا کہ کوئی سہارا انہیں کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں لیکن ایک ہستی پر خود سے بڑھ کر یقین تھا بلکہ اس ذات پر بھروسہ تھا جو عطا کرنے والی تھی۔ اور حمیرا کی کیفیت ایسی تھی کہ بس سجدے میں گرے دعائیں مانگ رہی تھی ساتھ میں فی البدیع کا بے خبر وجود پڑا ہوا تھا۔ ابھی کچھ دیر مزید تو قدموں کی بھاری آواز کہیں بہت دور سے سنائی دی۔ جوں جوں آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ بے چینی مزید بڑھتی چلی گئی ذہن میں کسی خوفناک سے جانور کا تصور آن کھڑا ہوا تھا۔ یوں لگا تھا کہ سانس بس دھیرے دھیرے تن سے جدا ہو رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے ہمت کر کے کھڑی ہوئی اور جھاڑیوں کے اس پار سے آنی والی آواز قریب آنے کا انتظار کرنے لگی......

وہ علاقہ ایسا بھی سنسان جنگل نہ تھا مگر قریب کوئی ذی روح نہ ہونے کی وجہ سے عجیب سا عالم تھا آنکھیں بند کئے شال کو اچھی طرح سے خود کے گرد لپیٹے وہ ہونٹوں کو جنبش دیئے بنا ہی دعائیں مانگتی چلتی گئی کوئی دھیرے دھیرے قریب آرہا تھا بہت قریب اور وہ جو کوئی بھی تھا قریب کھڑا تھا مگر حمیرا نے پلکیں نہ اٹھائیں کہ آنکھیں کھولنے سے نہ جانے کیا ہو جائے پھر کوئی احساس آہستہ آہستہ چہرے پر طمانیت جگا گیا۔ اس شخص نے پھونک ماری تو گویا روح میں اطمینان دوڑ گیا اور اگلے ہی پل وہ تیزی سے آنکھیں کھولے اس کی جانب دیکھنے لگی پھر دھیرے دھیرے اجنبیت کا پردہ دونوں کے درمیان سے ہٹتا چلا گیا وہ اس شخص کو پہلے بھی دیکھ چکی تھی بلاشبہ وہ اس سے پہلے مل چکی تھی مگر وہ اس طرح سے یہاں ہوگا۔ مگر کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ ''پلیز ہیلپ می سر'' منہ سے بمشکل ہی یہ نکل سکا تھا۔ اور اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے وہ شخص فی البدیع کی جانب بڑھا۔ اس کی نبض چیک کی۔ پھر سائیڈ پاکٹ سے اتھیوسکوپ نکال کر چیک کیا وہ بس سائیڈ پر کھڑی خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بنا اس سے مخاطب ہوئے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔

''انہیں یہاں سے فوری طور پر لے جانا ہوگا چلیے میرے ساتھ

''مگر میں فی البدیع کو کیسے لے جاؤں کچھ تو مدد کریں آئی مین''

exponovels

''آپ فکر نہیں کریں علی حمزہ کے ہوتے ہوئے فی البدیع کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔'' شیراز مصطفیٰ نے کمال ادا سے کہتے ہوئے آگے قدم بڑھائے اور حمیرا وہ تو اس طرح سے منجمد کھڑی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں وہ نام جو ابھی اس نے سنا تھا مراقبے میں بھی لے جاتا تو کم تھا۔

''علی حمزہ!'' چہرے پر شوخ تبسم یکدم سے ہی آ کر ٹھہرا تھا۔ فی البدیع کی جانب دیکھا پھر اس شخص کی جانب جو کہ اب رخ موڑے کھڑا تھا۔

''جو آپ کہہ رہے ہیں کیا وہ صحیح ہے کہاں ہے علی حمزہ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں'' حمیرا نے اضطراب سے شیراز مصطفیٰ کی جانب دیکھتے ہوئے پیش قدمی کی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ آپ میری جیپ تک چلیے اور فی البدیع کی فکر کرنا بھول جائیں'' اوہ میرے خدایا یہ سب اچانک کیا ہو رہا تھا اور یہ شخص رحمت کے فرشتے کی مانند یوں سامنے آیا تھا جس سے وہ دشمنی کرنے والی تھی جبکہ علی حمزہ وہ کب سے نگاہوں سے اوجھل تھا جس کا ذکر کرتے ہوئے فی البدیع کے سانے اسکی زبان نہیں تھکی تھی۔ وہ شخص اس طرح سے فی البدیع اور اس کا محافظ بن کر یوں اچانک سامنے آجائے گا خواب و خیال میں بھی نہ سوچا تھا پھر یکدم سے پیچھے مڑی تو خوشی کی انتہا نہ رہی علی حمزہ اپنے مخصوص انداز میں موجود تھا۔ وہ بے اختیاری میں آگے بڑھ آئی جسے وہ بھائی کہتے ہوئے تھکتی نہ تھی جس کے ساتھ بہت سا وقت گزارا مگر اس شخص کی محبت اس کی عزت وہ بہن سے بڑھ کر اس سے پیار کرتی تھی پھر فی البدیع اور علی حمزہ کا رشتہ ان کے رشتے کی بنیادیں مضبوط کر گیا تھا۔

''علی!'' وہ علی حمزہ کا ہاتھ تھا، مے چہرہ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ دل و روح میں جو بے چینی کے جو جھکڑ کچھ دیر پہلے چلے تھے وہ دھیرے دھیرے سرد پڑتے چلے گئے اور علی حمزہ کا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا۔

''کہا تھا نا میں نے یونہی اچانک کسی روز سامنے آجاؤں گا'' وہ اس کے سر کو سہلاتے ہوئے اپنی بھیگی آواز میں بولا۔ پھر یکدم ہی نگاہ سائیڈ پر پڑی فی البدیع کے نازک اور چادر سے ڈھانپے ہوئے سراپے گئی مگر پھر سے علی حمزہ نے ان نگاہوں کو سمیٹ لیا۔ ایک پیارا سا درد دھیرے دھیرے دل میں اٹھا تھا وہ وجود کس قدر عزیز تھا مگر اتنے ماہ کتنا درد رہا تھا۔ اس سے وہ جانتا تھا کہ فی البدیع کس درد سے گزری ہے مگر اس کے درد کو بانٹ نہیں سکا تھا اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکا تھا وہ اس کے لئے مجرم تھا قانونی مجرم پوری انسانیت کا

مجرم غلط سوچتی تھی اس کے متعلق وہ یک ٹک بس اسے ہی دیکھے گا اور اس وجود کی جانب بڑھا شیراز مصطفیٰ اور حمیرا اسے آگے بڑھتا ہوئے دیکھ رہے تھے۔

علی حمزہ کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہرا پھر چہرے پر آن رکا اور بند پلکوں پر لبوں نے پیار کی نشانی ثبت کی پھر اگلے ہی لمحے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں حلقے میں آہستہ سے اٹھاتا ہوا وہ آگے بڑھتا گیا۔ جبکہ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کچھ دور کھڑی جیپ میں اسے لٹایا حمیرا کیلئے جگہ بنائی اور اسے بیٹھنے کا کہہ کر آگے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جبکہ شیراز مصطفیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی چلا دی۔ حمرا ابھی تک اسی شش و پنج میں مبتلا تھی کہ وہ ان تک اس طرح سے پہنچا کیسے؟ اسے کس طرح سے پتا چلا ہو گا۔ کہ فی البدیع کسی تکلیف میں ہے۔ اس کی گود میں فی البدیع کا سر تھا جبکہ علی حمزہ اپنے اور فی البدیع کے رشتے کے بارے میں سوچ رہا تھا لبوں پر خاموشی کے تالے ضرور تھے مگر دل و روح میں جب سے طوفان چلے ہوئے تھے عجب سی کیفیت درپیش تھی۔ اس کا بس نہ چلا کہ وہ فی البدیع کو اپنے وجود میں چھپا کر سارے غموں کو دور کر دے ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں سے اشکوں کو چرا لیتا اس کے ماتھے پر پیار کی اتنی مہریں ثبت کرتا کہ وقت رک جاتا موسم بدل جاتا مگر پیار کی بھیگی ہوئی برسات کم نہ ہوتی وہ اس طرح سے مشکل میں یونہی تو نہ پڑی تھی۔ یہ تکلیف بھی تو علی حمزہ نے ہی دی تھی اس سے ملنے کی خاطر!

''کتنے اچھے تھے وہ دن
جب ہم خوشبو کے ساتھی تھے۔''

علی حمزہ دھیرے دھیرے خوبصورت سی نظم پڑھ کر رو پڑا اور اسکی پرسوز آواز میں عجب سا درد تھا عجب سی کیفیت تھی۔ حمیرا تو پہلے ہی رونے کے موڈ میں تھی مگر علی حمزہ سے ملنے کے بعد پلکوں سے اشک جدا نہ ہوئے تھے۔ علی حمزہ یہ نظم اس وقت سے یاد کئے ہوئے تھا جب وہ اس سے مل کر بچھڑ رہا تھا اور حمیرا کے سر پر ہاتھ رکھے اس نے فی البدیع کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔

''علی حمزہ دیکھو رویا نہیں کرتے تم تو کہتے ہو پھر ہمت ہار رہے ہو تم اپنی محبت کو پا لو گے میرا یقین ہے ڈونٹ وری'' شیراز مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کمال ضبط سے حوصلہ دیا تھا وہ جو علی حمزہ کا جگری دوست تھا۔ جس کے لئے وہ اپنا تن من نچھاور کر دینے کے لیے تیار تھا جس کی آنکھیں بھیگتی تو خشک کرنے کے لئے سب سے پہلے وہ آگے بڑھتا

exponovels

اور اب جب وہ ایس پی شیراز مصطفیٰ بن چکا تھا علی حمزہ کی شدید خواہش پر تب سے وہ علی حمزہ کے دائیں بازو سے بھی بڑھ کر تھا۔

اسی لئے تو وہ رات کے اس وقت ڈیوٹی سے فارغ ہو کر علی حمزہ کے ساتھ تھا وہ چاہتا تو علی حمزہ کو اس کی محبت چھین کر لا دیتا مگر یہ بات علی حمزہ کو منظور نہ تھی

''علی! تم اتنے دن کہاں رہے ہو؟ تمہیں ہماری ذرا بھی پروا نہیں ہوئی۔ کوئی اطلاع بھی نہ دی اپنے متعلق اتنا پرایا کیوں کر دیا۔؟'' حمیرا نے دبے لفظوں میں شکوہ کیا اسے لگا کہ علی حمزہ یونہی اس کیفیت سے باہر نہیں آئیگا۔

''یہ کہہ کر علی حمزہ کو پرایا نہ کرو حمیرا! دو بہنیں اور ماں تو کھو ہی چکا ہوں۔ اپنی اکلوتی بہن کیسے کھو سکتا ہوں تم دونوں تو ہر وقت دعاؤں میں رہی ہو۔ بہت قریب رہی ہو دل کے''

علی حمزہ نے خفگی سے سر جھٹکتے ہوئے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں وہ لوگ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے۔

علی! ہمیں واپس بھی تو جانا ہے اور تم جانتے ہو۔ فی البدیع کو ہوش آیا تو وہ کیا ری ایکشن کرے گی'' جیپ سے اترے ہوئے اسے فکر ہوئی۔

''ڈونٹ وری'' فی البدیع کو میرے بارے میں معلوم نہیں ہوگا۔'' حمیرا نے اس بات پر چونک کر علی حمزہ کو دیکھا کتنے ضبط سے اس نے یہ بات کہی تھی۔ وہ اتنے دنوں بعد ملی تھی بلکہ بہت ماہ بعد پھر بھی وہ اسے اپنے بارے میں کچھ بھی بہ بتانا چاہتا تھا۔ دروازے پر کچھ لوگ رائفل اٹھائے پہرہ دے رہے تھے علی حمزہ نے فی البدیع کو اٹھایا اور اس نیم تاریک کمرے میں لے آیا تھا شہریار مصطفیٰ نے جیپ بند کی اور واپس اندر آنے کے لئے مڑا۔ تو حمیرا تو اپنی طرف متوجہ پا کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ہماری مدد کی'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے اسے مخاطب ہوئی تھی۔

''اوہ پلیز اس کا کریڈٹ بھی علی حمزہ کو ہی جاتا ہے۔ سی نے مجھے انفارم کیا تھا۔''

اس شخص کے چہرے پر کس قدر سنجیدگی تھی حمیرا تو نگاہ اٹھا کر بھی بات نہ کر سکی تھی وہ ایک طائرانہ نگاہ اس پر ڈالتا آگے بڑھا جب حمیرا نے پھر سے روک لیا۔

''ایک الجھن تھی دور کر دیں آپ اس دن پہاڑی پر سے گرے تھے کیوں؟ اور وہ لڑکی؟'' شیراز مصطفیٰ مزا انہیں اس کی بات سن کر دل ہی دل میں مسکرایا ضرور تھا مگر چہرے

پر مسکراہٹ کا کوئی عنصر نہ آنے دیا تھا۔

''وہ ایک مشق تھی جو کہ میری جاب کا حصہ تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ آپ لوگوں کو ہماری مشق کا حصہ بننا پڑا'' کمال انتہا پر جھوٹ سے کام لیا تھا اور حمیرا وہ کیسے نہ سمجھتی۔

''نہیں مسٹر! میں نہیں مانتی فی البدیع کو اپنی طرف جس طرح سے آپ کے کریکٹر نے اٹریکٹ کیا۔ اس نے آپ کو بچایا یہ سب کی پلاننگ کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔''

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کو جاسوس ہونا چاہیے تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں مگر سوری فار دیٹ آپ اسی پر یقین کر لیں تو بہتر ہے او کے پھر ملتے ہیں!'' دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ اپنے گلاسز کو درست کرتا۔ دائیں ہاتھ بالوں میں پھیرتا اندر کی جانب بڑھا جبکہ وہ حیران اور ہکا بکا وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

مورے جان کو اطلاع دی گئی کہ وہ دونوں اگلے ایک دو دن میں ہی واپس لوٹیں گی وہ جو ان دونوں کے آنے پر بہت خوش تھے یہ خبر سن کر مرجھا سے گئے تھے مگر اگلے ہی پل فون پر جو آواز سنائی دی تھی وہ خود بھی بری طرح سے چونکے تھے۔

''کیسے ہیں آپ؟'' کہاں ہو؟''

''جہاں ہوں خیریت سے ہوں آپ پریشان مت ہوں میں جلد آپ سے ملنے آؤں گا فی البدیع کیسی ہے؟'' علی مورے جان کی آنکھوں میں عجب سی چمک آن ٹھہری ہو اپنی چیز کے متعلق اس طرح سے اجازت لے رہا تھا وہ تو تھی ہی اس کی۔ مگر مورے جان کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی وہ نہیں فی البدیع کا خیال بھی آیا وہ یقیناً ایسا نہیں چاہیے گی۔

''تم اجازت کیوں لے رہے ہو۔ میرے بچے وہ تمہاری ہی تو ہے اگر اسے کوئی اعتراض نہیں تو میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔''

''مورے جان! فی البدیع میرے پاس ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے کچھ دن اپنے پاس رکھ لوں؟'' مورے جان کے اوپر حیرانیوں کے پہاڑ ٹوٹنے چلے گئے مگر پھر علی حمزہ نے انہیں دوسری بات بتا دی کہ کس طرح سے اس نے ان کی مدد کی اور اپنے ساتھ لے آیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ حمیرا اگر چاہے تو واپس آ جائے گی اس کا مقصد صرف اور صرف مورے جان کو ہر لحاظ سے مطمئن کرنا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں فی البدیع کے حوالے سے کسی بھی طرح کی ٹینشن ہو۔ دونوں جس طرح سے ایک دوسرے کے ہمسفر

exponovels

ہوتے ہوئے بھی رہیں جدا جدا ہو گئیں ان کی اور وہ دکھ جو علی حمزہ نے سہہ لیا تھا وہ کوئی عام سا چھوٹا موٹا دکھ ہرگز نہ تھا۔ دونوں بہنوں کی کس طرح سے بے حرمتی کی گئی یہ دیکھنا آسان نہ تھا ماں کے سر سے چادر اتار کر پھینک دی گئی۔ دکھ درد کے اندر پل کر تو وہ ان حالات کو پہنچا تھا۔ کہ سے سب کی نظر میں مجرم بنا پڑا تھا۔ ڈاکٹر علی حمزہ کے خاندان کو برباد کرنے کی خبر کو اس قدر نہ اچھالا گیا تھا۔ جس قدر علی حمزہ کے انتقام لینے کی خبر کو پریس کے ذریعے بار بار اچھالا گیا تھا۔ پھر موریجان کچھ پل کے لئے پرسکون بھی ہو گئے وہ تو خود یہ چاہتے تھے کہ علی حمزہ اور فی البدیع پھر سے ایک ہو جائیں۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں دھیمی دھیمی سی سورج کرنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور خود کو نرم و گرم بستر میں پا کر وہ پل بھر کے لئے چونکی ہاتھ بے اختیار ہی دوسے پل پٹی لگے ہاتھ پر جا ٹھہرا۔ اور درد کا شدت سے احساس جاگا۔ پھر پورے بدن میں اٹھتی ہوئی ٹیسوں نے اس سے مزید اٹھنے نہ دیا۔ ابھی وہ صورت حال کو سمجھنے کی کوششیں کر رہی تھی کہ کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ آنے والے کو صحیح طرح سے دیکھ بھی نہ سکی مگر چونکی تو اس وقت جب وہ نقاب پوش شخص قریب ہی کھڑا ہوا اس کے لئے پانی اور ناشتے کی ٹرے اٹھائے کھڑا تھا۔

فی البدیع کے رہے سہے حواس بھی ختم ہو گئے وہ کیسے آ گئی تھی اس طرح سے کن لوگوں کے درمیان۔

''رکو۔ کون ہو تم اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' فی البدیع کا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ پر آن رکا۔ اور وہ ٹرے اٹھائے رک گیا کہنے کو کچھ تھا ہی کیا۔ جو وہ شخص اپنی وضاحت دیتا۔ مڑ کر آہستہ سے چلتا ہوا قریب کھڑا ہوا۔ کمبل کو مزید اس کے اوپر اوڑھا کر سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا آنکھوں سے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ سے چہرے کو سہلاتے وہ چپ چاپ ناشتے کی ٹرے کی جانب اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔ اور فی البدیع وہ اس حصار پر عجب سی کیفیت سے دو چار ہو گئی تھی وہ سراپا الجھا دینے کے لئے کافی تھا۔ مگر اس کی الجھنیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور کچھ لمحے وہ بس یونہی لیٹی رہی پلکوں سے اشک جاری ہوئے تو رکنے کا نام ہی نہ لیا۔ اسے ایسا لگا یہ لمس جانا پہچانا سا تھا وہ آنکھیں جو اس پر جمی تھیں انجان نہ تھیں مگر پھر خود کا وہم کہہ کر اس خیال کو ہی جھٹک دیا ابھی وہ اٹھنے کا ارادہ

رکھتی ہی تھی کہ حمیرا اندر آئی۔ اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے ساتھ لگا کر رو دی۔ اس اچانک سی حرکت پر فی البدیع حیران و پریشان اسے دیکھنے لگی کہ اسے کیا ہوا تھا کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' اب درد تو نہیں ہے ہاتھ میں میں بہت پریشان ہو گئی تھی فی البدیع تھینکس گاڈ تمہیں کچھ نہیں ہوا۔''

وہ اس کے بال سہلاتی ہوئی اسے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

''تمہیں کچھ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم کچھ دن پھر سے انہی وادیوں میں رہیں گے تمہاری خواہش تھی نا ان لوگوں نے تمہاری جان بچائی یہ کون ہیں اس سے ہمارا کیا مطلب بس'' وہ حمیرا کو اس طرح سے کہنے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی کس قدر وثوق سے وہ یہ بات کہہ رہی تھی جیسے وہ لوگ اس کے جاننے والے تھے۔

''تم ہر بات کو اتنا ایزیلی کیسے لیتی ہو یہ کون ہیں: کیا کرتے ہیں؟ اور ہمیں نقصان بھی تو پہنچا سکتے ہیں اس طرح سے ان پر بھروسہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟'' فی البدیع ابھی تک اس کی بات سمجھ نہیں پائی تھی نقاہت بھری آواز میں بولی تو حمیرا نے اس کو مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کہا۔

''کبھی کبھی غیروں پر بھی اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی یہ لوگ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے سیکھو مجھ سے یہ بہت اچھے لوگ ہیں ورنہ ایک پوری رات دن میں یہ لوگ کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔'' فی البدیع حیرانی سے حمیرا کی جانب دیکھنے لگی۔ ایک رات گزرنے کی بات نے اسے بے تحاشا چونکا دیا تھا۔ مورے جان کس قدر پریشان ہو رہے ہوں گے اور وہ ڈاکٹر کا عملہ جو ان لوگوں کے ساتھ تھا پریشانی آہستہ آہستہ سے چہرے پر اپنا عکس چھوڑتی چلی جا رہی تھی۔ مگر حمیرا وہ اس طرح سے مطمئن لگ رہی تھی جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پھر کچھ دیر حمیرا نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر پرسکون کر لیا تھا کھانا کھلانے کے بعد وہ فی البدیع کو اس روم سے باہر لے آئی۔ جہاں ابھی دھوپ پہاڑیوں کی چوٹی پر براجمان تھی اس نے چلتے چلتے بغور اس جگہ کو دیکھا یہ جگہ بہت سنسان نہ تھی کچھ ہی فاصلے پر تو یہ علاقہ تھا۔ وہ قیاس آرائیاں کرنے لگی جب اس نے کچھ لوگوں کو اپنے کام میں مگن دیکھا۔

''یہ لوگ یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اپنے گرد سرخ شال کو لپیٹے وہ بمشکل ہی بول کھول سکی۔ کیونکہ نقاہت ابھی باقی تھی جبکہ علی حمزہ کی کئی پٹی سے جلد آرام نہ آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا پھر وہ جو وجود سامنے تھا وہ تو بہت اہم تھا بہت خاص جس پر اپنا سب کچھ

exponovels

قربان کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی مگر اب درد آہستہ آہستہ ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''یہ سب لوگ یہاں کام کرتے ہیں فی البدیع !فلاحی سمجھ لو اپنی روزی کماتے ہیں'' فی البدیع نے اس کی جانب ایسے دیکھا جیسے اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہ رہی تھی۔

''کل ہی میں نے ان لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا ہے اور ان کا سرغنہ بہت ہی نرم دل آدمی ہے اس نے تو ہمیں یہاں پناہ دی ہے اگر وہ لوگ نہ آتے ہم دونوں اسی جنگل نما جگہ پر گل سڑ جاتے کہ ہمارا نام ونشان تک مٹ جاتا۔''

فی البدیع سر جھٹکتے ہوئے اسی پتھر پر بیٹھ گئی جہاں دھوپ دھیرے دھیرے سے رخصت ہو رہی تھی اسی اثناء میں وہ آسمان پر بکھرے ہلکے پھلکے بادلوں کو دیکھنے لگی جیسے ان کا اس طرح سے موجود ہونا اسے خوشنما سا معطر جاں احساس سے دوچار کر گیا۔

''اسلام علیکم !'' حمیرا کے ساتھ ساتھ فی البدیع بھی مردانہ آواز پر مڑی سامنے شیراز مصطفیٰ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سوٹڈ بوٹڈ کھڑا دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر گیا۔

''میں آپ دونوں سے خیریت دریافت کرنے آیا ہوں آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ۔ دراصل آپ لوگوں کو ابھی مزید کچھ دن یہاں رہنا ہو گا۔ حالات اچھے نہیں کہ آپ کو یہاں سے واپس آپ کی مطلوبہ جگہ پر بھیجا جائے'' اس قدر بردباری اور پروقار انداز میں بول رہا تھا حمیرا کو لگا جیسے وہ اس لہجے کی خوبصورتی میں ہی ڈوب جائے گی۔ مگر اسے دیکھے بنا وہ مسکرا کر بولی۔

''اٹس او کے'' آپ لوگوں نے ہماری مدد کی اتنا ہی کافی ہے۔ آپ مورے جان آئی مین ان کے دادا جی کو اطلاع دے دیجئے گا وہ پریشان نہ ہوں'' شیراز مصطفیٰ نے اس لڑکی کی جانب بغور دیکھا جو کل اس سے لڑنے کے موڈ میں تھی اب سر کو جھکائے بہت دھیمے لہجے میں بول رہی تھی ۔کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کسی موڑ پر آ کر وقت رکتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو سامنے ہوتا ہے وہ سبھی کچھ لگتا ہے۔ نگاہیں خود بخود اسی منظر پر آ کر ٹھہرے لگتی ہیں کئی زاویئے بنتے اور بگڑتے ہیں کئی لفظ لبوں سے نکلنے کو مچلتے ہیں ۔ اور حمیرا وہ اس کی شخصیت میں کہیں بہت دور کھونے لگی نگاہوں کا زاویہ یکدم بدل کر رخ موڑا۔ تو شیراز مصطفیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا ابھی سوچوں کا سلسلہ ہر طرف سے چل رہا تھا جب یہ میوزک وہاں ایک سحر سا جگانے لگا

کسی کے آنکھوں میں پانی
کسی نے بھی نہ جانی محبت کی کہانی

درد ہے ..... جاں
لیتی ہے زندگی کیا کیا امتحاں

قریب ہی سے آتے گانے کی آواز نے کچھ دیر تک وہاں ایک سحر سا جگایا تھا اور یہ گانا یہ میوزک یونہی نہیں گونجا تھا بے ارادتاً فی البدیع کو یہ گانا پسند نہیں تھا جبکہ علی حمزہ نے جان بوجھ کر یہی گانا لگایا تھا وہ جو اکثر فی البدیع کو تنگ کرنے کے لئے لگایا کرتا تھا۔

پل بھر میں لگا سارے احساسات منجمد ہو کر قدموں میں بکھرتے جا رہے ہیں آنکھوں میں حیرانی کی واضح رمق تھی بے چینی انگ انگ میں اترتی چلی گئی تھی۔ شیراز مصطفیٰ بھی حیرانی سے فی البدیع کی جانب دیکھ رہا تھا چہرے پر کئی رنگ آ کر بکھرتے جا رہے تھے۔

''سوری میں یہ گانا بند کرواتا ہوں بی ایزی'' شیراز مصطفیٰ مڑتے ہوئے بولا تو فی البدیع نے یکدم ہی روک دیا۔

''رہنے دیں'' وہ جو ابھی تک پہاڑی پر سر جھکائے اپنی انجانی سوچوں میں مگن بیٹھی تھی نگاہ اٹھائے اسے جانے سے روک گئی مگر نگاہ اس کے سراپے سے اچھی طرح الجھ سی گئی وہ اس شخص کو پہلے کہیں دیکھ چکی تھی وہ بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ذہن پر زور دیتے ہوئے. بولی۔

''میں آپ سے پہلے مل چکی ہوں ہے نا؟'' اس کی بات پر دونوں نے ہی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ بلاشبہ علی حمزہ نے اسے سکون کی دوا دی تھی کہ وہ اٹھنے کے بعد کسی بھی طرح کی ٹینشن نہ لے مگر اچانک ہی وہ شیراز مصطفیٰ سے یہ بات کہہ کر خود بھی حیران تھی ۔ مگر یہ سچ تھا کہ فی البدیع کو چہرے زیادہ یاد نہیں رہتے تھے۔ مگر اس شخص کو تو اس نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ بہت قریب سے دیکھنے کے بعد بھی بہت سرسری کیفیت تھی تبھی تو الٹا اس سے ہی سوال کر گئی جواباً شیراز مصطفیٰ نے سر نفی میں ہلا دیا۔ اور کہا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے اس کی اس بات پر حمیرا نے بھی چونک کر اسے دیکھا جو کمال فن سے جھوٹ بول گیا تھا۔

''آپ ریسٹ کریں آپ کو آرام کی بہت ضرورت ہے'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بہت مودبانہ لہجے میں کہتا ہوا واپس مڑ گیا اور حمیرا اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی۔

exponovels

''چلو فی البدیع! واقعی تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے تم ٹھیک ہو گی۔ تو ہی مریض تمہارے ہاتھوں دوا لے سکیں گے چلو سنبھل کے'' فی البدیع اٹھتے ہوئے تھوڑا سا لڑکھڑائی تو حمیرا نے تھام لیا اسے شاید ڈیلنس محسوس ہو رہی تھی۔ تبھی حمیرا اسے سہارا دیئے اندر لے آئی دل و روح میں عجب سی جنگ چھڑی تھی آنے والے حالات کو لے کر اور علی حمزہ وہ کیا تھا جو وہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی فی البدیع سے نہ مل پا رہا تھا۔ حمیرا کا بس چلتا تو فی البدیع کو جھنجھوڑ کر کہتی کہ پاگل لڑکی وہ شخص اب بھی تمہارا منتظر ہے پھر رشتہ اس قدر مضبوط تھا کہ لڑنے جھگڑنے نے یا ناراض ہونے سے ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ تب حمیرا اسے دوا دے کر کمبل اوڑھاتے ہوئے اس کا سر سہلانے لگی تاکہ وہ پرسکون ہو جائے۔

ہواؤں کی آہٹ پہ رچلتے ہو
حقیقت مرے اور تمہارے خیالوں کی
بے انت منزل سے کچھ بڑی ہے
ہواؤں کی تحریر کس نے پڑھی ہے!

سی ڈی پلیئر پر سوز سحر جگا رہا تھا۔

علی حمزہ اپنے کمرے میں موجود امجد اسلام کو پڑھ رہا تھا۔ جبکہ شیراز مصطفیٰ کچھ ہی فاصلے پر کھڑا الیکٹرک کیٹل میں چائے بنانے میں مگن تھا۔

حمیرا دروازہ ناک کر کے اندر چلی آئی۔ دونوں ہی نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔

علی حمزہ کے چہرے پر محبت بھری مسکان ابھری۔ کتاب سائیڈ پر رکھ کر وہ سیدھا ہوا۔ تو حمیرا بھی چلتی ہوئی کچھ فاصلے پر کشن گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہے میری بہن؟'' اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ شفقت سے پوچھنے لگا۔

''ٹھیک ہوں'' مسکراتے ہوئے بولی۔ پھر کہنے لگی۔

''جانتے ہو علی! مجھے تمہارا نام بہت پسند ہے۔ شیر بہادر میں تمہیں ہر مشکل میں ڈٹا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم کمزور پڑتے ہوا تو اچھا نہیں لگتا۔ تمہاری بہن تمہیں مضبوط دیکھنے کی خواہاں ہے'' حمیرا نے کھوئے کھوئے لہجے میں سر جھکائے علی سے کہا۔ اور دھیرے دھیرے پلکوں سے اشک ٹوٹ کر گر گئے۔ علی بھی رخ پھیرے خود پر ضبط کرنے لگا۔

''علی! میں نے فی البدیع کو روتے ہوئے دیکھا ہے وہ بظاہر بہت مضبوط دل لگتی

ہے۔ لڑ جھگڑ کر غصہ نکال لیتی ہے۔

مگر علی اس کے اندر آئیں ہیں سکیاں ہیں اس کا وجود بالکل کھوکھلا ہے۔ تم بھی اسے چھوڑ کر یوں چلے آئے اسے سہارا کون دیتا۔ پھر تم دونوں انا کے اس رستے پر کھڑے ہو جہاں سے تمہیں محبت نظر نہیں آتی۔ یا تم ایک دوسرے کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے۔'' جہاں پلکیں بھیگی تھیں وہیں آواز بھی دھیرے سے بھیگی جا رہی تھی۔ اسے سمجھاتے ہوئے خود پر ضبط رکھنا مشکل پڑ رہا تھا۔ اور شیراز مصطفیٰ وہ کپ میں چائے ڈالے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس لڑکی کو اس طرح سے علی حمزہ اور فی البدیع کے لئے روتا دیکھ کر حیرانی در آئی عجب سا اضطراب روح و بدن میں ٹھہرنے لگا۔

''میں اسے چھوڑ کر نہیں آیا تھا حمیرا! تصحیح کر لو۔ تم تو جانتی ہو۔ وقت اور حالات کس طرح بدلے تھے اگر درد اسے ملا ہے اس سے پہلے درد میں میں بھی تو جلا ہوں اور وہ مجھے سمجھ نہیں پائی دکھ تو اس بات کا ہے اسے مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

''تو اعتبار دلاؤ نا علی! اعتبار دلانے سے ہی اعتبار آیا کرتا تھا۔ تم اس کے سامنے اپنی بے گناہی تو پیش کرتے نا'' علی حمزہ حمیرا سے کہہ رہا تھا۔ جب شیراز مصطفیٰ نے اس کی بات اچک لی۔ اور ٹرے میں تین کپ رکھے وہ علی حمزہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہ بات اس قدر ہلکے پھلکے انداز میں کی گئی تھی کہ علی حمزہ نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ حمیرا نے اس شخص کو سامنے بیٹھا دیکھا۔ تو نامحسوس انداز میں تھوڑا سا سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گی تھی۔ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ علی کی جانب دیکھنے لگی۔ جو انجانی سوچوں میں گم تھا۔ وہ تینوں اپنی اپنی سوچوں میں الجھے چائے پینے میں مگن تھے۔ جب بمباری کی تیز آواز انہیں بدحواس کر گئی۔ اور وہ بمباری یقیناً کہیں آس پاس کی گئی تھی علی حمزہ نے تیزی سے اٹھ کر اپنی رائفل اٹھائی۔ جبکہ شیراز مصطفیٰ نے اپنا ریوالور نکالنے کے ساتھ ساتھ بولٹس بھی سائیڈ دراز میں سے نکالیں وہ دونوں اس قدر تیزی سے اٹھ کر حرکت میں آئے تھے جیسے وہ اس پچویشن کے لئے بہت پہلے سے تیار ہوں۔ حمیرا وہیں دبکی بیٹھی نہیں رہی تھی۔ بلکہ ان دونوں کے پیچھے لپکی جب علی حمزہ تیزی سے مڑا۔ اور اسے باہر آنے سے روک دیا۔ پھر اپنے باقی ساتھیوں کو الرٹ رہنے کو کہا۔ اور وہ باقی لوگ بھی اس طرح سے ایکٹیو ہو چکے تھے جیسے کہ اب وہ ہر صورت حال سے لڑنے کے لئے بالکل تیار ہوں پھر وہ اندر ہی موجود رہی۔ اسے رہ رہ کر فی البدیع کی تنہائی کا خیال آ رہا تھا۔ باہر باقاعدہ گولیاں چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور وہ پریشانی سی کمرے کا

exponovels

چکر لگا رہی تھی اگلے ہی لمحے کا کچھ پتہ نہیں تھا یہ کون لوگ تھے۔ اس طرح سے آ کر بمباری کرنے والے کچھ پتا نہیں تھا۔ مگر وہ شخص کس طرح سے یہاں رہ رہا تھا اور کس ضبط سے۔ سارے حالات سنبھال رکھے تھے۔ ایک ڈاکٹر کو اس طرح سے بندوق اٹھا کر میدن جنگ میں اترتا دیکھ کر کوئی بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ باہر فائرنگ کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ نہ جانے علی حمزہ نے کونسی دشمنیاں پال رکھی تھیں۔ کیوں وہ اس طرح گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھا وہ کن لوگوں سے لڑ رہا تھا اور کون لوگ اس طرح سے اس کی جان کے دشمن تھے فی البدیع اس سے تو نہی تو جدا نہیں ہوگئی تھی۔ کس قدر نفرتیں پل رہی تھیں۔ اس کے دل و دماغ میں نہ جانے وہ ہر پل ہر لحہ کیا کیا سوچتی رہتی تھی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ تیزی سے کھلا مگر اندر آتے ہوئے علی حمزہ اور شیراز مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکی ضرور تھی۔

شیراز مصطفیٰ لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ اور علی حمزہ نے اسے دائیں بازو سے تھاما ہوا تھا۔ بلاشبہ اس کی دائیں ٹانگ پر گولی لگی تھی۔ رستا ہوا خون دیکھ کر وہ پریشان سی ہوگئی۔

''علی! یہ سب کیا ہوا؟'' وہ بے چینی سے آگے بڑھ آئی۔ مگر علی حمزہ نے اسے ریلیکس ہونے کا کہا۔ اور پلنگ پر شیراز کو بٹھا کر اسٹول کھینچ کر ٹانگ اوپر رکھی۔

''کم آن حمیرا!! الماری میں میرا میڈیکل باکس رکھا ہے جلدی سے اٹھاؤ۔'' وہ ایک سیکنڈ کا ٹائم بھی نہ لگاتے ہوئے تیزی سے میڈیکل باکس نکال لائی۔ اگلے ہی لمحے علی حمزہ اس کی ٹانگ سے گولی نکالنے کی غرض سے آگ جلانے لگا۔

''شاہ کے آدمی ہمارا ٹھکانہ دیکھ چکے ہیں۔ اب وہ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں بیٹھیں گے۔'' علی حمزہ نے شیراز کو ٹھیک طرح سے لٹاتے ہوئے کہا۔

''میں نے انہیں بہت ڈھیل دے دی ہے مصطفیٰ مگر اب نہیں اب گولیوں کے بدلے گولیاں چلیں گی۔ انہوں نے ہمارا کتنا نقصان کر چھوڑا ہے'' علی حمزہ حقیقتاً غصے میں آ کر بولا۔ اور اگلے ہی لمحے ایک اور دھماکہ جو کہ قریب ہی ہوا تھا۔ باہر علی حمزہ کے آدمی مسلسل ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر اب علی حمزہ کی برداشت جواب دے گئی تھی اسلحہ اس کے پاس بھی تو تھا بارود اور دیگر مواد جو کہ اس کے پاس بھی موجود تھا۔ جو وہ ضرورت کے وقت استعمال بھی کرتا تھا۔ مگر اب وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھ نہیں سکھا تھا کہ سامنے جگری یار زخمی پڑا ہوا تھا۔

''میری فکر چھوڑو علی! جاؤ تم ان سے جا کر لڑو۔ ورنہ تمہارے جوان ساتھی بے گناہی کی موت مارے جائیں گے۔

شاہ کی جیت ظلم کی جیت ہے۔'' یہ حالات اور جگہ بہت غیر محفوظ سے تھے۔ بلاشبہ زرا سی لاپرواہی علی حمزہ کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ پورے علاقے اور لوگوں کی بربادی کا باعث بن سکتی تھی۔ علی حمزہ نے جلدی سے اس کی ٹانگ سے گولی نکالی وہ مسلسل اس کی مدد کر رہی تھی۔

''تم مصطفیٰ کی بینڈیج کر سکتی ہو۔ مجھے جانا ہوگا۔'' علی نے تیزی سے سائید الماری میں سے کچھ سامان نکالا۔ اور حمیرا کو اس کی مرہم پٹی کا کہہ کر باہر نکل گیا۔ اور وہ ششدر کھڑی اسی صورت حال سے نمٹنے کا سوچ رہی تھی علی حمزہ نے اس کی ٹانگ سے گولی نکالتے ہوئے پینٹ کا سرا ٹانگ سے اوپر سرکا دیا تھا۔ مرہم پٹی کرنا اس حد تک تو جانتی تھی مگر وہ اس صورت حال پر پریشان کیسے نہ ہوتی پھر وہ وجود درد سے اٹھ بھی نہ پا رہا تھا۔ چوڑے سینے پر چھوٹی موٹی خراشیں آئی ہوئی تھیں اور اس میں سے ہلکا رستہ ہوا خون کوئی جھجک سامنے آن کھڑی ہوئی۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر ایک عجیب سی بے نیاز کیفیت طاری کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ ابھی اس کی ٹانگ کو تھامے وہ زخم پر دوا لگا رہی تھی کہ شیراز مصطفیٰ نے بند کی ہوئی آنکھیں یکدم سے کھولیں'' وہ ہونٹ جو درد کے کرب سے بند تھے وہ چپ چاپ اسے دیکھنے لگا پھر اگلے ہی لمحے وہ ہمت کر کے اٹھ بیٹھا۔

''آپ رہنے دیں۔ میں خود بینڈیج کر لوں گا۔ وہ اٹھتے ہوئے اسے روک گیا۔

مگر وہ اپنا ہاتھ روکے بنا اپنے کام میں مگن رہی۔

''یہ میرا فرض ہے۔ ڈونٹ وری آپ لیٹ جائیں پلیز'' وہ جانتی تھی اس وقت اس شخص کو کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔

اور پھر اتنی سردی میں شرٹ سے بے نیاز اس نے اٹھ کر ہیٹر مصطفیٰ کے قریب ہی رکھ دیا۔ بینڈیج مکمل ہوئی تو پینٹ کا پائنچہ دھیرے سے نیچے سرکا دیا۔ اور کپڑا لے کر اس زخم کے آس پاس ٹکور کرنے لگی حمیرا جوں جوں مرہم لگا رہی تھی اسکے وجود میں سکون اور طمانیت کا احساس ہوتا چلا گیا۔ اس لڑکی کی عزت کس قدر بڑھ گئی تھی وہ آنکھیں بند کیے چپ چاپ لیٹا رہا۔ اب مسئلہ تھا اس کے کمر اور سینے پر موجود زخموں کو سہلانے کا نہ تو اس میں اتنی ہمت تھی نہ ہی وہ ایسا بھی کچھ بھی کرنے کا سوچ سکتی تھی حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی; وہ عورت

exponovels

ذات تھی تو جھجک در آئی مگر سامنے موجود شخص کے بارے میں وہ کچھ سوچنا ہی چاہتی تھی کچھ بھی کیونکہ ابھی تو انجانی سوچوں کا درد ہوا تھا۔ ابھی تو محبتوں کا سفر کرنے کو سوچا تھا۔ ابھی تو وہ اس راہ کی مسافر بننے کی خواہش کرنے لگی تھی جس پر اس شخص گزرنا ہونا تھا۔ مگر وہ اپنے جذبات یوں اس طرح سے کیسے بے مول کر دیتی۔

حلانکہ اس وقت نہ جانے کیوں اسے اس کی تکلیف محسوس زیادہ ہو رہی تھی اس کی بند آنکھوں کا ہلکے ہلکے کانپنا اپنے وجود میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ قریب ہی کھڑی اضطراب میں تھی جیسے کے درد کا سفر کر رہی ہو۔ جیسے کہ اسے کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی کہہ نہ پا رہی ہو۔ اور وہ بھی نہ جانے کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ کروٹ لیتے دوسری جانب چہرہ کئے وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا اور علی حمزہ وہ ابھی تک لوٹ کر نہ آیا تھا۔ اسے رہ رہ کر اس کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

باہر مسلسل کچھ دیر تک گولہ باری کی آوازیں آتی رہی تھیں ابھی وہ کچھ سوچ رہی تھی کہ مصطفیٰ نے یکدم سے کروٹ بدلی اور سامنے انگلیاں مروڑتی ہوئی اس لڑکی پر نظر ڈالی تو کچھ دیر دیکھتا رہا بے ربا آنکھیں ہر خواہش سے پاک تھیں جن میں اس لمحے عزت اور احترام کے ساتھ ساتھ خلوص چھلک رہا تھا۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔“ نہ جانے کس رو میں آکر وہ اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کر گیا۔ حمیرا نے اس کی جانب دیکھا پھر نگاہیں ہٹا کر کچھ فاصلے پر پڑی چٹائی پر جا بیٹھی۔ جبکہ شیراز مصطفیٰ اٹھ کر شرٹ پہنا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

محبت پیاس بن کر دلوں میں تشنگی جگانے لگتی ہے انوکھی سی تپش دل و روح میں احساس اور آرزو بن کر سرایت کر جاتی ہے۔ محبت انوکھا ادرد رکھتی ہے آس رکھتی ہے پاس رکھتی ہے پاس ہو تو ملن کی خواہش میں جلاتی رہتی ہے تڑپاتی رہتی ہے۔ محبت سامنے نہ ہو دوریوں کے سفر میں گم نہیں ہوتی کھو نہیں سکتی۔ پھر بھی پاس رہتی ہے۔ دلوں میں انوکھی سی خواہش کی صورت جیسے پیار کا رنگ بن کر قوس قزح بکھیر دے۔

بے خود ہی بے خودی ہو۔ بے اختیاری کا موسم ہو دلوں میں ایسے سرایت کر جائے کہ اس کے سرایت کرنے سے روح و بدن بھی محبت کا سراپا بننے لگے

پھر رت پیار کی چھوئے لگے اور محبت منتشر ہوتی چلی جائے ایسی کیفیت وجدان کا

حصہ بنے کہ اردگرد میں ہونے والے کسی بھی قصے سے تعلق نہ بنتا ہو واسطہ نہ بنتا ہو کیونکہ محبت کی اپنی ایک الگ سی دنیا ہوتی ہے۔

اس کے تقاضے الگ ہوتے ہیں ترجیحات الگ ہوتی ہیں اور اسی محبت کی پر کیف وادی میں سفر کرتے کرتے ان وادیوں کے پس منظر پر نظر رکھتے ہوئے اکثر ہم کھونے لگتے ہیں۔ دلکشی سے دور بھی ہو جاتے ہیں۔

رنج سے معمور بھی ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی محبت جینا سکھاتی ہے۔ کوئی اس دلاتے ہوئے کوئی پیاری سی تمنا جلا کر۔ شاہ کے آدمی بری طرح سے ناکام لوٹے تھے۔

علی حمزہ نے جس طرح سے ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور اپنے بازوؤں پر جو زخم کھائے تھے۔ وہ یقیناً پر تکلیف تھے۔

مگر شیراز مصطفیٰ نے بھی اس کا مکمل طور پر ساتھ دیا تھا یہ ساتھ نہ صرف دوستی کے رشتے کا تھا بلکہ سچائی اور حق کا ساتھ تھا مگر وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ ایک بار سرمد شاہ کے آدمی حملے کرنے کے بعد دوبارہ بھی علی حمزہ کو ختم کرنے کے بارے میں سوچیں گے۔ کیونکہ علی حمزہ کے پاس خفیہ تکنیک تھیں۔

وہ بیرون ملک ایسی ٹیکنالوجی باقاعدہ ڈپلومے کے تحت سیکھ کر آیا تھا۔ مگر وہ پھر بھی کچھ غلط نہیں کر سکتا تھا اب تو صرف مشن انسانیت کی بقاء تھا۔

دشمن کا ہر طرح سے خاتمہ تھا۔

ایسے دشمن جو کہ بظاہر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کیلئے بہت اچھی طرح سے باقاعدہ تنظیم کے تحت کام کر رہے تھے۔

جنہیں ملک وقوم کو ہر طرح سے لوٹنا چاہتا تھا۔

نوچ کھاتا تھا علی حمزہ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ اس ٹیکنالوجی کا ماہر تھا اسی لئے وہ خفیہ طور پر ڈاکوؤں اور دشمنوں کے کئی گروپس کو پکڑوا چکا تھا کئی طرح سے پولیس اور آرمی مدد کر چکا تھا مگر اس کے باوجود وہ سب کے لئے بھاگا ہوا اشتہاری مجرم تھا صرف اس لئے کہ اس نے اپنے خاندان والوں کی بربادی کا بدلہ لیا تھا۔

وہ اس لئے مجرم بنا تھا کہ اس نے دشمن کے خلاف آواز اٹھائی تھی اس لیئے کہ اس نے پولیس کے کچھ آدمیوں کو پولیس کچہری میں جو کر موت کی نیند سلا دیا تھا۔

پھر قصور صرف علی حمزہ کا تو نہیں تھا جو اسے مجرم بنا کر اس طرح سے بدنام کر

exponovels

دیا جاتا۔

کوئی ان حالات کی جانب نگاہ تو دوڑاتا۔ جن حالات سے علی حمزہ گزر رہا تھا اور گزر کر قانون اپنے ہاتھ میں لے بیٹھا تھا علی حمزہ اور شیراز مصطفیٰ نے فوری طور پر یہ جگہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ علی کو اپنے ساتھیوں اور فی البدیع کی بے حد فکر تھی۔

اس قدر مضبوط رشتہ بنتا تھا اس سے جو باقی دنیا والوں کی طرح سے اسے جھوٹا اور مجرم گردانتی تھی۔

وہ فی البدیع جو علی حمزہ سے بے حد محبت کرنے کے باوجود اعتبار نہ کر پائی

محبت میں اعتبار لازم ہے اعتبار تو محبت کی کامیابی میں پہلا قدم ہے وہ محبت ہی کیا جو نہیں بس کہنے اور سننے تک ہی محدود ہے جس میں شک و شبہات کے بیج دھیرے دھیرے نمو پا کر محبت کو کمزور کرتے رہیں۔

اگر فی البدیع آج علی حمزہ پر بھروسہ کرتی وہ کس درد سے گزرا تھا یہ سمجھنے کی سعی کرتی تو یہ دوریاں کبھی بھی جنم نہ لے پاتیں۔

دوریاں قریب رہنے سے بھی ختم نہیں ہوتیں اگر دل میں دوری کا احساس ذرا سا بھی براجمان رہے دوریاں تو دور رہ کر بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر دل و روح قربت کے انوکھے احساس سے آشنا ہوں۔

علی حمزہ کیلئے نئی جگہ نیا مقام تلاش کرنا بھی مشکل ہی تھا مگر شیراز مصطفیٰ نے اس کا بہت اچھا انتظام کر دیا تھا وہ لوگ اب محفوظ مقام پر پہنچ چکے تھے۔ شیراز مصطفیٰ اور اس کے کچھ پولیس اہلکار دوستوں نے مل کر بھی علی حمزہ کے لئے نیا ٹھکانہ تلاش شیراز نے فی البدیع اور حمیرا کو خود اپنی گاڑی میں ڈراپ کیا۔ ابھی تک فی البدیع علی کے بارے میں نہیں جان پائی تھی مگر حمیرا کا یہاں مزید رہنا بے حد مشکل ہو چکا تھا سو اسے ہر صورت واپس تو جانا ہی تھا۔

اب جب علی بھائی فی البدیع کو کچھ دن اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے تو حمیرا کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کوئی ہو نہیں سکتی تھی۔

علی حمزہ اب محض ا ے ڈاکٹر نہیں تھا وہ ایک مجاہد تھا جو کہ نہ صرف ہتھیار بنانے میں ماہر ہو چکا تھا۔ بلکہ اس کے با ے میں ساری معلومات اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس نے کبھی بھی ؛ ق ہاتھ میں نہیں اٹھائی تھی مگر حالات اس موڑ پر نہ آن رکتے اب وہ کسی کو اپنی اچھائی کا یقین دلاتا پھر جب وہ سب کی نظر میں غلط ہو چکا تھا تب اسے اپنی جان کی پروا تھی کب،

اب بھی اگر وہ زندہ تھا تو محض فی البدیع کیلئے اب وہ پاس تھی تو علی مزید زندگی کی خواہش کرنے لگا تھا۔ اسے چپکے چپکے دیکھ کر دل و روح میں کس قدر طوفان اٹھے تھے یہ وہ کیسے سمجھ پاتی۔

حمیرا علی حمزہ سے اجازت لے کر فی البدیع کے پاس چلی آئی۔ جو ابھی تک دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو اُمڈ آئے تھے مگر وہ ان آنسوؤں کے باجود خود کو سنبھالتے ہوئے قریب ہی چلی آئی۔

''جب وہ جاگے گی تو اس سے موجود نہ پا کر کس قدر بے چین ہو گی پھر جب اس بات کا پتا چلے گا کہ وہ علی بھائی کے پاس ہے اور حمیرا نے اسے جھوٹ کہا تو کس قدر مشتعل ہو گئی وہ۔'' اسکے چہرے پر بوسہ دیتے ہوئے وہ آنسو پونچھتے ہوئے مڑی تھی مگر دروازے میں کھڑی علی بھائی کو دیکھ کر رک گئی۔

''علی بھائی! پلیز واپس لوٹ آیئے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ لوگ مزید اس طرح سے بے رونق زندگی گزاریں علی بھائی میں آپ دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں آپ پلیز چھوڑ دیں یہ سب کچھ'' وہ بری طرح سے رونے لگی تو علی حمزہ کا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا۔ وہ کب خوش تھا اس زندگی سے زندگی نے اسے مجرم بنا دیا تھا۔

تم جانتی ہو مجاہد کی زندگی کیسی ہوتی ہے کوئی لمحہ کوئی پل کچھ بھی خبر نہیں ہوتی اور اب میرے پاس جینے کا مقصد صرف فی البدیع ہے حمیر اور نہ اب تک تو زندگی بھی مجھ سے چھن چکی ہوتی۔'' علی بھائی کے چہرے پر پریشانی رقم دیکھ کر حمیرا بھی مضطرب ہوا تھی تھی۔

''آپ فکر نہیں کریں علی بھائی! سب بہتر ہو جائے گا۔ بس آپ نے ثابت قدم رہنا ہے۔ فی البدیع بے وقوف ہے مگر آپ اسے سمجھائیں گے تو وہ یقیناً سمجھ جائے گی۔ علی نے جواباً سر اثبات میں ہلایا کہ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرے گا۔

''مورے جان! کو میری طرف سے بہت سلام و دعا دینا انہیں کہنا کہ وہ فی البدیع کی فکر نہ کریں۔'' حمیرا کو چھوڑ نے وہ باہر تک چلا آیا تھا۔ گاڑی میں شیراز مصطفیٰ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ وہی خوبصورت اسٹائل سن گلاسز لگائے خود سے بے نیاز حمیرا نے اسے بغور دیکھنے کے بعد چہرہ جھکا لیا۔

اسے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اسی کی تھی۔ اتنا لمبا سفر وہ اس کے ساتھ کرے

exponovels

گی یہ کب سوچا تھا۔ سر جھٹکتی وہ علی حمزہ سے دعا سلام کرنے کے بعد فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

شیراز علی حمزہ سے پہلے ہی مل چکا تھا گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور پھر یکدم سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ حمیرا نے ایک نظر ساتھ میں بیٹھے ہوئے شیراز مصطفیٰ کو دیکھا جو کہ اردگرد سے بے نیاز گاڑی چلا رہا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر چہرے پر رسمی سی مسکراہٹ سجائی۔ تو حمیرا نے سکھ کا سانس لیا۔ کہ شاید اب کوئی بات چیت کا پہلو تو نکلے۔

''آپ ایزی ہو کر بیٹھیں، سفر بہت لمبا ہے۔ مگر کٹ ہی جائے گا۔'' اس شخص نے گفتگو کا آغاز اسی رسمی جملے سے کیا۔ تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اپنے ایزی ہونے کا یقین دلا گئی۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' بے چینی حمیرا کے انگ انگ سے نمایاں تھی وہ کچھ بھی کیسے بتائے بنا محض اسے دیکھنے لگا۔

''آپ علی بھائی کے ساتھ کب سے ہیں۔ آئی مین اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی آپ ان کا ساتھ دے رہے ہیں آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ آپ خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔'' زبان سے نکلنا کیا تھا۔ مگر کچھ اور ہی جملہ پھسل گیا۔ وہ خود بھی اپنی بات پر حیران سی رہ گئی تھی۔

''علی! میرا بچپن کا دوست ہے اور میں خود سے زیادہ علی سے محبت کرتا ہوں میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ غلط نہیں ہے۔ بس یہ سب جو اس کے ساتھ ہوا ہے وہ غلط تھا۔ اگر وہ سب کی نظر میں اشتہاری مجرم ہے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ میری جان یا زندگی کو کوئی خطرہ ہو سکتا ہے'' شیراز مصطفیٰ نے بہت تفصیل سے اسے بتایا وہ اس کی باتوں اور خیالات کی معترف ہی تو ہو گئی تھی۔

''علی نے جو راستہ چنا ہے وہ رستہ یا تو شہادت کی طرف جاتا ہے یا دشمنوں سے لڑ کر غازی ہونے کی طرف اور اب تک علی حمزہ غازی ہی رہا ہے۔

خدا کرے وہ ہمیشہ غازی ہی رہے اس کے لئے اب مورے جان کے ساتھ جا کر رہنا بے حد مشکل ہے کیونکہ وہ خود کسی بھی صورت پولیس کے حوالے نہیں کرنے دے گا۔'' وہ اسپیڈ ہو کر اس طرح کی بات کہہ رہا تھا۔

''تو کیا علی بھائی اور فی البدیع کا تعلق پھر سے مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے وہ دونوں کیسے مل رہ پائیں گے۔''

''ہوگا وہی جو قسمت میں ہوگا۔ ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ شیراز مصطفیٰ نے بہت ہی آرام سے کہا تھا۔ وہ بھی کندھے اچکا کر رہ گئی۔ اور اسطرح دھیرے دھیرے چلتا رہا۔''

☆ ☆ ☆

سامنے جو شخص کھڑا تھا اسے دیکھ کر یقین نہ آیا کہ وہ علی ہی ہے جی چاہا اس کے چوڑے اور کشادہ سینے میں چھپ جائے اور اتنے دن کی مسافتوں اور دوریوں کے بعد اس ملن پر خوب روئے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا ہو محض اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں سے اشک خود بخود بہتے چلے گئے تھے علی بھی اپنی جگہ خاموش کھڑا محض اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیسی ہو؟'' علی کے سوال میں اضطراب بہت واضح چھپا ہوا تھا۔

''زندہ ہوں علی حمزہ! تمہاری دی ہوئی مسافتوں اور تھکان کے بعد بھی۔ مگر تم نے وہی کیا جو تمہاری ضد تھی ہمیشہ اپنے بارے میں سوچا۔ شادی کی تھی نا مجھ سے۔ رخصت کر کر کے ساتھ لائے تھے تو تنہا کیوں چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔'' وہ رونے پر آئی تو دل کا سارا غبار نکال دینا چاہتی تھی۔ وہ شخص جو اس کا شوہر تھا اسے بے حد محبوب بھی تھا۔ اس سے اس قدر دور تھا وہاں وہ مورے جان کے ساتھ پورے سال سے تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ پھر شکوہ لبوں پر نہ ٹھہرتا تو کیا تھا پھر دل نہ بھر آتا تو کیا ہوتا۔

علی آگے بڑھ آیا تھا۔ ارادہ اسے خود سے لگا کر تسلی دینے کا تھا مگر وہ اسے پرے دھکیل گئی۔

''مما، پاپا، بھائی سبھی چھوڑ کر چلے گئے علی! سبھی قدرت کے فیصلے کی نظر ہو گئے اور تم اس موڑ پر چلے آئے ہو یہ کن راہوں کو چن لیا اپنے لیے تمہیں میرا ذرا خیال نہیں آیا۔ کہ تمہاری زندگی صرف تمہاری تو نہ تھی۔

تمہاری زندگی میں میرا وجود بھی تو تھا نہ کیوں نہیں سوچا تم نے علی اس سے اچھا تھا کہ میں بھی مر گئی ہوتی۔'' علی حمزہ نے اس کی بات پر مزید برداشت نہ کیا۔ ایک جھٹکے سے اس وجود کو خود سے قریب کیا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر ہی نہ جائے۔ اس کے سینے پر فی البدیع نے ڈھیروں مکے برسائے تھے۔ مگر علی نے اسے اپنے حصار میں مقید کئے ہمت بندھائی تھی پھر کچھ دیر رونے کے بعد وہ آہستہ آہستہ چپ ہونے لگی تھی جب اندر کا سارا غبار باہر نکال دیا تو جیسے کہنے کے لئے کچھ بھی نہ بچا تھا۔ علی اس کے بال سہلاتا ہوا اسے حوصلہ دے رہا تھا پھر اسے لے کر صوفے کی جانب بڑھ آیا تھا اس وہاں بیٹھ کر اس نے پانی پلایا۔ پھر اسی جگہ

exponovels

پر موجود برنر جلا کر اس کے لئے چائے کا انتظام کرنے لگا کیونکہ فی الحال شام کے وقت یہی کچھ اویل تھا۔ وہ خود سے بیگانہ سر صوفے کی پشت سے لگا کر بیٹھی تھی۔

اسے تو خوشی سے جھوم اٹھنا چاہیے تھا کہ وہ پھر سے علی حمزہ کو دیکھ پائی اسے چھو کر محسوس کر پائی وہ نہ تو اس کے ملنے سے کس قدر مایوس ہو چکی تھی وہ اس کو ہمیشہ غلط سمجھتی آئی تھی۔ اس پر اعتبار کرنے کی بجائے اسے غلط گردانتی تھی اب جب وہ اتنے دنوں بعد ملا تو لگا کہ کوئی خفگی ہی نہیں کوئی مشکل ہی نہیں بے اعتباری کا کوئی موسم ٹھہرا ہی نہیں تھا۔ اور علی حمزہ وہ جیسے پھر سے جی اٹھا تھا فی البدیع کہہ دیکھ کر اسے اپنے وجود میں سمیٹا تو لگا اب زندگی کا کوئی مقصد اور نہ رہا ہو کوئی آرزو مزید نہ آن ٹھہری ہو۔

''لو میں تمہارے لئے اپنے ہاتھوں سے چائے بنائی ہے اور یہ پاستا تمہیں میرے ہاتھ کا پاستا بہت پسند تھا۔'' علی کی نگاہوں میں بس محبت ہی محبت تھی وہ سیدھی ہو بیٹھی برابر میں علی حمزہ بیٹھا میز کے اوپر دو کپ چائے رکھے پاستا اسے خود کھلانے لگا۔ فی البدیع کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ یہ تشکر کے آنسو تھے ملن کی خوشی کے وہ سمجھ نہ پا رہی تھی جب علی نے اسے اپنے ہاتھوں سے پاستا کھلایا تھا وہ چپ چاپ دونوں ہاتھ گود میں رکھے اس کے ہاتھ سے پاستا کھانے میں مگن تھی کتنی ہی انجانی سوچوں نے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔

''فی البدیع.....!'' علی نے پکارا تو وہ جیسے خیالات کی دنیا سے چونک کر باہر آئی تھی۔

''دیکھو ایسا شوہر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا جو اپنی بیوی کے لئے کھانا بنا کے اور اپنے ہاتھوں سے کھلائے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر کہنے لگا۔ تو فی البدیع نے آنسو پونچھ دیئے اور اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے چائے کا کپ سامنے سے اٹھا لیا۔

''تم ابھی بھی بہت خوش فہم ہو علی! جب میں ان وادیوں میں آئی تھی اور ان بے سہارا لوگوں کی امداد کا سامان کر رہی تھی تو کہیں نہ کہیں مجھے تم سے ملنے کی امید تھی کہ اچانک یونہی تم میرے سامنے آجاؤ گے اور میں بے خود ہو کر اپنا آپ بھی کھو دوں گی۔'' فی البدیع کے چہرے پر عجیب سی چمک در آئی تھی۔

''مجھے ان وادیوں میں ان خوبصورت جگہ پر رہنے کا بہت شوق تھا علی مگر جب سے یہ وادیاں اجڑی ہیں یہاں پر مکانا نہیں ہیں میرا دل بہت بے چین سا ہو گیا ہے یہ سب دیکھ کر پلیز علی ہم واپس چلتے ہیں مورے جان بہت تنہا ہیں وہ میرے بنا نہیں رہ سکیں

گے۔ اور اب میرا تمہارے بنا رہنا بہت مشکل ہے'' علی کے کندھے پر سر ٹکا کر وہ حقیقت کا اک نیا در کھول گئی تھی۔

''مورے جان کو تو بہت خوشی ہے کہ تم یہاں میرے پاس رہ رہی ہو وہ بالکل پریشان نہیں ہوں گے۔'' علی نے اسے تسلی دی تھی۔

''میں نے بہت برداشت کیا ہے علی! بہت سہا ہے بہت درد تھا۔

میری زندگی میں جو تمہارے جانے کے بعد مجھے اور مورے جان کو تنہا برداشت کرنا پڑا ہے۔ میں جانتی ہوں علی جو تمہارے ساتھ ہوا تمہارا صرف تمہارا درد تو نہیں تھا تمہاری فیملی بھی صرف تمہاری فیملی تو نہیں تھی تو تم نے یہاں آکر اس طرح سے رہنے کا فیصلہ کیوں تنہا کر لیا۔

مجھے کچھ بھی کہے بغیر اس وقت میں نے شدید ری ایکشن کیا تھا۔ تو وہ وقتی تھا علی مگر تم اس طرح سے قید کی زندگی گزارنے لگے اتنے دشمن بنا لئے یہ سب میں کیسے برداشت کر لوں۔''

دھیرے دھیرے کہتے ہوئے آواز اور لہجہ بھی مدہم رکھا تھا وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی جب زندگی دونوں نے ساتھ گزارنے کا عہد کیا تھا تو علی حمزہ نے انتہائی قدم کیوں اٹھا لیا۔

''مجھے اس بات کا افسوس ہے فی البدیع! مگر تمہارے اس طرح سے یہاں آنا نہ تو آسان تھا نہ ہی ممکن، خطروں اور موت سے دن رات کھیلنے کے بعد ہی میں آج علی سے علی حمزہ بن پایا ہوں تم کیا جانو میں نے کس طرح کہاں کہاں اپنے آپ کو ختم کیا ہے'' وہ بہت رسان سے آگاہ کر رہا تھا۔

''تم نے اتنا سب کچھ تنہا کیا ہے۔ کیا ضرورت تھی یہ طریقہ اختیار کرنے کی، علی اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی علی'' وہ ایک ہی بات پر اڑی ہوئی تھی ایک ہی بات دہرائے جا رہی تھی جس سے اس کے اندر کی کیفیت کی ترجمانی ہو رہی تھی کہ وہ اب تک مضطرب الحال ہے۔

☆.....☆.....☆

کیا ہوا گاڑی کیوں رک گئی وہ گاڑی سے نکلتے ہوئے ڈگی کی جانب بڑھا اور پنکچر ہوئے ٹائر کو اتارنے کا سامان نکالنے لگا۔ گاڑی کی پچھلی سائیڈ پر ٹائر کا کموجود ہونا بلاشبہ عقلمندی کی جانب واضح اشارہ تھا حمیرا گاڑی میں ہی بیٹھی چپ چاپ اسے دیکھتی جا

exponovels

رہی تھی۔

''میں بھی کہوں کہ یہ شخص گاڑی رکنے کی اتنی ٹینشن کیوں نہیں لے رہا۔ آخر ہے ہی گھنا۔ سب انتظام کر رکھا ہے پورا ایکسٹرا ہے اسی ایکچوئنگ کرتا ہے کہ دیکھنے والا بھلے ہارٹ اٹیک سے مر جائے مگر محترم کو کسی کی پروا ہی نہیں۔'' وہ تنفر اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں گھری تھی کیا تھا یہ شخص اسے آج تک سمجھ نہیں آیا تھا۔ کئی سوال بیدار ہوئے تو کئی خواہشیں بھی تھیں۔ مگر یہ شخص اس قدر عجیب کیوں تھا اتنی اچھی پوسٹ پر ہو کر بے یقین سا کیوں لگتا تھا۔ جیسے کرائمز کرنے کا عادی ہو چکا ہو۔ جیسے کچھ بھی ہونے کی اسے کوئی بھی پروا نہ ہو۔ وہ الجھی ہوئی انجانی آتی جاتی سوچوں میں گم صم تھی کہ شیراز مصطفیٰ نے اس کی سائیڈ سے آ کر اس کی جانب دیکھا تو وہ یکدم سے چونک سی گئی۔

''ایک افسوس کی بات یہ ہے کہ میری گاڑی میں جو ٹائر تھا اس میں ہوا موجود نہیں تھی سو گاڑی نہیں چل سکتی۔''

''نہیں نہیں یہ افسوس کی بات کب ہے یہ تو بہت خوشی کی بات ہے موسم بھی کتنا اچھا ہے جگہ بھی بے حد خوبصورت ہے اس جنگل میں رہیں گے اور خوب انجوائے کریں گے او کے۔'' مخالف سمت میں کھڑے شیراز کے لبوں پر بے اختیار ہی اس کے طنز پر مسکراہٹ سی بکھری تو وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اسے بتانا مقصود تھا سو بتا دیا۔ اب آگے کیا کرنا تھا یہ سوچ سوچ کر وہ خود بے حال ہو رہا تھا مگر چہرے پر کمال ضبط سے طمانیت کا درد ہوا تھا مجال ہے جو اندر کی کیفیت کا پتا چلے۔ حمیرا نے اپنے طنز و مزاح کے بعد اس قدر پریشانی میں گھری تھی کہ ہاتھوں میں سے پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔

''انتہائی اسٹوپڈ شخص ہے ٹائر بھی گاڑی میں رکھا تو پھٹا ہوا پھٹیچر.....'' دل ہی دل میں ڈھیروں گالیوں سے نوازہ۔

رات کا آسیب سناٹا دھیرے دھیرے وادیوں کے ارد گرد پھیلنے لگا تھا اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر پریشانی کا سامنا کر رہے تھے۔

پھر اگلے ہی لمحے شیراز مصطفیٰ آگے بڑھ آیا اور اسے گاڑی سے نکلنے کو کہا کیونکہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو بیٹھا نہیں جا سکتا تھا شاید کوئی سرائے ہی میسر آ جائے رات کے ان سناٹوں سے بچنے کے لئے کوئی تو راستہ ہونا چاہیے ورنہ بڑھتی ہوئی سردی کے پیش نظر وہ دونوں فیز بھی ہو سکتے تھے۔ شیراز مصطفیٰ دھیرے دھیرے آگے چلتا جا رہا تھا

جبکہ حمیرا اس کی پیروی کرتے ہوئے بڑھ رہی تھی۔

''سنیے.....!'' وہ یکدم سے رک گیا۔

''کہیے.....!''

''کچھ نہیں، میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ جا کہاں رہے ہیں؟''

''جنگل میں''

''واٹ.....!'' وہ یکدم سے اچھلی۔

''کیوں وہاں جانے کی کیا تک بنتی ہے آئی مین کوئی سرائے ڈھونڈیئے.....!'' حمیرا نے مبہم لہجے میں تڑخ کر بولی۔

''آپ کے ساتھ یہ سفر ہمیشہ یادگار رہے گا میں نے سوچا کہ سے مزید یادگار بنایا جائے۔'' وہ یقیناً اسے تنگ کرنے کے فل موڈ میں تھا تبھی وہاں چہرے پر کئی رنگ بکھرنے لگے تھے۔

''آپ کی اس بات کا کیا مطلب لوں؟'' وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''جو بھی سمجھ لیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا'' واہ کیا انداز تھا وہ تپ کر رہ گئی۔

''دیکھیے! آپ وقت کی نزاکت کو سمجھیے اب کیا ہو گا.....؟''

''وہی جو منظور خدا ہو گا۔

''آپ اتنی سی دیر میں پاگل کیسے ہو گئے۔''

''آپ کی سنگت کا اثر ہے۔''

''شٹ اپ مسٹر شیراز! میں بہت برداشت کر رہی ہوں آپ کی بکواس'' وہ رک کر اسے صاف سنانے لگی۔

''تو کس نے کہا برداشت کریں'' وہ چلتے چلتے رکا تھا اور سامنے بڑی ساری سلیب بنی تھی اس پتھر پر یوں ٹک گیا۔ جیسے کسی کا انتظار ہو رہا ہو۔

''ڈیم اٹ'' حمیرا نے خود پر لعنت و ملامت کی کی جس گھڑی وہ اس شخص کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔

پاگل تو وہ اسے اسی وقت لگا تھا جب اس نے پہاڑی سے گرنے کی کمال کی ایکٹنگ کی تھی محض ایڈونچر کے طور پر۔

''رکنے سے چلنا زیادہ بہتر ہے'' وہ بے دبے لہجے میں بولی۔

exponovels

''کہاں لکھا ہے'' میرے دل پر میرے دماغ نے کہا۔'' وہ کہہ بھی نہ سکی بس اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر نگاہیں جھکا گئی اور اگلے ہی پل اس نے نگاہوں کو سمیٹ کر پھر کسی نکتہ پر سوچنا شروع کر دیا۔

آپ فون کر کے گاڑی کیوں نہیں منگوا لیتے ۔آخر کو آپ پولیس کے خاص آدمی ہیں۔'' خاص آدمی پر خاصا زور دیتے ہوئے کہا۔ تو شیراز مصطفیٰ نے بغور اس کے طنز پر اس کی جانب دیکھا۔ لمحے بھر کے لئے تو دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے خود کو کمپوز کرتے ہوئے دوسری جانب یوں متوجہ ہوا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''اسے مسٹر شیراز ! لک ایٹ می ۔واٹ یو تھنک آئی ایم حیسٹ اینو سنٹ اباؤٹ یور میٹرز'' وہ طنزاً! ہنس دی تو شیراز مصطفیٰ نے پھر بھی نوٹس نہ لیا۔

''ایک بات یاد رکھنا میں تمہیں کچھ بھی غلط نہیں کرنے دوں گی۔''

''تم سے کس نے کہا کہ میں غلط کروں گا۔ وہ دونوں آپ سے تم پر اتر آئے۔

جواباً حمیرا اس کی بات پر رخ موڑے کھڑی اپنے اندر آنے والے اضطراب کو دبانے لگی۔

جب ہی شیراز مصطفیٰ کا موبائل اپنی مخصوص ٹون میں بجنے لگا۔

''یس سر آئی ایم اوکے بٹ سر مجھے یہاں رکنا ہوگا۔'' وہ ذرا دور جا کر کھڑا ہوا اور پیچھے سے آنے والی آواز کے جواب میں بولا۔ تو اس سے ساری انسٹریکشن دے دی گئیں وہ چپ چاپ ساری ہدایات کو فالو کرنے لگا تھا۔ حمیرا نے شش وپنج میں مبتلا کیفیت کے باجود خود کو سنبھال رکھا تھا وہ یہاں کیوں چلا آیا تھا اب یہی سوال دل و دماغ میں جھنجھنانے لگا تھا کچھ دیر موبائل پر بات کرنے کے بعد وہ پھر اس کے سامنے کھڑا تھا وہ چہرے پر بکھرے پریشانی کے رنگوں سمیت سامنے کھڑی ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

''تم.....تم کیا چاہے ہو آخر۔ یہ سب کیا ہے شیراز مصطفیٰ' جواباً وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا''

''انتہائی ڈیسنٹ انسان ہو۔ اسی لئے تو ایسی سچو ایشن میں بھی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو پہلے ہی تم پولیس والوں کو ایسا ہی سمجھتی تھی۔ بٹ پلیز تمہاری زندگی تمہارے لئے مذاق ہوگی میری نہیں۔ وہ اسے ہاتھ اٹھا کر بہت کچھ باور کروا گئی تھی ۔

''تم اس زندگی کا کیا کرو گی ۔اچھا ہے کسی کے کام آجائے۔ وہ مسکراتے ہوئے مزید چھیڑنے لگا''

''ہوں.....کسی غلط مقصد کے لئے استعمال ہو مجھے یہ قبول نہیں وہ مزید طمانیت

سے مسکرا دیا۔

''تم کچھ نہیں جانتی ہو چپ رہنا زیادہ بہتر ہے''

مگر میں جاننا چاہتی ہوں تمہارا جاننا زیادہ بہتر ہے وہ بھی دوبدو جواب دے گئی۔

''کیا کرو گی سمجھ کر.....؟''

''سچ سننا چاہتی ہوں جو کہ جان چکی ہوں۔''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''تمہیں کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا شیراز مصطفیٰ مگر مجھے پڑتا ہے۔ میں علی حمزہ کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

تم جو کچھ کر رہے ہو یہ گیم کھیل رہے ہو۔ اس سے چھپ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ بولو۔ اگر فی البدیع کی زندگی میں پھر سے طوفان آیا میں تمہیں برباد کر دوں گی یاد رکھا۔'' وہ اس کا گریبان پکڑ کر مشتعل انداز میں بول رہی تھی۔

شیراز مصطفیٰ نے یکدم سے اپنا گریبان چھڑا کر اس کا ہاتھ تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ یہ قریب کرنا ایسا تھا کہ وہ یکدم سے کھینچ کر درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور کوئی چیز اس کے بازو کو چیرتے ہوئے گزر گئی۔

حمیرا کی دلخراش چیخ سے وہاں کے پورے ماحول میں سناٹا سا چھا گیا۔ یہ سب کچھ یوں اچانک ہوا تھا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس رحمدل انسان نے خود سے اس کی زندگی بچا کر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ وہ اس کے سینے سے چپک کر کھڑی بدحواس ہو چکی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے اس سے علیحدہ ہو کر اس کے بازو کی جانب دیکھنے لگی وہ جو درد سے بلبلانے کے بجائے ضبط کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ ابھی وہ اسکا بازو تھام کر دیکھنا ہی چاہتی تھی کہ شیراز مصطفیٰ نے اسے ایک اور فائر سے بچایا تھا۔ وہ حیران تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ حیران اس بات پر تھی کہ شیراز مصطفیٰ یہ سے کیسے کئے چلے جا رہا ہے۔ اگلے ہی لمحے میں شیراز مصطفیٰ کی انگلیاں موبائل پر گردش کرنے لگی تھیں۔ وہ کسی سے بات کرتے ہوئے ساری سچو ایشن آگاہ کر رہا تھا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ان کو دی گئی اطلاع بالکل صحیح تھی اور یہ بھی کہ اب دشمن کی بربادی کا وقت قریب آگیا ہے۔ وہ چپ چاپ اس کی جانب دیکھتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

Exclonovels

وہ کافی کا کپ لئے پلر سے ٹیک لگائے کھڑی باہر ہوتی رم جھم کے حسین منظر کو اپنے وجود میں سانسوں کی مانند سمیٹ رہی تھی۔ اردگرد پھیلتی ہوئی ہریالی نے موسم کی دلکشی میں مزید اضافہ کرکے لمحوں میں روح بدن میں تراوٹوں کا سامان کر دیا تھا۔ بہت انجانی سی کتنے پل کتنے دن اس نے علی حمزہ کی سنگت میں گزار کر امر کئے تھے۔ وہ ان وادیوں کے پر کیف نظاروں میں کھوسی گئی مگر اگلے ہی لمحے آنکھیں تشکر سے چھلکنے لگیں۔ تو وہ مورے جان کو یاد کرکے بے اختیار رو دی تھی۔ بات تو ان سے ہوتی رہتی تھی۔ مگر وہ علی حمزہ کے پاس رہتے ہوئے بھی یہی خواہش کرتی تھی کہ وہ لوگ اس طرح سے چھپ کر نہ رہیں ل۔ وہ سب کی نظر میں مجرم تھا۔ یہی بات تکلیف دینے کا سامان بنی تھی۔ وہ تو یہ چاہتی تھی کہ وہ دونوں مورے جان کے ساتھ اپنی زندگی کی حسین شامیں گزاریں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں اس طرح سے شریک ہوں کہ ایک دوسرے کا اولین سہارا بن کر رہیں۔ وہ تو نہ جانے کن چکروں میں الجھا رہتا تھا آخر یہ چھپ کر زندگی گزارنے کا عمل کب تک جاری رہے گا۔

وہ علی کو معاف کر چکی تھی اب اسے سمجھ بھی آنے لگی تھی مگر وہ حقیقتاً ایسی زندگی سے چھٹکارا چاہتی تھی۔

''کیا سوچ رہا ہے......؟ علی نے پیچھے سے آکر اس کے گرد حصار ڈالا تھا۔

''کب تک علی! کب تک ہم اس طرح سے رہیں گے۔ تم تو عادی ہو تنہا رہنے کے میرے بنا رہنے کے مگر میں اب تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔'' وہ دھیرے دھیرے بولی تھی۔

''میں ہوں نا تمہارے ساتھ کیا ڈر......؟

''مجھے زندگی سے پیار ہو گیا ہے علی میں تمہیں نہ تو چھوڑ سکتی ہوں اور نہ ہی تمہیں یہاں اکیلے رہنے دینا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی بات کے جواب میں بولی تھی۔

''میں کب یوں چھپ کر زندگی گزارنے کے حق میں ہوں''

''تو واپس چلو نا علی! چھوڑ دو یہ سب کچھ یہ سب کچھ بے معنی ہے کوئی فائدہ نہیں علی تم مستقبل کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔'' آنکھیں بے اختیار ہی چھلکنے لگی تھیں۔

''کیا سوچوں فی البدیع نہ تو میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ ہے نہ ہی مستقبل میں، میں تمہیں شاندار زندگی مہیا کرنے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔'' وہ اسکی بات پر تڑپ کر تو رہ گئی۔

''تم تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہو نا۔ تو کیوں میری بات نہیں مان لیتے۔

''تم بھی تو مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تم یہ سب حالات کیوں نہیں سمجھ رہیں۔

''یہ بحث کب تک رہے گی علی! کوئی حل کیوں نہیں نکالتے؟

''تم جب تک چاہو میرے پاس رہ سکتی ہو۔ میں واپسی کا ہر رستہ بند کر چکا ہوں۔ ہر کشتی جلا چکا ہوں۔، وہ اس کو اپنے حصار سے آزاد کرتا واپس مڑ گیا۔ یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

علی حمزہ کا کہنا تھا کہ وہ ایک مجاہد ہے جو وطن کیلئے اپنی جان تو قربان کر سکتا ہے مگر اپنی یہ قیمتی جان پولیس کے درندہ صفت آدمیوں کے حوالے کر کے گنوا نہیں سکتا۔ پھر اسے علی حمزہ بننے میں بہت وقت لگا تھا۔ وہ سینہ سپر کر کے ہر دشمن سے لڑنا جانتا تھا۔ ٹھکانہ بدلنا اس کے لئے مشکل نہ تھا کہ اس کے پیچھے ایک پورا عملہ کارفرما تھا۔ تمیور حمزہ جو کہ ان کا گروپ لیڈر تھا۔ بہت ہی ضعیف مگر باہمت مرد تھا۔ اس نے ہی تو علی کو علی سے علی حمزہ بنایا تھا۔ ڈاکٹر کی حیثیت سے زخمی اور بیمار انسانوں کی مزاج پرسی اور تیمارداری کے ساتھ ساتھ اس پورے گروپ کے لئے اسلحہ تیار کرنا بھی علی حمزہ کے ذمے تھا او وہ اس میں کافی حد تک مہارت بھی حاصل کر چکا تھا۔ بظاہر تو یہ لوگ ایک غیر قانونی عمل کے پیش نظر غیر قانونی مصروفیات کے حامل تھے۔ علی حمزہ نے ہر طور خود کسی بھی غیر قانونی عمل سے باز رکھا ہوا تھا۔ تیمور حمزہ کی قیادت میں وہ اس قدر جانباز اور نڈر ہو چکا تھا کہ دشمن سامنے موجود ہو تب بھی اسے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ سرمد شاہ کی تیمور حمزہ سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی بلکہ سرمد شاہ اس سے وہ ہتھیار اور اسلحہ حاصل کرنا چاہتا تھا جو کہ تیمور حمزہ کے ہاں بہت خاص طور پر استعمال ہوا کرتے تھے اسی لئے وہ ہر طرح سے حملہ کر کے علی حمزہ اور تیمور حمزہ کے ساتھیوں کا خاتمہ اور ہتھیار لینا چاہتا تھا۔

سرمد شاہ اسمگلنگ میں خاصا نام کما چکا تھا آئے دن نت نئی اشیاء کی اسمگلنگ اور نت نئی سازش اس کے لئے کوئی خاص بات نہ تھی۔

یہ بات جب شیراز مصطفیٰ کے علم میں آئی تو اس نے علی حمزہ کی ہر طور مدد کی۔ کیونکہ وہ علی حمزہ کو ہر مصیبت سے بچانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ علی حمزہ ہر طرح سے تیمور حمزہ کے ساتھ اپنا رابطہ ختم کر کے خود کو ایک بار پولیس کے حوالے کر دے تا کہ وہ باعزت بری ہو سکے۔ ورنہ تو اسکا پولیس اور مافیا سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا

exponovels

اسی لئے وہ علی حمزہ کو ان جنگلوں سے آزاد کرنے کے لئے کچھ اور ہی کرنے کوششوں میں تھا۔

☆.....☆.....☆

حمیرا نے بہت ہی عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے زمین پر اس طرح سے لٹا دیا کہ درختوں کی اوٹ سے انہیں دیکھنا قدرے مشکل تھا پھر اس کے بازو سے گولی نکالنے کی سعی بھی تو بہت اہم تھی۔

جلدی سے اپنے گرد لپیٹا ہوا دوپٹا کھینچ کر تن سے جدا کیا۔ پاس ہی بڑی لکڑی کے ٹکڑے کو تراش کر برابر کرتے ہوئے پھرتی سے وہ جسم کے اندر سے گولی نکالنے لگی تھی ۔ حالانکہ وہ اس میں اتنی خاص مہارت کوئی نہیں رکھتی تھی۔ مگر فی البدیع کی سنگت کے زیر اثر وہ کافی حد تک ٹرینڈ ہو چکی تھی۔ کہ ایسے حالات میں کس طرح سے خود کو سنبھالتے ہوئے کسی بھی کام کو کس ڈھنگ سے کیا جانا چاہیئے''

''بہت درد ہو رہا ہے؟''

''ہاں.....'' بے اختیارہ شیراز مصطفیٰ کے لبوں سے سسکی نکلی۔ اگلے ہی پل اس نے گولی اس کے بازو سے نکال بار کی گاڑیوں کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ تو وہ حیرانی میں اس کی جانب تک رہی تھی۔ اس سے زیادہ حیرانی اسے گاڑی میں سے نکلتے ہوئے کرنل منان کو دیکھ کر ہوئی تھی۔

''پاپا.....'' آؤ دیکھو نا تاؤ کے مصداق وہ اپنے پاپا سے روتے ہی لپٹی تھی۔

''بی ریلیکس مائی ڈاٹر! ایوری تھنگ از فائن'' وہ سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دے رہے تھے۔ جبکہ شیراز مصطفیٰ کو آرمی کے لوگوں نے اٹھا کر گاڑی میں لٹایا تھا۔ اسے بھی اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور تسلی دیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ سب لوگ اتنی جلدی میں آئے تھے کہ وہ ان سے ان سب حالات کی وجہ سے بھی نہ پوچھ سکی۔ ان کا اچانک اس طرح سے پوری اتھارٹی کے ساتھ آن موجود ہونا یقیناً کسی بڑے طوفان سے سامنا کرنا ہی تھا۔

''تو کیا شیراز مصطفیٰ نے انہیں بلایا نہیں ہوگا؟ وہ پاپا کو کیسے جانتا ہے؟ اس کا اور پاپا کا کیا تعلق۔ دونوں کی پوسٹ بھی الگ الگ ہے'' وہ پورے رستے انجانے سوالوں میں گھری تھی۔ عجیب صورت حال درپیش تھی۔ عجیب سی ساعتیں وقت کی ڈور تھامیں اسے

الجھانے چلی آئیں تھیں۔ کہ وہ خود کو سمجھا نہ سکی بس الجھتی ہوئی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

پھر وہ یونہی واپس آ کر عجب سی بے چینیوں میں گھری ہوئی تھی پاپا۔ ان دو تین دنوں میں انتہائی بزی رہے۔ کہ وہ ان سے کچھ بھی دریافت نہ کر سکی تھی۔ واپس آ کر مورے جان سے ملی۔ تو وہ کافی مطمئن نظر آ رہے تھے کیونکہ وہ اس بات پر سے خوش تھے کہ فی البدیع اور علی حمزہ ایک ہو چکے ہیں۔ مگر اس کے اندر عجب سے طوفان اٹھے تھے وہ شیراز مصطفیٰ سے ملنے کے لئے بے چین تھی مگر وہ کہاں تھا۔ کس حال میں تھا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تھا۔ کچھ روز پھر اسی طرح سے دبے پاؤں گزر گئے۔ یہاں تک کہ زندگی نے ایک موڑ بدلا تھا۔ پھر سرد ہواؤں نے گرم لوؤں کا روپ دھارا تھا۔ پھر طوفانوں کا پیش خیمہ مورے جان کے اس خوبصورت سے گھر کی جانب مڑا تھا۔

پھر فی البدیع کی زندگی یکدم سے تاریکی کی ہمسفر بنی تھی۔ جب علی حمزہ کی شہادت کی خبر نے ہر ایک کو حیرانی کی کیفیت میں لپیٹ لی تھا۔ ایسا لگا کہ کائنات میں ایک ماتم کا رواج ہو چلا ہو۔ اس کی شہادت اس طرح سے اچانک وہ قطعاً اسے اتنی آسانی سے قبول کر لینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ابھی تو فی البدیع کی زندگی میں پھول مہکنے تھے خوشیوں نے بہت طمطراق سے براجمان ہونا تھا ابھی تو محبتوں کی آزمائش کے بعد پیار کا اک جہاں آباد ہونا تھا۔

ابھی تو..... ابھی تو لمحوں کی گردش میں تبدیلی کا امکان باقی تھا۔ پھر یہ آندھی اچانک کیسے چلنے لگی تھی کہ سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہوا تھا جیسے ہر امید ہر امنگ دم توڑ گئی ہو اور فی البدیع وہ پھر سے ٹوٹ گئی تھی حمیرا کے لئے یہ سب قبول کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ علی حمزہ کے ہاتھ اتنے کمزور نہ تھے کہ وہ پولیس والوں یا سرمد شاہ لوگوں کی کے ہاتھوں چڑھ جاتا۔ جہاں تک اس کی شہادت کا سوال تھا تو یقیناً اسے وہی عظیم رتبہ ملا تھا جس کی وہ خواہش کرتا تھا جس کی آرزو میں دن رات گزارے تھے۔ مگر کیسے یہ سب اچانک کیسے ہو گیا..... ! کہیں کوئی سازش تو نہیں.....؟ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔

ابھی وہ فی البدیع کے لوٹ آنے پر خوشی بھی نہ منا سکی کیونکہ اس کے غم کو گم کرنے کی ہمت نہ تھی لوٹنا تو دونوں نے تھا۔ پھر وہ شہید کی بیوہ کا اعزاز لئے لوٹ آئی تھی دوسری طرف تیمور حمزہ اور باقی لوگوں کی گرفتاری بھی ہو چکی تھی اور سرمد شاہ کو پوری طرح

expanovels

سے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

علی حمزہ نے یونہی نہیں چلا گیا تھا۔ وہ سرمد شاہ کو مار کر خود شہادت کا رتبہ لے گیا تھا علی حمزہ نے بظاہر تو غیر قانونی طور پر سرمد شاہ کے ٹھکانوں کو نظر آتش کیا تھا اسے اپنے سامنے کھڑے کر کے بندوق کی ساری گولیاں اس کے سینے میں گاڑیں تھیں پھر وہ پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے بری طرح سے زخمی ہوا تھا وہ مجاہد تھا حق کے لئے لڑا تھا تو شہادت کا رتبہ کیسے نہ ملتا پولیس تو بس اس سے ایک غیر قانونی کام کرنے کے جرم میں مارنے گئی تھی یا پکڑنے گئی تھی مگر علی حمزہ نے اپنے پورے گروپ کا دفاع کیا تھا۔

اسلحے سے اس نے تیمور حمزہ کو بچایا تھا۔ اپنے ساتھیوں کو بچاتے ہوئے وہ جام شہادت نوش کر گیا تھا۔

•

کئی دن یوں بے سدھ اور ہوش وحواس کو مفلوج کرتے ہوئے گزر گئے تھے مگر زندگی میں پھر سے وہی تسلسل شروع ہوا تو حمیرا نے شیراز مصطفیٰ سے ملنے کی آرزو میں ذرا دیر نہ لگائی تھی۔ اس سے ملنا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ وہ ہی تھا جو اس کے اندر چھپے سوالات کا جوابات دینے کا اہل تھا۔ پہلی فرصت میں وہ اس کے ڈیفنس والے گھر کا ایڈرس معلوم کر کے وہاں پہنچی تھی۔ دروازہ کسی ملازم نے کھولا تھا شاید۔ وہ شیراز مصطفیٰ کا پوچھنے لگی تو صاف جواب ملا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

''کہاں ہے وہ.....؟'' ذرا سی سختی سے پوچھا تو ملازم نے بتانے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ نہیں جانتا۔

''اسے کہو کہ حمیرا منان! کرنل خان کی بیٹی اسے ملنے آئی ہے میرا ملنا بہت ضروری ہے'' ملازم نے کچھ دیر توقف کے بعد دروازہ بند کر دیا اور اندر جا کر پھر سے لوٹ آیا۔

''آپ اندر آسکتی ہیں.....

''تو پہلے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ پکا جھوٹا شخص ہے نہ جانے میری کسی بات کا ڈھنگ سے جواب دے گا بھی یا نہیں۔ وہ سوچتی ہوئی اندر بڑھ گئی پورا گھر بے حد خوبصورتی اور نفاست سے سجا ہوا تھا۔ اور یوں لگ رہا تھا کہ پورے شیش محل کا منظر ہو اور اس کا حاکم شہزادہ کہیں دور کسی کونے میں جا چھپا ہو۔ جسے اپنی سلطنت کے کھو جانے کا سنگین ذرا اور خوف ہو مگر نہیں شیراز مصطفیٰ تو مجرم تھا اس کا مجرم جس نے فی البدیع کے

ارمانوں کا خون کیا تھا۔ جس نے علی حمزہ کی دوستی کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا سب جھوٹ تھا۔ اس کی پوسٹ اس کا وہاں موجود ہو کر علی حمزہ کی مدد کرنا۔ ملازم اسے لے کر بیڈ روم میں چلا آرہا تھا جہاں وہ کمبل میں سر دئے سونے کی کوششیں کر رہا تھا یا پھر یقیناً مر رہا تھا وہ عجیب سی حیرانی کا شکار تھی۔ اگر وہ سو رہا تھا کہ اسے اس طرح سے کوئی بلوایا نہیں وہ بیمار تو نہیں تھا۔

بے اختیار ہی حمیرا اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی پیشانی پر ہاتھ دھرا تو پیشانی بہت گرم تھی اس نے جیسے دہکتے ہوئے کوئلے کو چھو لیا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ بیمار کیسے ہو گئے؟ طنز میں لپٹی ہوئی تیمار داری پر وہ بے اختیار ہی آنکھیں کھول گیا۔ ابھی اس کے ہاتھ کے لمس نے سکون دیا تھا اور اب زبان کے نشتر تکلیف دے گئے۔ وہ ایک نظر سامنے صوفے پر بیٹھی حمیرا پر ڈال کر نگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔ آنکھوں کے گوشے یکدم سے نم ہوتے چلے گئے۔

''علی حمزہ کے جانے کا دکھ تمہیں اس قدر ہو گا یقین نہیں ہوتا

''میرا یار! مجھ سے بچھڑ گیا ہے اسے بڑا غم اور کیا ہو سکتا ہے؟''

''تمہاری وجہ سے ہی تو وہ اس دنیا سے چلا گیا اور تم ہی دکھی ہو رہے ہو.....

واٹ ربش کیا بکواس ہے یہ؟ وہ یکدم سے اس کی جانب دیکھتا ہوا چیخا تھا۔

''میں آج یہاں صرف اور صرف سچ سننے آئی ہوں شیراز مصطفیٰ آج کوئی بہانہ نہیں چلے گا کوئی جھوٹ نہیں چلے گا۔

بہتر ہے کہ میرے دل میں آئی ہوئی غلط فہمی دور کر ہی دو

''تمہارا اور میرا ایسا اعتماد کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ بھی اپنے نام کا ڈھیٹ تھا۔

او کے میں مانتی ہوں مگر ہمارا ساتھ اتنا تو ضرور رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کیلئے اجنبی نہیں۔ حمیرا کو اس کی بات پر بہت حیرانی اور دکھ تھا تو وہ اسے اپنے دل کے سب سے اعلیٰ منصب پر بٹھائے ہوئے تھی۔

''تم میرے پاس کیوں آئی ہو.....؟'' اب وہ تکیوں کے سہارے آہستہ آہستہ بیٹھنے لگا تھا۔

''مانا کہ بہت بار تم نے مجھ پر احسان کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم.....''

''وہ احسان نہیں تھا مائنڈ اب'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو شیراز مصطفیٰ پہلو

exponovels

بدل کر رہ گیا۔

''تو وہ سب کیا تھا بتاؤ گی مجھے؟''

''پلیز شیراز مصطفیٰ! میں اس وقت کچھ بھی کہنے کے موڈ میں نہیں ہوں مجھے میری باتوں کا جواب چاہیے''

''اعتبار کرتی ہو مجھ پر؟ میری بات پر یقین کرلو گی؟'' عجب سا سوال تھا وہ محض دیکھ کر رہ گئی۔

''تم کون ہو کیا ہو؟ کیوں کیا اس طرح سے؟ اس سب کے پیچھے کیا مقصد تھا تمہارا؟ یہ سب سوالات مجھے بے چین کئے دے رہے ہیں۔''

''تمہیں کیا فرق پڑتا ہے ان سب سوالا ت سے بھول جاؤ سب''۔ کمال کا جواب تھا وہ تپ کر رہ گئی پھر یکدم سے کھڑی ہوئی تھی۔

''او کے میں یہ سب بھول جاؤں گی۔ مگر تم یہ سب کیسے بھولو گے علی حمزہ کو کھونے کے بعد کیسے سکون میسر ہو گا بولو۔''

''آئی ایم سی آئی ڈی آفیسر!''

''سی آئی ڈی آفیسر...... مائی گاڈ۔'' وہ حیران ہو کر کھڑی اسے بس دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

''کرنل منان نے ہی مجھے اس ایرائیے کی اسپیشلٹی معلوم کرنے کے لئے وہاں تعینات کیا تھا۔ مقصد سرمد شاہ اور اس کے ساتھیوں کی اصلیت جاننا اور علی حمزہ کے روز و شب سے آگہی تھا۔'' یہ کیسی حقیقتیں کھلنے لگی تھیں۔ وہ تو وہاں علی حمزہ کو دوست بن کر رہا تھا یہ اچانک کیسا انکشاف ہوا تھا۔

''علی حمزہ! جو کر رہا تھا اس کی نظر میں وہ صحیح تھا مگر وہ یقیناً سرمد شاہ کی طرح مجرم ہی تھا اس نے جو ہتھیار اسمگلنگ کے ذریعے سیل کئے وہ اب کی بار پولیس حراست میں لے لئے گئے اور علی حمزہ جو کہ بلا شبہ مجاہد تھا دشمنوں سے لڑنا خوب جانتا تھا وہ صرف اپنی فیملی کی بربادی کے بعد اتنے بڑے ڈرگ مافیا کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مقصد پولیس سے انتقام تھا برے لوگوں کو قطعاً معاف نہیں کرتا تھا۔ پھر دوسری طرف وہ تیمور حمزہ کے کہنے میں آ کر قانون کو لاعلمی سے اپنے ہاتھ میں لے بیٹھا تو اس کا بچنا ناممکن تھا۔'' وہ بری طرح سے صوفے پر ڈھیر سی ہو گئی آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں سے جاری

ہو پڑا تھا۔

''تم۔ تم۔ شیراز مصطفیٰ تم۔ بھی۔ جھوٹے نکلے۔ گیم کھیل رہے تھے دوستی کا۔''

یہی ایک بات اس کے حواسوں پر بری طرح سے چھائی ہوئی تھی۔

شیراز مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو خود کو ٹوٹا پھوٹتا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رونے لگی تھی۔

''میں جس دن سے اس سے مل کر واپس لوٹ رہا تھا تو مجھے قطعاً امید نہ تھی کہ تم میرا آئی ڈی کارڈ پڑھ لو گی جو گاڑی میں گرا رہ گیا تھا۔ پھر تم نے کرنل منان کے ساتھ ہونے والی گفتگو بھی سنی اور تم نے یہ اندازہ لگایا کہ میں کچھ غلط کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں نے گاڑی خراب ہونے کا بہانہ کیا تو مقصد وہاں پر موجود سمگلرز سے دشمنوں کا پتہ لگانا تھا مجھے اسی دن یہ اطلاع موصول ہوئی تھی کہ اسے ایرائیے سے اسمگلنگ کا کچھ سامان خفیہ طور پر روانہ ہونے والا ہے۔ اسی لئے مجھے وہاں رکنا پڑا اور بدلے میں گولیاں بھی کھائیں۔ مگر خوشی اس بات کی تھی کہ وہ سامان اور سرمد شاہ کے کچھ آدمی گرفتار ہوئے تھے۔ پھر یہ بھی معلوم پڑا کہ تیمور حمزہ نے انہیں وہ سامان بیچا ہے غیر قانونی طور پر حالانکہ علی اس بات سے بالکل بے خبر تھا میں جانتا تھا مجھے علی کی حفاظت چاہیے تھی۔ میں علی کو بچانا چاہتا تھا مگر وہ خود ہی اپنے آپ کو ان لوگوں سے آزاد نہیں کروانا چاہتا تھا۔'' وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ شیراز مصطفیٰ کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں وہ بات کرتے ہوئے یکدم سے رونے لگا۔ کیسا انسان تھا وہ جب کچھ کیا ہی نہیں پھر بھی رو رہا تھا آخر وہ علی کا دوست تھا اگر ایک طرف اسے دوستی نبھانا تھی تو دوسری طرف اسے اپنا فرض بھی تو نبھانا تھا کچھ لمحے یونہی ساکت ہوتے چلے گئے یونہی دبے پاؤں بیت گئے دونوں ہی نم آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے۔

''آئی ایم سوری، میں نے آپ کو نہ جانے غصے میں کیا کیا بول دیا۔'' وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''مجھے اچھا لگا۔ آپ کا مجھ پر یوں حق جتانا'' وہ بھی بہت خوش دلی سے مسکرا دیا۔

''میں چلتی ہوں!''

''مت جایئے حمیرا!'' وہ دو قدم چلی تھی کہ اسے رکنا پڑا۔

''میں ایک دوست اور ساتھی تو کھو چکی ہوں دوسرا نہیں کھونا چاہتا۔'' عجیب لہجہ

exponovels

تھا ملتجی سا۔

''میں سمجھی نہیں''

''مجھ سے اب تو ناراض نہیں ۔ مانتی ہیں ناں کہ یہ سب مشیت ایزی کا حصہ تھا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے شیراز! فی البدیع کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔''

''ہم ہیں نا فی البدیع کو سنبھالنے کے لئے''۔ وہ یکدم ہی بستر سے اتر کر اس تک آیا تھا۔

''تم نے مجھے ہمیشہ میری تکلیف پر سپورٹ کیا۔ میری تکلیف سے تمہیں تکلیف ہوتی تھی اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں ۔'' حمیرا کے اندر یکدم سے ہی ہلچل ہونا شروع ہوئی تھی وہ اس کیفیت کو کیا نام دیتی۔

''اگر آپ کہیں تو میں آپ کے پیرنٹس سے بات کروں؟''

''ہوں اس کی کیا ضرورت ہے اب میری ناراضی ختم ہو چکی ہے ان سے کہنے کی ضرورت نہیں ۔'' وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی ۔ تو شیراز مصطفیٰ رخ موڑے اس کی بے نیازی پر مسکرا دیا۔

''کیا آپ میرے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنا پسند کریں گی؟''

''ہاہ..... پوری زندگی امپاسبل۔ مجھے آپ کا رویہ اور آپ کی باتیں ہضم نہیں ہو سکتیں۔ آپ بہت ڈفرنٹ ہیں ۔'' وہ صاف جواب دے گئی۔

''نہیں دوں گا۔''

''جو دے چکے ہیں اس کا کیا.....؟''

''کب مجھے یاد نہیں؟'' وہ اب پرانے وقتوں کا حساب چکتا کرنے چلی تھی۔

''پہاڑی سے گرنے کی ایکٹنگ کیوں کی؟'' اب مکمل طور پر اس کی جانب مڑتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

''رئیلی وہ میری جاب کا حصہ تھا ۔ میں ان دنوں خود کو بے بسی کے میدان میں چھوڑ کر اس پوزیشن اور اپنی کنڈیشن کو نوٹ کرنا چاہتا تھا۔ اپنا حوصلہ آزمانہ میرا مقصد تھا ۔ مجھے آپ لوگوں کے وہاں اس طرح سے آنے کی اور ہیلپ کرنے کی ذرا امید نہ تھی۔''

''تو ایکسکیوز کر کے اپنی پوزیشن کلیئر کر دیتے تو اس سے کم از کم دلوں میں وسوسے تو نہ پھیلتے۔''

''او کے اس وقت مجھے دھیان نہیں رہا۔ اب سوری کر دیتا ہوں آئندہ سے ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔

''اٹس او کے میں چلتی ہوں''۔ ابھی وہ خود کو ان سوچوں سے نکال کر دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اس کا ہاتھ شیراز مصطفیٰ کے ہاتھ میں چلا گیا وہ جھٹکا کھا کر رکی تھی۔ دوسری جانب اس کی خوبصورت آنکھوں میں امنگوں اور امیدوں کے دیپ جلنے لگے تھے۔

''جواب مثبت میں ہونا چاہیے اب معاملہ دل کا ہے'' وہ سر جھکائے تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

علی حمزہ کو گئے ڈیڑھ ماہ سے اوپر کا عرصہ ہو چکا تھا مگر فی البدیع ۳ کے چہرے پر کوئی شکن تک نہ آئی تھی۔

علی کے جانے کے بعد وہ خود کو اس طرح کمپوز کر کے پھرتی تھی جیسے اس کے رونے سے علی کو تکلیف پہنچے گی۔ پہلے ہی ان دنوں وہ اس کنڈیشن میں تھی کہ ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پر اپنی کیئر کرنے کو کہہ رکھا تھا حمیرا اور مورے جان کے ساتھ ساتھ حمیرا کے گھر والے بھی اسے کافی کمپنی دیتے تھے۔

اسی طرح وہ دھیرے دھیرے زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی حمیرا نے اسے صاف کہہ دیا تھا کہ اس سے اب جینا ہے تو اپنے بچے کے لئے۔

وہ تنہا تو نہیں تھی علی حمزہ کی بہت قیمتی نشانی اس کے پاس تھی تو یہ بات فی البدیع کیلئے کب کسی خوشی سے کم تھی۔

اس نے آہستہ آہستہ ہاسپٹل جوائن کر لیا اور اپنی زندگی مریضوں کی تیمار داری میں وقف کرنے کو ہی مناسب سمجھا تھا کیونکہ کوئی کب تک اپنی تقدیر کے فیصلے کے آگے لڑ سکتا ہے۔

ویسے بھی وہ اب اپنے بچے کے احساس سے ہی جینے لگی تھی اسے خوشی اس بات کی تھی کہ وہ شہید کی بیوہ تھی اس مجاہد کی بیوہ جس نے کچھ بھی غلط نہیں کیا اگر وہ شہید ہوا تو

exponovels

سرمد شاہ کی سازش کے تحت ہو بس اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اسے عبادت میں گزارتی۔ ہاسپٹل سے آنے کے بعد مورے جان سے باتیں کرتی جو کہ اسے دیکھ کر ہی جی رہے تھے ورنہ وہ تو شاید کب کے ختم ہو چکے ہوتے۔

☆……☆……☆

شام میں موسم بے حد سہانہ ہو چکا تھا۔ چونکہ گرمیوں کے دن تھے۔ شامیں ٹھنڈی ہو کر الگ ہی منظر پیش کیا کرتی تھیں۔ حمیرا نے فی البدیع کے لئے فرائید رائس بنائے تو ٹرے میں ڈالے وہیں چلی آئی تو جو کہ کچن میں کھڑی مورے جان کے لئے چائے بنا رہی تھی۔

''ارے……تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ چلو سائیڈ پر بیٹھو چائے میں بناتی ہوں۔ فی البدیع نے اس کی محبت کے پیش نظر سائیڈ چیئر سنبھال لی۔ آج کل تو بس وہ حکم ہی چلاتی نظر آتی تھی۔

فی البدیع نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ میں چھپے راز کو بغور جانچنا چاہا۔ مگر وہ کچھ بھی جان نہ پائی تھی۔

''کچھ تو ہے'' دل نے بے اختیار گواہی دی تھی۔

پھر اس نے مورے جان کے لئے چاول پلیٹ میں ڈالے اور چائے کا مگ ٹرے میں رکھتی ان کے روم میں چلی آئی جو کہ راکنگ چیئر میں بیٹھے نیوز پیپر پڑھنے میں مگن تھے۔

''آہا……ہماری بیٹی آئی ہے کیسی ہو……؟'' وہ کھکھلا اٹھے۔

''بالکل ٹھیک آپ سنائیں یہ کمرے میں ہر وقت بند کیوں رہتے ہیں اور میں ہی آؤں یہاں تو ٹھیک ہے آپ کو بھی کبھی فرصت نہیں ملتی۔''

''تم آجاتی ہو اتنا ہی کافی ہے'' وہ اس طرح سے جرح کرنے لگے۔

''کیوں کافی ہے۔ پاپا آپ کا بہت پوچھ رہے تھے انہیں کمپنی دے دیا کریں۔ بلکہ ان کی کمپنی میں خوش ہو جایا کریں'' وہ ہشاش بشاش لہجے میں کہتے ہوئے سامنے بیٹھ گئی۔ مورے جان بے اختیار ہی مسکرائے دیئے پھر چاول کھاتے ہوئے اس کی ڈھیر ساری تعریف کر کے جی خوش کر دیا۔

''اچھا بیٹا! وہ کرنل منان کہہ رہے تھے کہ تمہارے لئے کوئی لڑکا پسند کیا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''کس بات پر، وہ ان کے کمرے کی سیٹنگ کرنے لگی۔

''شیراز مصطفیٰ! کے ساتھ پوری زندگی گزارنے پر''۔

''نہیں بھلا مجھے کیا اعتراض ہونا ہے'' وہ جتنی تیزی سے بیڈ شیٹ بچھا رہی تھی اتنی ہی تیزی سے زبان چلائی۔ وہ یکدم سے قہقہہ لگا کر ہنس دیئے تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''ہوں تو یہ بات ہے کب سے جانتی ہو اسے؟''

''جی……وہ……میں……نہیں۔''

''کیا……جی جی……میں میں لگا رکھی ہے۔ آخر کو محترم کو پسند کر رکھا ہے تم نے بتانا ضروری نہیں سمجھا۔'' وہ اسے مسلسل پریشان کئے جا رہے تھے۔

''رات میں فی البدیع کہہ رہی تھی کہ شیراز بہت اچھا لڑکا ہے حمیرا کو پسند بھی کرتا ہے تو یقیناً اسے خوش رکھے گا اور یہ بھی کہ میں شیراز کی طرف سے تمہارے بابا سے بات کروں۔''

''ہیں……ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ پاپا نے اسے میرے لئے پسند کیا ہے اور ابھی……'' وہ حیرانی سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

''ادھر آؤ میرے پاس'' وہ شفقت سے اسے اپنے پاس بلا گئے۔

''تمہیں شیراز مصطفیٰ کے ساتھ شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے اسے پسند کرتی ہو تو یہ بات ہم سے کیوں چھپائی اگر وہ خود نہ کہتا تو شاید یہ بات آگے نہ بڑھتی۔''

''مورے جان!'' میں لڑکی ہو کر کیسے خود اعتراف کر لیتی ایسے اچھا نہیں لگتا تھا پھر انہوں نے کہا تو ٹھیک لگا وہ تو مرد ہیں ان کا کہنا بنتا ہے'' دروازے میں کھڑی فی البدیع قہقہہ لگا کر ہنسی تھی اور فی البدیع ہی کے پیچھے کھڑے شیراز مصطفیٰ نے بھی مسکرانے میں ذرا کنجوسی نہ کی۔

''چلو اچھا ہوا……تم نے خود ہی اعتراف کر لیا ورنہ بے چارے شیراز کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے۔'' مورے جان مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور وہ شرمندہ سی دوپٹہ سر پر جمائے اٹھ کھڑی ہوئی ارادہ تیزی سے باہر نکلنے کا تھا مگر فی البدیع

exponovels

راہ میں حائل ہوئی۔

''مجھ سے چھپا کر اچھا نہیں کیا... سزا تو ملنی چاہیے نا'' وہ سر جھکائے کھڑی تھی فی البدیع نے اسے مزید شرمندہ کیا۔

''محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں بہت عجب چمک ہوتی ہے حمیرا! میں وہ چمک بہت پہلے ہی دیکھ چکی تھی تمہاری سزا یہ ہے کہ تم رخصتی میں جلدی کرنے سے روکو گی نہیں اور ہماری خواہش یہ ہے کہ رخصتی جلد سے جلد ہو جائے۔'' وہ آہستہ سے فی البدیع کے ساتھ لگ گئی جب کہ شیراز مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھا تھا جہاں حیا کے مختلف رنگ ڈھیرے ڈھیرے بکھرتے چلے جا رہے تھے۔ فی البدیع نے حمیرا اور شیراز کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش و خرم رہنے کی دعائیں دی تھیں ساتھ میں نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے دعا بھی کی۔

''کہ ہمیشہ خوش رہو۔'' جس پر سبھی اپنی اپنی جگہ پر کھلکھلا کر ہنس دیئے تھے۔

exponovels